اعجاز الحق قدّوسی
تذکرۂ صوفیائے بنگال
مرکزی اردو بورڈ

تذکرۂ صوفیائے بنگال، اعجاز الحق قدوسی صاحب کی تازہ تصنیف ہے۔ موصوف قبل ازیں تذکرۂ صوفیائے سندھ تصنیف فرما چکے ہیں۔ تذکرۂ صوفیائے بنگال میں آپ نے ان صوفیائے کرام کے حالاتِ زندگی تحریر فرمائے ہیں جنھوں نے بنگال میں اسلام کی شمع روشن رکھی۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ملک کے دونوں خطوں کے لوگ ایک دوسرے کے ماضی سے روشناس ہوں۔ تذکرۂ صوفیائے بنگال اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

مرکزی اردو بورڈ، اعجاز الحق قدوسی صاحب کی ایک اور تصنیف، تذکرۂ صوفیائے سرحد عنقریب شائع کر رہا ہے۔ یہ کتاب بھی زیرِ نظر کتاب کی طرح ایک حسین مرقع ہوگی۔

Rs 10

احمدالدّین اظہر

# تذکرۂ صوفیائے بنگال

اعجاز الحق قدوسی

مرکزی اردو بورڈ

۳۶ - جی ، گلبرگ * لاہور

بار اول

اپریل - ۱۹۶۵ء

Rs 10

ناشر : احمد الدین اظہر

ڈائرکٹر ، مرکزی اردو بورڈ

طابع : نذیر احمد چودھری

سویرا آرٹ پریس ، لاہور
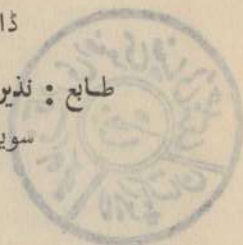
# اظہارِ تشکر

یوں تو میں اپنی اس تالیف میں ان تمام حضرات کا شکرگزار ہوں کہ جنھوں نے مجھے اس کتاب کے دوران تالیف میں اپنے گراں قدر مشوروں سے مستفید فرمایا ۔

لیکن خصوصیت سے میں اس سلسلے میں سب سے زیادہ بنگال کے محقق تاریخ تصوف ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی کا ممنون و شکرگزار ہوں کہ میں نے ان کے چراغ سے اپنا یہ دیا روشن کیا ہے ، میں اس کتاب میں ان کا خوشہ چین ہوں ، ان کی کتابیں میری اس کتاب کے اہم مآخذ ہیں ، ان کے زریں مشورے اس تالیف میں میرے شامل حال رہے ہیں ، اگر ان کی کتابیں میرے سامنے نہ ہوتیں ، اور وہ اپنے گراں قدر مشوروں سے میری رہبری نہ کرتے تو شاید میں یہ کتاب کبھی نہ لکھ سکتا ۔

میں جناب محترم عبدالکریم صاحب لکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی کا بھی بیحد شکرگزار ہوں کہ میں نے ان کی کتاب سوشل ہسٹری آف بنگال کے ذریعہ سے بہت سے مشرقی پاکستان کے صوفیائے کرام کے حالات تک رسائی حاصل کی کہ جن تک میری رسائی بہت مشکل تھی ۔

احسان ناشناسی ہوگی اگر اس موقع پر میں اس مرد جلیل کا شکریہ ادا نہ کروں کہ جس کی کتابوں نے ہمیشہ مجھے بڑی بصیرت بخشی ، اس کی کتابیں ابتدا سے میرے تالیفی کارواں کی خضر راہ رہی ہیں ، جس کے قلم کی شگفتگی نے اس موضوع کے گلشن کو پاکستان میں سدا بہار بنایا اور مجھ جیسے لکھنے والوں کے لیے نئی راہیں پیدا کیں جو پاکستان میں اس قصر کا معمار اول ہے ۔ جس کے دیدار سے میری آنکھیں

محروم اور جس کی بے پناہ عقیدت سے میرا قلب معمور ہے ، وہ اچانک اس تالیف کے دوران میں میرے لیے فرشتۂ رحمت بن کر اس طرح نمودار ہؤا کہ آنکھیں اس کے جمال سے محروم اور زبان اس کے شکریہ سے قاصر رہی ، یہ ہیں میرے بے لوث محسن شیخ محمد اکرام صاحب جو ایک روز میرے دفتر میں تشریف لا کر جب کہ میں دفتر میں موجود نہ تھا ، بغیر نام بتائے ہوئے ، بغیر کسی ربط و ملاقات کے بنگال کے صوفیا پر مجھے ایسے مآخذ دے گئے کہ جن تک میری دست رس ناممکن تھی ، میں قراین سے یہ متعین کر سکا کہ یہ کرم فرما شیخ محمد اکرام ہی تھے ورنہ باوجود میرے بار بار لکھنے کے آج تک بھی انھوں نے یہ واضح نہیں فرمایا کہ انھوں نے ہی مجھ پر یہ احسان فرمایا تھا ، احسان کر کے اور اس طرح بھلا دینا کہ جس پر احسان کیا گیا ہو ، اس کو یہ بھی معلوم نہ ہو کہ اس پر یہ احسان کس نے کیا ہے ، بلندیِ کردار اور حسنِ اخلاق کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے کہ جس کی مثال اس دور میں نہیں ملتی ، گو یہ سچ ہے کہ آفتاب عطیۂ نور میں ذروں سے طالبِ تشکر نہیں ہوتا ، سمندر قطروں سے داد نہیں چاہتا ، سلطان گدا سے خراج نہیں مانگتا مگر ذرے ، قطرے اور گدا کے بھی تو کچھ فرض و احساسات ہیں ، شیخ محمد اکرام صاحب کے پہلے ہی مجھ پر علمی احسانات کیا کم تھے اور اب تو ان کا یہ کرم مجھے اس منزل میں لے آیا ہے ، جہاں زبان گنگ اور انسان سرتاپا تشکر ہوتا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ میری خموشی ہی ان کے لیے میرے تشکر کی ترجمان ہے ، اگرچہ وہ خود اس سے بے نیاز ہیں -

میں جناب محترم سلیم‌اللہ صاحب فہمی کا بھی رہینِ منت ہوں کہ انھوں نے بھی اس سلسلے میں میری مدد فرمائی -

میں اپنے نوجوان عزیز دوست مفتی رفیع‌الدین کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے بعض انگریزی مآخذ کا ترجمہ کر کے میرے لیے اس کام کو آسان بنا دیا -

میں مغربی جرمنی کی مشہور مستشرق خاتون ڈاکٹر اینی میری شمیل پروفیسر بون یونیورسٹی (مغربی جرمنی) کا بھی بیحد شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب پر تعارف لکھ کر جس کا ترجمہ تعارف کے عنوان سے اس کتاب کی ابتدا میں اور اصل متن انگریزی میں ہے جو اس کتاب کے

آخر میں شامل کیا جا رہا ہے ۔

میں اپنے محترم دوست سید حسام الدین صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کی تالیف کے دوران میں اپنے گراں قدر مشوروں سے مجھے نوازا ۔

میں آخر میں اپنے عزیز دوست مبین الحق صاحب صدیقی اسپیکر مغربی پاکستان اسمبلی کا متشکر ہوں کہ ان کی دلچسپیوں اور بار بار کے تقاضوں نے اس کتاب کی تکمیل میں بڑی مدد کی ۔

میں اپنے عزیز ترین دوست حضرت جمیل جالبی کا بھی بیحد ممنون ہوں کہ انھوں نے اس کتاب کے سلسلے میں بعض اہم مآخذ کی فراہمی میں میری مدد کی ۔

لیاقت آباد ۵/۳۵۷ کراچی نمبر ۱۹

**اعجاز الحق قدوسی**
۸ جون ۱۹۶۳ء

# ترتیب

| عنوان | | صفحہ |
|---|---|---|
| اظہار تشکر | از مولف | ۵ |
| ترتیب | | ۹ |
| فہرست توضیحی حواشی | | ا تا د |
| تعارف | از پروفیسر ڈاکٹر اینی میری شمیل - پروفیسر بون یونیورسٹی (مغربی جرمنی) | ر تا ط |
| مقدمہ | از مؤلف | ۲۵ |
| بنگال | | ۳۵ |
| مسلمانوں کی آمد بنگال میں | | ۳۷ |
| بنگال کا پہلا تبلیغی مرکز | | ۳۷ |
| بنگال میں مسلم عہد حکومت کی ابتدا | | ۳۸ |
| بختیار خاں | | ۳۸ |

## (الف)

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| حضرت بابا آدم شہید | ۵۱ |
| حالات | '' |
| بنگال میں تشریف آوری | '' |
| مقبرہ | ۵۲ |
| کتبہ | '' |
| شاہ اسمٰعیل غازی | ۵۳ |
| شاہ انور قلی حلبی | ۵۵ |
| حالات | '' |
| کتبہ | ۵۶ |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| **شیخ انور** | ۵۷ |
| حالات | " |
| **حضرت ابو تراب** | ۵۹ |
| حالات | " |
| **خواجہ انور شاہ** | ۶۱ |
| **شاہ ابراھیم دانشمند** | ۶۳ |
| حالات | " |
| وفات | ۶۴ |
| **شاہ الا** | ۶۵ |
| حالات | " |
| **شاہ ابواللیث** | ۷۱ |
| حالات | " |
| بیعت | " |
| وفات | ۷۲ |
| تصانیف | " |
| سجادہ نشینی | " |
| **شاہ ابوالارشاد علی عبدالقادر** | ۷۳ |
| حالات | " |
| شاعری | " |
| وفات | " |
| **مولانا اسام الدین** | ۷۵ |
| ولادت | " |
| بیعت | ۷۶ |
| حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک میں شرکت | " |
| مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل شہید سے روحانی استفاضہ | ۷۷ |
| بنگال میں رشد و ھدایت | ۷۸ |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| وفات | ۸۰ |

## (ب)



## (پ)



## (ج)

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| شاہ میر ڈھاکر علی | ۱۷۳ |
| حالات | " |
| **(ذ)** | |
| سیدنا حضرت ذاکر علی | ۱۷۵ |
| حالات | " |
| **(ر)** | |
| قاضی رکن الدین سمرقندی | ۱۷۹ |
| حالات | " |
| بوجر برھمن کا قبولِ اسلام | ۱۸۰ |
| وفات | ۱۸۱ |
| شیخ رفقۃ الدین | ۱۸۳ |
| حالات | " |
| روشن آرا | ۱۸۵ |
| شیخ راجا بیابانی | ۱۸۷ |
| **(ز)** | |
| شیخ زاھد | ۱۸۹ |
| حالات | " |
| وفات | ۱۹۰ |
| شاہ زید | ۱۹۱ |
| حالات | " |
| **(س)** | |
| حضرت سراج الدین (اخی سراج) | ۱۹۳ |
| حالات | " |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| **سید سلطان** | ۲۲۹ |
| حالات | ۲۳۰ |
| سید سلطان کی تصانیف | " |
| وفات | ۲۳۹ |
| مرید | " |

**(ش)**

| | |
| --- | --- |
| **مولانا شرف الدین ابو توامہ** | ۲۴۱ |
| حالات | " |
| درس و تدریس | ۲۴۵ |
| تصانیف | " |
| وفات | " |

**(ص)**

| | |
| --- | --- |
| **شاہ صفی الدین** | ۲۴۷ |
| حالات | " |
| بنگال میں تشریف آوری | " |
| وفات | ۲۴۹ |

**(ظ)**

| | |
| --- | --- |
| **ظفر خان غازی** | ۲۵۱ |
| **مخدوم شاہ ظہیر الدین** | ۲۵۳ |

**(ع)**

| | |
| --- | --- |
| **شاہ عبداللہ گجراتی** | ۲۵۵ |
| حالات | " |
| وفات | " |
| کتبہ | " |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ |
|---|---|

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |

| عنوان | صفحہ |
|---|---|
| درگہ کے اوقاف | ۳۶۶ |
| **سید مرتضیٰ شاہ** | ۳۶۹ |
| حالات | " |
| وفات | ۳۷۰ |
| تصانیف | " |
| فارسی شاعری | ۳۷۲ |
| **صوفی سید محمد دائم** | ۳۷۵ |
| حالات | " |
| بیعت | " |
| شاہ منعم پاکباز کی خدمت میں حاضری | ۳۷۶ |
| ڈھاکہ میں قیام | " |
| مقبولیت | " |
| شریعت کی پابندی | ۳۷۷ |
| اشاعتِ علم | " |
| وفات | " |
| **قاضی موکل** | ۳۷۹ |
| حالات | " |
| بنگال میں تشریف آوری | " |
| مزار | " |
| **شاہ محمدی** | ۳۸۱ |
| حالات | " |
| سجادگی | " |
| اتباع شریعت | " |
| فیاضی | " |
| وفات | ۳۸۲ |

| عنوان | صفحه |
|---|---|

## (ن)

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| مکاتیب | ۳۰۴ |
| تصانیف | ۳۰۵ |
| آردو پر احسان | " |
| وفات | " |
| مزار مبارک | ۳۰۶ |
| اولاد | ۳۱۱ |
| خلفاء | " |
| **شاہ نعمت اللہ قادری فیروز پوری** | ۳۱۹ |
| حالات | " |
| سلسلۂ طریقت | ۳۲۰ |
| شاہ شجاع کی ارادت | ۳۲۱ |
| تصانیف | " |
| وفات | " |
| **شاہ نوری** | ۳۲۳ |
| حالات | " |
| شاہ باگو کی خدمت میں حاضری اور بیعت | " |
| ریاضتیں اور مجاہدے | ۳۲۴ |
| ڈھاکہ کو واپسی | " |
| علم و فضل | ۳۲۵ |
| تصانیف | " |
| وفات | " |
| اولاد | " |
| **(ی)** | |
| **شیخ یوسف بنگالی** | ۳۲۷ |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |

# فہرست توضیحی حواشی

| ذیلی حواشی | صفحہ |
|---|---|
| جلال الدین محمد اکبر | ۹۸ |
| ملا عبدالقادر بدایونی | ۹۹ |
| نور جہاں | ۱۰۴ |
| شہزادہ عظیم الشان | ۱۰۷ |
| محمد معظم بہادر شاہ | ۱۰۸ |
| فرخ سیر | ۱۱۰ |
| حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی | ۱۱۳ |
| حضرت بہاء الدین ذکریا ملتانی | ۱۱۵ |
| شیخ فرید الدین عطار | ۱۱۸ |
| حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | ۱۲۰ |
| شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغریٰ | ۱۲۳ |
| شیخ جمالی | " |
| شیخ علی | ۱۲۹ |
| مولانا سید علاء الدین اصولی بدایونی | ۱۳۱ |
| سلطان باربک شاہ | ۱۳۴ |
| سلیمان کترانی | ۱۳۵ |
| محمد غوثی مانڈوی مولف تذکرہ | " |
| گلزار ابرار | ۱۳۲ |
| شیخ علی شیر | ۱۴۴ |
| حضرت جلال سرخ | ۱۴۶ |
| شیخ پیارہ | ۱۵۵ |
| حضرت مجدد الف ثانی | ۱۶۳ |
| مفتی عبدالرحمٰن کابلی | ۱۶۶ |
| شیخ عبدالحی حصاری | ۱۶۷ |
| مولانا شہباز محمد بھاگل پوری | ۱۷۵ |
| علی مردان خلجی | ۱۷۹ |
| سلطان جلال الدین جدو | ۱۸۹ |
| حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی | ۱۹۳ |
| مولانا فخر الدین زرادی | ۲۰۱ |
| مولانا رکن الدین اندرپتی | ۲۰۵ |

## ذیلی حواشی

## ذیلی حواشی

# تعارف

## ڈاکٹر اینی میری شمیل پروفیسر بون یونیورسٹی (مغربی جرمنی)

مجھے مولانا اعجازالحق صاحب قدوسی کی اس نئی کتاب " تذکرۂ صوفیائے بنگال " کا اردو کے قارئین سے تعارف کراتے ہوئے بڑی مسرت محسوس ہو رہی ہے -

گزشتہ چند برس میں مولانا قدوسی نے خاصی تعداد میں تصوف کی تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں - خاص طور پر انہوں نے اپنی کتابوں کے ذریعہ سے ان علاقوں کے صوفیائے کرام کا تعارف کرایا ہے جو اب پاکستان میں شامل ہیں - ہم مغربی ملکوں کے رہنے والوں کو سندھ اور پنجاب کے صوفیہ کے متعلق واقفیت ان ہی کے ذریعہ سے بہم پہنچی -

مولانا قدوسی کا شاہکار ان کے مورثِ اعلیٰ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی وہ سوانح حیات ہے جو " شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات " کے نام سے شائع ہوئی ہے ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ارشادات سے علامہ اقبال نے بھی اپنے مشہور خطبات میں استفادہ کیا ہے - میرا خیال ہے کہ جلیل القدر صوفیا کی شخصی سوانح حیات میں اس سے بہتر کتاب کسی زبان میں نہیں لکھی گئی -

اب انہوں نے شدید اور جانکاہ محنت سے تذکرۂ صوفیائے بنگال مکمل کیا ہے ، یہ موضوع اور بھی زیادہ مشکل تھا - مجھے اس مشکل کا احساس اس وقت ہؤا جب میں مشرق پاکستان میں سفر کر رہی تھی ، میں وہاں بہت سے صوفیائے کرام کے مزارات پر حاضر ہوئی ، اور ان بزرگوں کے حالات معلوم کرنے چاہے ، مگر میں نے دیکھا کہ لوگوں میں ان کے

زمانے تک کے متعلق بھی اختلاف رائے تھا - اور ان کے لیے ان کی زندگی کے بارے میں کچھ بتانا تو ناممکن ہی تھا -

مشرق پاکستان میں مغربی پاکستان کے مقابلے پر مشہور صوفیائے کرام کی تعداد بھی کم ہے ، اور ان کے مزارات بھی آتنے عالی شان اور آراستہ نہیں جیسے مغربی پاکستان میں خاص طور پر پنجاب ، سندھ اور ملتان کے مزارات ہیں -

میں نے ڈھاکا کے مختلف مزارات کی زیارت کی - خاص طور پر میرپور کے جو ڈھاکا کے شمال میں ہے اور جو پانچویں صدی ہجری میں آباد ہؤا تھا - میں سلہٹ میں گئی اور شاہ جلال مجرد سلہٹی کے مزار پر حاضر ہوئی ، اور تالاب کے مگرمچھ بھی دیکھے - وہاں ایک بڑا مجمع تھا ، لیکن شاہ جلال کے حالاتِ زندگی اور شجرۂ نسب کے بارے میں جو باتیں مجھے بتائی گئیں ، ان میں اختلاف پایا جاتا تھا -

میں چٹاگانگ میں شاہ بایزید بسطامی کے مزار پربھی حاضر ہوئی ، یہ ایک عجیب و غریب مقام ہے - جہاں لاتعداد کچھوے ہیں اسی طرح ہیں جیسے کراچی میں منگوپیر کے مزار پر مگرمچھ ہیں - مجھے تعجب ہؤا کہ حضرت بایزید بسطامی اپنےمزار پر ایسے عجیب جانور دیکھ کر کیا فرماتے ہوں گے -

میں نے وہاں گیت اور معرفتی نغمے سنے جو عوام میں مقبول ہیں اور ہر قسم کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں - ان گیتوں میں روح کی عشق حقیقی میں کیفیت سمندر میں سفر کرنے والے لوگوں کے نقطۂ نظر سے پیش ہوئی ہے - روح کو ٹوٹی ہوئی کشتی میں کھویا ہؤا دکھایا گیا ہے ، دنیا بحر بیکراں ہے ، موجیں اور گرداب کشتی کو گھیرے ہوئے ہیں - بجلیاں کشتی کے بادبانوں کو پھاڑے ڈال رہی ہیں - صرف حضرت محمدؐ جو عظیم ناخدا ہیں روح کو خدائے عزوجل تک پہنچا سکتے ہیں -

صوفیا کی اس پاکیزہ دنیا میں مولانا قدوسی نے ہمیں پورے طور سے متعارف ہونے کا سامان مہیا کر دیا ہے -

میں نہایت خلوص سے اپنی اس تمنا کا اظہار کرتی ہوں کہ مولانا قدوسی کی یہ تصنیف بھی ان کی سابقہ تصانیف کی طرح ان تمام لوگوں

کے لیے مشعلِ راہ ہو گی جو پاکستان کی روحانی تاریخ میں دلچسپی رکھتے ہیں -

۶ اکتوبر ۱۹۶۲ء **پروفیسر ڈاکٹر اینی میری شمیل**

# مقدمہ

اعجاز الحق قدوسی

بنگال میں جس آخری ہندو سلطنت کے بعد اسلامی حکومت کا آفتاب طلوع ہؤا وہ سین خاندان کی حکومت ہے ۔ سین خاندان کے راجا تقریباً سو برس تک بنگال کے اکثر حصوں پر قابض رہے ۔ اس خاندان کی سلطنت کا بانی سامنت دیو نسلاً برہمن تھا جو ۱۰۵۰ء—۴۴۲ھ کے لگ بھگ دکن سے آ کر اولاً سیرن ریکھا ندی کے کنارے کاسی پور نامی بستی میں آباد ہؤا ۔ سامنت دیو اور اُس کا بیٹا ہانت سین معمولی درجے کے سردار رہے ، لیکن جس کے زمانے میں باقاعدہ سین خاندان حکومت کی بنیاد پڑی وہ ہانت سین کا بیٹا بجے سین تھا ، جس نے ۱۱۰۰ء — ۴۹۲ھ میں پال راجا کے بعض علاقوں پر قبضہ کر کے اپنی حکومت کو وسیع کیا ، اور اپنے چالیس سالہ دور حکومت میں اُس نے کلنگا اور اوڑیسہ تک اپنا اثر و رسوخ قائم کر لیا ، اور بنگال کے مشہور شہر لکھنوتی کو اپنا دارالسلطنت بنایا ۔

بجے سین کے بعد اُس کا بیٹا بلال سین راجا ہوا ، اُس نے ہندو مذہب کو اس طرح تقویت دی کہ ہندوؤں کی ذات کی تقسیم ، جو تقریباً مٹ چکی تھی ، اس تقسیم کو اُس نے از سر نو رائج کیا ۔

بلال سین کے بعد اس کا بیٹا لکھمن سین راجا ہوا ، اُس نے طویل عمر پائی اور شہر ندیا کو اپنا دارالسلطنت بنایا ۔ اسی کے زمانے میں ہندوؤں کی حکومت کی بساط سلطنت اُلٹی اور بنگال کے پہلے مسلم فاتح اختیار الدین محمد بن بختیار خلجی نے اس ملک میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی ۔

اختیار الدین محمد بختیار خلج و غور و بلاد گر مسیر کے بڑے لوگوں میں تھا ، وہ ابتداء سلطان معزالدین سام (شہاب الدین غوری) کے پاس غزنی آیا ، لیکن چونکہ وہ شکل و صورت اور وجاہت ظاہری نہ رکھتا تھا ، سلطان شہاب الدین نے اُس کا معمولی وظیفہ مقرر کر دیا ، وہ بد دل ہو کر دہلی چلا آیا ، لیکن یہاں بھی اُسے کامیابی حاصل نہ ہوئی - وہ دہلی سے سپہ سالار ہزبر الدین ارنب کے پاس بدایوں پہنچا ، وہاں کچھ دن رہنے کے بعد اودھ آ کر ملک حسام الدین اغلبک کا ملازم ہوا ، یہیں اُس نے ہتھیار اور گھوڑے فراہم کیے ، اور سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوحہ علاقوں سہلت و سہلی میں مرزا پور کے قریب جاگیر حاصل کر لی ، اور یہیں سے وہ منیر اور بہار پر دھاوے بول کر فتوحات حاصل کرتا رہا -

اتفاق دیکھئے کہ اُسی زمانے میں غور و خراساں اور مرو کے کچھ لوگ ہندوستان آ کر ادھر اُدھر پریشان پھر رہے تھے ، انھوں نے محمد بن بختیار کا شہرہ سنا اور وہ سب لوگ اُس کے گرد آ کر جمع ہو گئے ، محمد بن بختیار کو ان کے آنے سے بڑی مدد ملی ، اور اس تقویت کے پہنچنے کے بعد وہ اپنے اثر و رسوخ کو قوی کرتا رہا ، یہاں تک کہ اُس کا شہرہ سلطان قطب الدین ایبک[1] تک پہنچا ، سلطان قطب الدین نے اُسے اپنے پاس بلایا ، اور اُس کے ساتھ نہایت عزت و احترام سے پیش آیا ، ریاض السلاطین میں ھے کہ سلطان قطب الدین نے اُسے بہار اور منیر کی صوبہ داری کا فرمان دے کر اُس طرف روانہ کیا ، دو برس تک وہ

---

۱ - سلطان محمد غوری کی وفات کے بعد ترک افسروں کے مشورے سے قطب الدین ایبک ہندوستان کے تخت پر ۱۲۰۶ء میں بیٹھا ، یہ سلطان محمد غوری کا غلام ، ہندوستان کا پہلا خود مختار بادشاہ اور خاندان غلاماں کی حکومت کا بانی تھا ، اس نے چار سال حکومت کی ، اور ۱۲۱۰ء میں پولو کھیلتے ہوئے گھوڑے سے گر کر لاھور میں وفات پائی ، اس کا مزار لاھور میں انارکلی کے عقب میں واقع ھے - (ماخوذ از آب کوثر ، صفحہ ۱۱۲)

بہار[1] اور منیر کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے حملے کرتا رہا ، آخر اُس نے بہار کو فتح کرنے کا عزم بالجزم کر لیا ، اور دو سو سوار لے کر اُس نے مردانہ وار جنگ کر کے قلعۂ بہار کو فتح کر لیا ، بہار کا راجا اندرمن دیوپال بھاگ کر کہیں روپوش ہو گیا ۔

صاحب طبقات ناصری کا بیان ہے کہ اُس زمانے میں بہار کے اکثر باشندے سر منڈے برھمن یعنی بودھ مذھب کے راھب تھے ۔ کہتے ھیں کہ بہار میں ھندوؤں کا ایک عظیم الشان کتب خانہ بھی تھا جو بختیار خاں کے ھاتھ لگا ۔ اس نے اس کتب خانے کی کتابوں کے متعلق وھاں کے لوگوں سے مطالب کی تحقیق چاھی ، لیکن چونکہ راھب قتل ھو چکے تھے ، اس لئے کوئی ان کے مطالب بیان نہ کر سکا ۔

بہار کی فتح کے بعد محمد بن بختیار فاتح و منصور ھو کر سلطان قطب الدین ایبک کے پاس واپس ھوا ، اُس کے تقرب و اختصاص کو دیکھ کر ارکان دولت میں اُس کے خلاف حسد پیدا ھوا ، اور وہ اُس کو ھندوستان سے نکالنے کی تدبیریں سوچنے لگے ، ایک روز انھوں نے متفقہ طور پر سلطان قطب الدین ایبک سے کہا کہ محمد بن بختیار اس قدر

---

۱ ۔ تاریخی روایات سے یہ حقیقت واضح ھوتی ھے کہ ساتویں صدی عیسوی تک اضلاع پٹنہ و گیا کو مگدھ کہتے تھے ؛ موجودہ قصبہ بہار جس جگہ موجود ھے ، یہاں ایک بستی تھی جو اوندیو یا اتنت پوری کہلاتی تھی ، طبقات ناصری میں سلطان شہاب الدین غوری کے مفتوحہ ممالک میں اس کا نام اوند بہار بھی لکھا ھے ، ۷۵۰ء میں راجا گوپال نے یہاں ایک بڑا وہارہ بنوایا اور اس کے بعد اس خاندان کے راجاؤں نے اس قصبے کو اپنا دارالحکومت بنایا ، اور وہارے کی تعمیر میں بھی اضافہ کرتے رھے ، انھیں وہاروں کی وجہ سے اس قصبے کا نام وہارہ (بہار) پڑا ، اور چونکہ یہ دارالسلطنت تھا اس لئے تمام مگدھ کا یہ نام پڑ گیا ۔
(ماخوذ از تاریخ مگدھ ، تالیف مولوی فصیح الدین بلخی ، باب ششم ، صفحہ ۸۶—۸۷)

بہادر و شجاع ہے کہ ہاتھی کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ بادشاہ نے متعجب ہو کر محمد بن بختیار سے پوچھا ، وہ شرم و غیرت کی وجہ سے انکار نہ کر سکا اور سمجھ گیا کہ ان لوگوں کا مقصد اُسے دربار سے نکلوانا ہے ، چناں چہ ایک روز عام و خاص دربار میں جمع کیے گئے اور ایک مست ہاتھی سفید محل میں لایا گیا ، محمد بن بختیار نے مقابل ہو کر اس زور سے ایک گرز ہاتھی کی سونڈ پر مارا کہ وہ چنگھاڑتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس کی بہادری پر ہر طرف سے نعرۂ تحسین بلند ہوا ، سلطان نے اُسے خلعت خاص سے نوازا ، اور حکم دیا کہ ہر ایک امیر اُسے انعام دے ، محمد بن بختیار کے سامنے انعاموں کا ڈھیر لگ گیا۔ اُس نے وہ سارے انعامات جو اُس کو ملے تھے ، بلکہ ان میں اپنے پاس سے اضافہ کر کے وہیں حاضرین میں تقسیم کر دیے۔ سلطان قطب الدین نے اُسی وقت اُس کو بہار و لکھنوتی کی حکومت سے سرفراز فرمایا۔ وہ پہلے سال بہار میں متصرف ہوا ، دوسرے سال ممالک بنگالہ کی طرف متوجہ ہوا ، اُس زمانے میں بنگال میں راجا لکھمینیہ (لکھمن سین) کی حکومت تھی، محمد بن بختیار نے ایک ہزار سواروں کے ساتھ اُس پر حملہ کیا ، راجا اُس کے خوف سے کامروپ بھاگ گیا ، محمد بن بختیار نے بنگالہ پر (۱۲۰۱ء) قبضہ کر لیا ، اور شہر لکھنوتی کو اپنا دارالسلطنت بنا کر سلطان دہلی کا خطبہ و سکہ جاری کر کے مسجدیں ، مدرسے ، خانقاہیں ، سرائیں اور سڑکیں بنوائیں ، اور کچھ مال غنیمت سلطان کے پاس روانہ کیا۔

بنگال کے فتح کرنے کے کچھ دن بعد اُس نے کوچ و بہار کی راہ سے تبت پر چڑھائی کی لیکن بعض وجوہ سے وہ اس مہم میں ناکام ہوگیا ، اُس کے دس ہزار ساتھیوں میں سے بمشکل سو سوا سو ساتھی زندہ سلامت واپس آئے۔ ناکامی کے اس صدمے نے اُسے بیمار ڈال دیا ، اور ۶۰۲ھ — ۱۲۰۵ء میں اُس نے دیو کوٹ میں مرض دق میں مبتلا ہو کر وفات پائی۔

طبقات ناصری میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ محمد بن بختیار کا ایک سردار علی مردان خلجی اُس زمانے میں ، جب کہ وہ بیمار تھا ، اپنی جاگیر سے دیو کوٹ آیا ، اور محمد بن بختیار کے مکان میں جہاں تین دن سے کوئی

اُسے دیکھنے نہ گیا تھا داخل ہو کر اُس کے منہ سے چادر اُٹھائی اور خنجر سے اُس کا کام تمام کر دیا۔

تاریخ فرشتہ میں ہے کہ اُس کا جنازہ بہار لا کر دفن کیا گیا، تاریخ مگدھ کے ایک ذیلی حاشیے میں ہے کہ قصبہ بہار میں محلہ عماد پورہ سے پچھم و دکن جانب ایک کشادہ میدان میں گنبد نما عمارت ہے، جس میں چند قبریں ہیں، بعض ذی علم مقامی بزرگوں کی تحقیق میں محمد بن بختیار انہیں قبروں میں سے ایک قبر میں مدفون ہے، اس محلے کو نصیر پور بھی کہتے ہیں۔

اگرچہ محمد بن بختیار نے اس ملک میں اسلامی حکومت کی بنیاد رکھی، لیکن اس کی آمد سے بہت پہلے مسلم صوفیائے کرام بنگال میں اپنی تبلیغ سے اسلام کا چراغ روشن کر چکے تھے۔ میر سید سلطان محمود ماہی سوار (۴۳۹ھ — ۱۰۴۷ء) شاہ محمد سلطان رومی (۴۴۵ھ — ۱۰۵۳ء) بابا آدم شہید (۵۱۹ھ — ۱۱۱۹ء) اور شاہ نعمت اللہ بت شکن وغیرہ وہ صوفیائے کرام ہیں جو مسلم فاتحین سے پہلے اس ملک میں تشریف لائے، اور انہیں بزرگان دین کی خانقاہوں سے بنگال میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام شروع ہوا۔ انہیں بزرگوں نے سب سے پہلے بنگال میں مسلم معاشرے کی تعمیر کی، اور انہیں کی بلندیٔ کردار، حسن اخلاق اور روحانی تعلیمات نے اس ملک میں مسلم فاتحین کے لئے راہیں ہموار کیں۔

محمد بن بختیار کے بعد بنگال کی حکومت کا تعلق ہندوستان کی حکومت سے ہوگیا لیکن پھر بھی شمالی بنگال کی فتح کے بعد لکشمن سین کے جانشین مشرقی بنگال و کرم پور میں تقریباً ایک صدی تک ایک چھوٹی سی ریاست پر قابض رہے، لیکن اس عرصے یعنی ۱۲۰۱ء—۵۹۸ھ سے ۱۳۰۱ء — ۷۰۱ھ تک بنگال میں مسلمانوں کی حکومت پھیلتی اور مضبوط ہوتی رہی، اور بنگال سے برہمنوں کا اثر کم ہوتا گیا، یہاں تک کہ ۱۳۳۸ء — ۷۳۹ھ میں فخرالدین سلطان فخرالدین کے لقب سے بنگال پر متصرف ہوا اور سنارگاؤں کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ ادھر علی مبارک نے جو قدر خاں کے لشکر کا بخشی تھا علاءالدین کے خطاب سے بنگال کے

ایک حصے کی حکومت سنبھال لی اور لکھنوتی کو اپنا دارالحکومت بنایا ، اسی نواح میں ملک حاجی الیاس رہتا تھا ، اس نے سلطان علاءالدین کے لشکر کو اپنے ساتھ متفق کر کے سلطان علاءالدین کو قتل کیا اور لکھنوتی اور بنگال پر سلطان شمس الدین بھنگرہ کے لقب سے قابض ہوگیا ، یہاں تک کہ ۱۳۵۳ء — ۷۵۴ھ میں سلطان فیروز شاہ نے دھلی سے آکر اس پر حملہ کیا ، وہ قلعہ اکڈالہ میں قلعہ بند ہو گیا ، برسات کے موسم کی وجہ سے فیروز شاہ دھلی واپس ہو گیا ، سلطان شمس الدین نے صلح میں خیر دیکھ کر بہت سے تحائف سلطان فیروز شاہ کو دھلی بھجوائے ، ۷۵۹ھ — ۱۳۵۷ء میں سلطان شمس الدین بھنگرہ نے وفات پائی ۔

سلطان شمس الدین بھنگرہ کے بعد اس کا بیٹا سکندر شاہ تخت پر بیٹھا ۷۶۰ھ — ۱۳۵۸ء میں پھر فیروز شاہ تسخیر بنگالہ کے لئے لکھنوتی کی طرف متوجہ ہوا ، اس کی آمد کی خبر سن کر یہ بھی اپنے قلعہ اکڈالہ میں متحصن ہو گیا ، آخر میں بھاری پیش کش کر کے صلح کی ۔

سکندر شاہ کی وفات کے بعد اس کا بیٹا غیاث الدین تخت پر بیٹھا ، اس نے ۷۷۵ھ — ۱۳۷۴ء میں وفات پائی ۔

سلطان غیاث الدین کے مرنے پر اس کا بیٹا سلطان السلاطین کے لقب کے ساتھ تخت سلطنت پر متمکن ھوا ، اس نے ۷۸۵ھ — ۱۳۸۳ء میں وفات پائی ۔

اس کی وفات کے بعد اچانک راجا کنس (گنیش) نے بنگال کی حکومت پر قبضہ کر لیا ۔ سات برس کی حکومت کے بعد وہ راھی ملک عدم ھوا ۔

اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا جدو ، جو مسلمان ہو چکا تھا ، جلال الدین کے لقب سے تخت نشین ھوا اور سترہ برس کی حکومت کے بعد ۸۱۲ھ — ۱۴۰۹ء میں راھی عالم جاوداں ھوا ۔

جدو کے بعد اس کے بیٹے سلطان احمد نے اس ملک کی دارائی حاصل کی ، آخر ۸۳۰ھ — ۱۴۲۶ء میں اس نے بھی وفات پائی ۔

سلطان احمد کی وفات کے بعد اس کے ایک غلام ناصرالدین نے تخت پر قبضہ کر لیا ، یہ چند روز بھی حکومت نہ کرنے پایا تھا کہ امرائے سلطنت

نے اسے معزول کر کے شمس الدین بھنگرہ کی اولاد میں سے ایک شہزادے کو تخت پر بٹھایا ، اس شہزادے نے سلطان ناصر شاہ کے لقب سے بتیس برس حکومت کر کے ۸۶۲ھ - ۱۴۵۷ء میں وفات پائی ۔

ناصر شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے باربک شاہ نے بنگال کی زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی ، ۸۷۹ھ — ۱۴۷۴ء میں اُس نے وفات پائی ۔

باربک شاہ کے بعد اُس کا بیٹا یوسف شاہ بنگال کے تخت کی زینت بنا ، جو عدل و انصاف کا دل دادہ اور علم و فضل سے آراستہ تھا ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا سختی سے پابند تھا ، علماء اُس کے دربار کی زینت تھے ، وہ علماء سے کہا کرتا تھا کہ اگر تم مہمات شرعی میں کسی کی ناجائز جانب داری کرو گے تو مجھ میں اور تم میں صفائی نہ رہے گی ، اور میں تمھیں سخت سزا دوں گا ، اس نیک دل بادشاہ نے ۸۸۷ھ — ۱۴۸۲ء میں وفات پائی ۔

اُس کی وفات کے بعد اُمراء نے سکندر شاہ کو تخت پر بٹھایا ، لیکن چند ہی دن بعد اُس کو معزول کر کے فتح شاہ کو بنگال کا بادشاہ بنایا ، سات سال اور کچھ ماہ کی حکومت کے بعد ۸۹۳ھ — ۱۴۸۷ء میں اُسے ایک خواجہ سرا نے قتل کر دیا ، اور خود یہ خواجہ سرا باربک شاہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا ، اس کے بعد ملک اندیل حبشی نے اُس کو قتل کر کے بنگال کے تخت پر فیروز شاہ کے لقب سے قبضہ جمایا - ۸۹۹ھ —۱۴۹۳ء میں اس نے بھی جان جان آفریں کے سپرد کی ۔

فیروز شاہ کی وفات کے بعد سلطان محمود شاہ بنگال کے تخت سلطنت پر بیٹھا ، جسے سیدی بدر حبشی نے قتل کر کے مظفر شاہ کے لقب سے تخت سلطنت پر قبضہ جمایا ۔

مظفر شاہ کی وفات کے بعد شریف مکی ، علاءالدین کے لقب سے بنگال کے تخت سلطنت پر متمکن ہوا ، اس نے ۹۲۷ھ — ۱۵۲۰ء میں وفات پائی ۔

اُس کے بعد اُس کا بیٹا نصیب شاہ تخت سلطنت بنگال پر متمکن ہوا ، اُسی زمانے میں سلطان ابراھیم لودھی کا بھائی سلطان محمود بنگال میں آیا ، نصیب شاہ اُس کے ساتھ نہایت احترام سے پیش آیا ، اور سلطان ابراھیم

لودھی کی بیٹی سے جو سلطان محمود کے ہمراہ آئی تھی عقد کر لیا ، ۹۲۵ھ — ۱۵۱۹ء میں جب بابر نے جون پور آکر بنگال فتح کرنے کا ارادہ کیا تو نصیب شاہ نے بہت سے گراں بہا تحفے بھیج کر صلح کی درخواست کی ۔ بابر واپس ہو گیا ، ۹۴۳ھ — ۱۵۳۶ء میں نصیب شاہ نے وفات پائی اور اُس کے امراء میں سے سلطان محمود بنگالی نے تخت سلطنت پر قبضہ کر لیا ۔ آخر جب شیر شاہ سوری کی حکومت کا چراغ روشن ہوا تو اُس نے سلطان محمود بنگالی کو بھگا کر محمد خاں کو اس ملک کا حاکم مقرر کیا ، اُس کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سلیم خاں سلطان بہادر کے لقب سے بنگال کی حکومت پر فائز ہوا ، لیکن اُس نے سوری سلطان سلیم شاہ کی مخالفت کی ، سلیم شاہ نے سلیمان کرانی کو اس کی جگہ بنگال کا حاکم مقرر کیا ، سلیم شاہ کی وفات کے بعد سلیمان کرانی بہار و بنگال کا مستقل حاکم رہا ، اور اُس نے اڑیسہ پر بھی قبضہ کر لیا ۔ اُس نے ہندوستان کے بادشاہ اکبر سے بھی تعلقات خوشگوار رکھے ، نزھۃ الخواطہ میں ہے کہ وہ نہایت ھی منصف ، فاضل ، شریف ، عبادت گزار ، اور رحم دل حاکم تھا ۔ لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی کے ساتھ پیش آتا تھا ، شب بیدار اور نماز با جماعت ادا کرتا تھا ، علماء اس کی مجلس کی زینت تھےاور وہ اُن سے تفسیر و حدیث میں تبادلۂ خیالات کرتا رھتا تھا اور اُن کے ساتھ نہایت حسن سلوک سے پیش آتا تھا ، اس کے ساتھ ایک سو پچاس علماء سفر و حضر میں رھتے تھے ۔ سلیمان کرانی نے ۹۸۱ھ — ۱۵۷۳ء میں وفات پائی ۔

پھر اس کا بیٹا بایزید افغان مسند حکومت پر جلوہ گر ھوا ، لیکن ایک ماہ بھی حکومت کرنے نہ پایا تھا کہ وہ اپنے چچا زاد بھائی ھانسو کے ھاتھ سے مارا گیا ۔

بایزید کے بعد اُس کا بھائی داؤد خاں افغان حاکم بنگال ھوا ، یہ بنگال کا آخری مستقل بادشاہ تھا ، اسی کے زمانے میں بنگال مغل بادشاہ اکبر کی حکومت کا جزو بنا ، اور بنگال کی ایک الگ مستقل حیثیت ختم ہو گئی ۔

گیارھویں صدی عیسوی کے صوفی شاہ سلطان رومی اور بابا آدم شہید جنھوں نے بنگال میں اسلام کے چراغ کو روشن کیا ، اور جنھیں بنگال کا پہلا صوفی کہا جا سکتا ہے (اگرچہ ابھی تک ہمیں ان دونوں بزرگوں کے حالات واضح طور پر نہیں ملتے ) بنگال میں اس وقت تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کیا جب کہ بنگال کفر کا مضبوط مرکز تھا ، حالات کی نامساعدت ، ماحول کی برھمی اگرچہ ان بزرگوں کا قدم قدم پر دامن پکڑتی تھی ، لیکن شوق کی بے پایانی اور خلوص و للهیت ان کو آگے قدم بڑھانے پر مجبور کرتی تھی یہاں تک کہ سلطان رومی کو صداقت کے امتحان کے لیے راجا کوچ کے ھاتھوں زھر کا جام پینا پڑا ، اور بابا آدم شہید نے اعلائے کلمۃالحق کی خاطر جہاد کرتے ھوئے راجا بلال سینا کے ھاتھوں جام شہادت نوش کیا ۔

ان کے بعد بنگال میں جس پر عظمت درویش اور جلیل القدر صوفی کے تبلیغی نقوش سب سے پہلے واضح طور پر ھمارے سامنے آتے ھیں وہ سلسلۂ سہروردیہ[۱] کے مشہور بزرگ حضرت جلال تبریزی (متوفی ۶۲۲ھ ۱۲۲۵ء) ھیں ، ان کے حالات ھمیں تفصیل سے تاریخوں اور تذکروں میں ملتے ھیں ۔

حضرت جلال تبریزی جس زمانے میں بنگال میں تشریف لائے اس وقت گوڑ کے تخت پر راجا لکشمن سین قابض تھا ۔ آپ نے بندر دیوہ میں اپنی خانقاہ تعمیر کی ، جہاں ایک بڑا تالاب تھا اور جس کے قریب ایک ھندو راجا نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے ایک بت خانہ تعمیر کرایا تھا ۔ گوڑھی میں آپ نے رشد و ھدایت کی شمع روشن کی ، بہت سے مقامی یوگیوں نے اسلام کے اس عظیم الشان مبلغ سے مناظرے کئے اور آخر میں یہ یوگی صداقت اسلام سے متاثر ھو کر مسلمان ھو گئے ، ان کے علاوہ طالبان حق جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ھوتے تھے اور آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ھوتے تھے ، یہاں تک کہ خود لکشمن سین اور

---

۱ ۔ اس سلسلے کے مشہور بزرگ ، جن کے نام سے یہ سلسلہ منسوب ھے ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی ھیں ۔

اس کا درباری پنڈت ھلاید اسرا آپ کی کرامات دیکھ کر حیران ہوئے اور آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کی ، اسی پنڈت ھلایدا نے اپنی ایک نظم ’’ شیخ شبھودیا ‘‘ میں حضرت جلال تبریزی کی کرامات اور آپ کی تبلیغ کا تذکرہ کیا ھے ۔

جیسا کہ ھم اوپر ذکر، کر آئے ھیں کہ حضرت جلال تبریزی سے بہت پہلے بنگال میں صوفیا آ چکے تھے ۔ حقیقت یہ ھے کہ حضرت جلال تبریزی کی حیثیت بنگال میں تبلیغ و اشاعت کے سلسلے میں وھی ھے جو حضرت خواجہ معین الدین اجمیری کی شمالی ھند میں ، حضرت جلال تبریزی کے بعد سے ھی بنگال میں شمالی ھند سے صوفیا کی آمد کا سلسلہ تقریباً ایک صدی تک جاری رھا ، شمالی ھند سے آنے والے صوفیا اس علاقے میں ارشاد و ھدایت کا کام انجام دیتے رھے اور ان کے بعد اُن کے خلفاء نے ان کے مقصد کی تکمیل کی ۔

حضرت جلال تبریزی سے بنگال میں سلسلۂ سہروردیہ کی بنیاد پڑی ، اگر تاریخی معلومات کی بنا پر یہ کہا جائے کہ شمالی ھند میں سلسلۂ سہروردیہ کو سب سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی لائے ، اور بنگال میں اس سلسلے کو سب سے پہلے حضرت جلال تبریزی نے فروغ بخشا اور بنگال میں تصوف کا یہ پہلا سلسلہ تھا جو باقاعدگی اور نظام کے ساتھ پھیلا تو شاید کچھ بے جا نہ ہوگا ۔

اس سلسلے کے دوسرے بزرگ جنھوں نے اس سلسلے کو بام ترقی پر پہنچایا ، اور سارے بنگال کو اپنے فیوض و برکات سے منور کر دیا وہ حضرت جلال مجرد یمنی سلھٹی تھے ۔ اُنھوں نے جہاد کے ذریعہ مظلوموں کی حمایت کو اپنا مقصد حیات بنایا ، اور سلھٹ کے راجا گوڑ گوبند سے ایک مظلوم کی حمایت میں جہاد کر کے اُس علاقے میں اسلام کو سربلند کر دیا ۔ اس علاقے کو فتح کرنے کے سینتیس سال بعد ۷۴۸ھ—۱۳۴۷ء میں انھوں نے وفات پائی ، یہ عرصہ کچھ تو انھوں نے اس علاقے کے انتظام کو بہتر بنانے میں گزارا ، اس کے علاوہ اُن کا تمام وقت اشاعت اسلام ، عبادت اور ریاضت میں صرف ھوا ، مقامی روایات کے

مطابق انھوں نے اپنے رفقا کو تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے سلھٹ لاتو ، ھاپینہ ٹیلہ اور ھمنگ ٹیلے میں بسایا ۔

سلسلۂ سہروردیہ کے بعد جو دوسرا سلسلۂ طریقت شمالی ہند سے بنگال میں آیا ، وہ سلسلۂ چشتیہ ۱ تھا ، اگرچہ بنگال کے مشہور محقق تاریخ تصوف ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونی ورسٹی کی تحقیق کے مطابق سلسلۂ چشتیہ کے ایک بزرگ حضرت عبداللہ کرمانی بیر بھوم کے علاقے خستگیری کے رہنے والے جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مرید (۱۲۳۶ — ۱۱۴۴ء تھے سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگوں سے پہلے تشریف لا چکے تھے ، لیکن باقاعدگی کے ساتھ یہ سلسلۂ چشتیہ بنگال میں سلسلۂ سہروردیہ کے بعد آیا ۔

بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کے سرگروہ حضرت سراج الدین اخی سراج آئینۂ ہند ھیں ، انھوں نے بنگال میں سب سے پہلے سلسلۂ چشتیہ کی داغ بیل ڈالی ، حضرت اخی سراج اگرچہ لکھنوتی کے رہنے والے تھے لیکن وہ دھلی میں آ کر حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی سے بیعت

---

۱ - سلسلۂ چشتیہ کے بانی تو شیخ ابو اسحاق شامی ھیں ، جن کے نام کے ساتھ سب سے پہلے تذکروں میں لفظ چشتی ملتا ھے ۔ یہ بزرگ شام کے باشندے تھے ، وہ اپنے وطن سے بغداد آئے ، اور حضرت خواجہ ممشاد دینوری کی خدمت میں حاضر ھوئے ، خواجہ ممشاد دینوری (متوفی ۲۹۸ھ — ۹۱۰ء) اپنے دور کے ممتاز بزرگوں میں تھے ۔ حضرت خواجہ فرید الدین عطار نے اُن کے متعلق لکھا ھے کہ وہ اپنی خانقاہ کا دروازہ عام طور پر بند رکھتے تھے ، جب کوئی خانقاہ کے دروازے پر آتا تو پوچھتے مسافر ھو یا مقیم ، اگر مقیم ھو تو اس خانقاہ میں آ جاؤ ، اگر مسافر ھو تو اس میں تمھارے لیے جگہ نہیں ۔ کیونکہ جب تم چند روز یہاں رھو گے تو مجھے تمھاری جدائی سے تکلیف ھوگی ، اور اب مجھ میں فراق کی طاقت نہیں ۔ جب خواجہ ابو اسحاق شامی اُن کی خانقاہ میں حاضر ھوئے تو آپ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۶ پر)

ہوئے اور حضرت محبوب الہی کی وفات کے بعد لکھنوتی چلے آئے، صاحب سیر الاولیاء امیر خورد نے بنگال میں آن کی تبلیغی جد و جہد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

آن دیار را بجمال ولایت خود بیاراست و خلق خدا را دست بیعت دادن گرفت ، چناں کہ بادشاهان آن ملک داخل مریدان او آمدند۔

(ترجمہ) آس ملک کو اپنے جمال ولایت سے آراستہ کیا اور خلق خدا آن سے بیعت ہونے لگی ، یہاں تک کہ آس ملک کے بادشاہ بھی آن کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔

بنگال میں سلسلۂ چشتیہ سے پہلے صوفی حضرت اخی سراج ۷۵۸ھ ۱۳۵۳ء میں واصل الی اللہ ہوئے۔ آنھوں نے اپنی حیات میں اپنی تبلیغی مساعی سے اس سلسلے کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔

آن کے بعد آن کے خلفاء میں جس نے سب سے زیادہ شہرت و ناموری

---

( صفحہ ۳۵ کا بقیہ حاشیہ)

نے پوچھا تمھارا نام کیا ہے ، آنھوں نے جواب دیا ابو اسحاق شامی ، فرمایا ''آج سے تمھیں لوگ ابو اسحاق چشتی کہہ کر پکاریں گے ، اور چشت اور اس کے اطراف کے لوگ تم سے ھدایت پائیں گے ، اور ہر وہ شخص جو تمھارے سلسلۂ ارادت میں داخل ہو گا ، اس کو بھی قیامت تک چشتی کہہ کو پکاریں گے۔''

آس کے بعد خواجہ دینوری نے ان کو چشت روانہ کر دیا جو افغانستان کے ضلع ھرات میں ایک قصبہ ھے جہاں ان کی کوششوں سے اس عظیم الشان سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد پڑی ، خواجہ ابو اسحاق شامی نے ۲۹۸ھ — ۹۱۰ء میں وفات پائی۔

لیکن سلسلۂ چشتیہ کو جس بزرگ نے سب سے زیادہ فروغ بخشا ، وہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری ہیں۔

(ماخوذ از تاریخ مشائخ چشت ، صفحہ ۱۳۹ ، بحوالہ رسالہ احوال پیران چشت (قلمی) ۔

حاصل کی وہ شیخ علاءالحق و الدین بن اسعد بنگالی تھے ، جنھوں نے حضرت اخی سراج کی مسند رشد و ھدایت کو سنبھالا - حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ایک ایسا آئینہ تھے کہ جنھوں نے اپنے مرشد کی سیرت و کردار کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا ، اور وہ بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کا ایک عظیم الشان ستون تھے - اُن کی فیاضیوں نے دلوں کو موہ لیا تھا ، اور لوگ ان کی خانقاہ میں پروانہ وار اُن کے گرد جمع رہتے تھے -

حضرت شیخ علاءالحق کے بعد اُن کے خلفاء میں سلسلۂ چشتیہ کو جن بزرگوں نے ترقی دی اُن میں آپ کےصاحبزادے حضرت نور قطب عالم اور میر سیداشرف جہانگیر سمنانی کا نام سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے -

بنگال میں حضرت نور قطب عالم نے حضرت شیخ علاءالحق کی مسند رشد و ھدایت کو زینت بخشی - جس زمانے میں حضرت نور قطب عالم نے سلسلۂ چشتیہ کی نشر و اشاعت اور اسلامی تمدن و تہذیب اور تبلیغ اور اعلائے کلمۃ الحق کا کام اپنے دوش پر لیا ، بنگال اُس وقت بڑے سیاسی بحران میں مبتلا تھا - ضلع راج شاھی کا ایک جاگیردار راجا کنس (گنیش) بنگال کی سلطنت پر قابض ھو گیا تھا اور وہ چاھتا تھا کہ بنگال سے مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دے - اُس نے بنگال کے اکابر علماء و مشائخ کو شہید کرنا شروع کر دیا تھا ، شیخ بدر الاسلام اُسی کے مشق ستم کا نشانہ بنے - بہت سے علماء کو اس ظالم نے کشتی میں بٹھا کر غرق کرا دیا - اس ماحول نے حضرت نور قطب عالم کو بے حد متاثر کیا اور انھوں نے تہیہ کر لیا کہ ظلم اور طاغوتیت کے اس خبیث درخت کو اُکھاڑ کر اسلام کو سر بلند کیا جائے - چنانچہ انھوں نے حضرت میر اشرف جہانگیر سمنانی کے ذریعہ سلطان ابراھیم شرقی کو بنگال پر حملے کی دعوت دی اور آپ کی مساعی نے پھر اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کو تابناک اور اسلامی حکومت کو مستحکم بنا دیا - حضرت نور قطب عالم کے بعد اس سلسلے کو آپ کے خلفاء نے آگے بڑھایا اور آج بھی اس سلسلے کے مریدین بنگال میں سلسلۂ چشتیہ کو قائم کئے ہوئے ھیں -

ایک اور سلسلہ جو ہمیں انہیں سلسلوں کے بنگال میں آمد کے بعد ملتا ھے وہ قلندریہ سلسلہ ھے۔ اس سلسلے کے پہلے صوفی جو بنگال تشریف لائے وہ شاہ صفی الدین شہید تھے ، یہ غالباً تیرھویں صدی عیسوی کے اواخر میں تشریف لائے۔ قلندری سلسلہ بھی بنگال میں خاصا پھیلا ، پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی میں تو اس سلسلے کے مریدین بنگال کے ہر خطے میں پائے جاتے تھے۔

ان تینوں سلسلوں کے بعد بنگال میں جس سلسلے نے اھمیت حاصل کی وہ مداریہ سلسلہ ھے۔ یہ سلسلہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار سے منسوب ھے جو مکن پور میں مدفون ھیں۔ ان بزرگ نے ۸۴۰ھ—۱۴۳۶ء میں وفات پائی۔ شاہ مدار ھندوستان کے مختلف علاقوں ، گجرات ، اجمیر ، قنوج اور جون پور وغیرہ گئے ، بنگال میں ان کی آمد کے سلسلے میں ھمیں براہ راست کوئی روایت نہیں ملتی ، لیکن کچھ مؤرخین اُن کی بنگال میں تشریف آوری کا بھی ذکر کرتے ھیں ، بہرحال وہ بنگال آئے یا نہ آئے ھوں لیکن بنگال میں یہ سلسلہ خوب پھیلا۔ بنگال میں مداریہ سلسلے کے بزرگ شاہ الا نے اس سلسلے کو بنگال میں ترویج دی ، اور آج بنگال میں اس سلسلے کے جا بجا کافی آثار اور اثرات پائے جاتے ھیں۔

سولھویں اور سترھویں صدی عیسوی میں ایک اور سلسلے کا بھی پتہ چلتا ھے ، یہ ادھمیہ[1] سلسلہ تھا جسے خضریہ بھی کہتے ھیں۔

---

[1] ۔ ادھمیہ سلسلہ حضرت ابراھیم بن ادھم بن منصور بن یزید بن جابر ابو اسحاق تمیمی عجلی سے منسوب ھے۔ حضرت ابراھیم بن ادھم مشہور اولیاء میں سے تھے اور بلخ کے رہنے والے تھے ، یہی بزرگ سلسلۂ ادھمیہ کے مؤسس و بانی ھیں۔ ان کی عمر کا بڑا حصہ شام میں گزرا ، مشہور ھے کہ وہ بلخ کے شہزادے تھے اور اُنھوں نے ترک دنیا کر کے درویشی اختیار کی تھی ، اور مسلک فقر و خدا پرستی میں مراتب اعلیٰ پر فائز تھے۔ حلیۃ الاولیاء میں ھے کہ انھوں نے ۱۶۰ھ اور ۱۶۶ھ کے درمیان ایک بحری جنگ میں یونانیوں کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹ پر)

بنگال کے ساحلی علاقوں میں آج بھی اس سلسلے کے کچھ ماننے والے پائے جاتے ھیں ۔

اس کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں کا پتہ بھی چلتا ھے ۔ شیخ جلال الدین تبریزی کے جلالیہ ، شیخ عبدالحق کے تعلق سے علائی ، اسی سلسلے کو خالدیہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ھے ۔ کہا جاتا ھے شیخ عبدالحق حضرت خالد بن ولید کی اولاد میں سے تھے اور اسی کے نام پر اسے خالدیہ کا نام دیا گیا تھا ۔ حضرت شیخ حسین دھکر پوش کے تعلق سے سلسلہ حسینیہ بھی مقبول رہا ھے ۔ اس کے علاوہ حضرت نور قطب عالم کے نام پر سلسلہ نوری نے بھی بنگال میں اپنے اثرات چھوڑے ھیں ۔ انہی کے ساتھ ساتھ ھمیں سلسلہ روحانیہ اور شطاریہ کے اثرات اور فیوض کا پتہ بھی چلتا ھے ۔

عہد اکبری میں خواجہ باقی باللہ نے شمالی ھند میں سلسلۂ نقشبندیہ کی بنیاد رکھی ۔ آن کے مرید حضرت مجدد الف ثانی نے اس سلسلے کو غیر معمولی فروغ بخشا ۔ حضرت مجدد الف ثانی کے ایک مرید شیخ حمید دانشمند منگل کوٹی نے سترھویں صدی عیسوی میں بنگال میں اس سلسلے کو پھیلایا ۔

بنگال میں جو سلسلہ بالکل اخیر میں آیا وہ قادریہ[۱] سلسلہ ھے ۔ اس سلسلے کے پہلے صوفی جن کا ھمیں بنگال میں پتہ چلتا ھے شاہ نعمت اللہ قادری

---

(صفحہ ۳۸ کا بقیہ حاشیہ)

ھاتھ سے شہید ھو کر وفات پائی ، اور اغانی کی روایت کے مطابق جدۃ الغربی (جبلہ) میں مدفون ھوئے ۔ (فٹ نوٹ مقالات الشعراء ، صفحہ ۲۱۶ و ۲۱۷) ۔

۱ ۔ سلسلۂ قادریہ کے مؤسس و بانی حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی ھیں ۔ آپ کا اسم گرامی عبدالقادر ، لقب محی الدین ، کنیت ابو محمد اور عرف غوث اعظم تھا ۔ آپ کی ولادت با سعادت یکم رمضان

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۰ پر)

ھیں ، جو بنگال نارنول سے تشریف لائے اور راج محل میں مقیم ہوئے ، آنھوں نے ۱۰۷۵ھ — ۱۶۶۴ء میں گوڑھ کے نواحی قصبے فیروز آباد میں وفات پائی ۔ عہد عالمگیر میں بنگال میں سلسلۂ قادریہ نے غیر معمولی فروغ پایا ۔

یہ ھیں وہ سلسلے جو شمالی ھندوستان سے بنگال میں آئے۔ اگر ہم بنگال کے ان صوفیائے کرام کا جائزہ لیں تو ھمیں ایسا معلوم ھوتا ھے کہ گیارھویں صدی عیسوی سے چودھویں صدی عیسوی تک سہروردیہ اور چشتیہ سلسلے کے جو صوفیا اس ملک میں آئے ان کے دور کو بنگال میں ہم صوفیا کے ابتدائی دور سے تعبیر کرتے ھیں ۔ اس دور کے بزرگ جب بنگال میں تشریف لائے تو وہ جہاں اپنی عبادتوں ، ریاضتوں ، روحانیت اور حسن اخلاق سے عوام پر اثر انداز ہوئے ، وھیں جہاد کو بھی انھوں نے اپنا شعار بنایا ۔ ان کا یہ جہاد دنیا کی طلب یا ملکوں کی ہوس گیری کے لئے نہ تھا ، لیکن جب وہ مظالم کو حد سے بڑھتا ہوا

---

(صفحہ ۳۹ کا بقیہ حاشیہ)

۴۷۱ھ کو قصبہ جیل میں ہوئی ، جس کو جیلان اور گیلان بھی کہتے ھیں ۔ آپ کے والد کا اسم گرامی سید ابوصالح موسیٰ جنگی دوست ، اور والدہ کا نام اُم الخیر امۃ الجبار فاطمہ تھا ، آپ نسباً حسنی و حسینی سید ھیں ۔ ۴۸۸ھ میں آپ بغداد پہنچے اور وھاں کے اکابر علما و شیوخ سے علوم دینیہ کی تکمیل کی ، پھر آپ نے حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخزومی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقہ خلافت حاصل کیا ۔ پھر آپ بغداد میں درس و تدریس ، افتا اور ارشاد و ھدایت میں مصروف ہو گئے ۔ آپ ۹۱ سال کی عمر میں ۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ کو واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کی تصانیف میں غنیۃ الطالبین ، فتوح الغیب ، فتح ربانی ، قصیدۂ غوثیہ ، مکتوبات اور آپ کا دیوان مشہور ھیں ۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار و قلائد الجواہر و بھجۃ الاسرار)

دیکھتے اور مظلوم انسانیت کو کچلتا ہوا پاتے تو فوجی طاقت کے استعمال کو بھی ضروری سمجھتے تھے ۔

بنگال کے دور اول کے ان صوفیا نے اس ملک کے عوام کو جہاں اپنے روحانی کمالات سے اپنا گرویدہ بنایا ، وہیں انھوں نے ہندو معاشرت کی برائیوں اور کفر کے ضرر اور نقصانات کو بھی بہت واضح اور صاف لفظوں میں عوام کے سامنے رکھا ، اُن کے اس طرز عمل نے مسلم معاشرے کو دلآویزی اور استحکام بخشا ، اور ان کے اس طریقۂ کار سے اسلامی سیرت کی تشکیل میں بڑی مدد ملی ۔ اس طرح بنگال کے عوامی خیالات ، اعتقادات اور رسومات پر اسلامی تصوف کا بڑا گہرا اثر پڑا ۔ ابتدائی دور کے صوفیا کو بنگال میں اپنی تبلیغی جد و جہد میں بڑی دشوار اور کٹھن راہوں سے گزرنا پڑا ، اگرچہ حالات کی ناسازگاری نے انھیں مطمئن نہ رہنے دیا لیکن انھوں نے اپنی سرگرمیوں سے آنے والے صوفیا کے لیے راہیں ہموار کیں ۔

ان کے بعد کے صوفیا ، جو پندرھویں صدی سے سترھویں صدی تک گزرے ہیں ، کو ہم دور متوسط سے تعبیر کرتے ہیں ۔ ان بزرگوں کا زمانہ دور اول کے صوفیا کی نسبت زیادہ مطمئن تھا ۔ انھیں تہذیب اور اسلامی تمدن کے آگے بڑھانے میں فضا سازگار ملی ، اور وہ بنگال کے مختلف علاقوں میں سکونت پذیر ہو کر اسلام کو سربلند کرنے لگے ۔ ان میں بعض نے اس دور کی سیاست میں بھی حصہ لیا ، اور وہ بنگال کے ملوک کی سیاست پر اس قدر اثر انداز ہوئے کہ بنگال کے بادشاہ اُن سے بیعت ہوتے تھے ، اور ملک کی سیاست میں اُن کا اہم کردار ہوتا تھا ۔ اس دور کو بنگال میں اسلامی تصوف کا اہم اور زریں دور کہا جا سکتا ہے ۔

اٹھارویں صدی عیسوی سے عہد حاضر تک کے دور کو ہم آخری دور سے تعبیر کرتے ہیں ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ سلطنت مغلیہ کا آفتاب غروب ہو رہا تھا ، ہندوستان کے دوسرے صوبوں کی طرح بنگال میں بھی مسلمانوں کی اخلاقی اور سماجی بدحالی عام تھی ، فکر و عمل ، اخلاق و کردار کا قوام بگڑ چکا تھا ، روحانی قدریں گر رہی تھیں ،

ضعیف الاعتقادی اور توہم پرستی عام تھی ، صوفیائے خام نے تصوف کی تحریک کو بدنام کر دیا تھا ۔

ان بگڑے ہوئے حالات میں جب کہ معاشرے اور سماج کی چولیں ہل چکی تھیں ، اس دور کے صوفیائے کرام نے اخلاقی ، سماجی ، اور روحانی نظام کو سنبھالنے کی کوشش کی ۔ انھوں نے روحانی قدروں کی سر بلندی کے لئے انتہائی جد و جہد کی ۔

اس کتاب میں میں نے انھیں تین زمانوں کے (۵۹) بنگال کے مشاہیر صوفیائے کرام کے حالات لکھے ہیں ۔ میں اس کتاب کو مکمل نہیں کہتا ، کیونکہ ابھی اس کتاب کے بہت سے پہلو تشنہ ہیں ، مگر یہ ضرور ہے کہ اردو میں بنگال کے صوفیائے کرام کا یہ پہلا تذکرہ ہے ، اور اس کے ذریعہ میں نے کوشش کی ہے کہ میں مغربی پاکستان کو مشرقی پاکستان کی خصوصاً اور بنگال کی عموماً روحانی اور دلکش شخصیتوں سے متعارف کرا دوں کہ جن پر پاکستان کی ثقافتی تاریخ کو فخر ہے ۔

میں نے اب تک پاکستان کے صوفیا پر جس قدر کتابیں لکھی ہیں ، ان کے لکھتے وقت میرے قلب میں یہ جذبہ کارفرما رہا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں کے رہنے بسنے والے ایک دوسرے کی قدیم تہذیب و ثقافت اور روحانی رشتوں سے واقف ہوں ، اور اس طرح ملک کے مختلف علاقوں میں ربط و ہم آہنگی پیدا ہو کر باہمی جذبۂ خیرسگالی کو ترقی ہو ، تذکرۂ صوفیائے بنگال لکھتے وقت بھی یہی امر میرے پیش نظر رہا ہے ۔

اسی کے ساتھ میں نے متن میں جہاں کہیں بھی مغربی پاکستان کے کسی صوفی کا نام آگیا ہے ، اس کا مفصل تذکرہ اس کتاب کے ذیلی حواشی میں دے دیا ہے ۔ اس طرح مغربی پاکستان کے اکثر اور اہم مشاہیر صوفیا کے حالات بھی اس کے حواشی میں آگئے ہیں ۔ مشرق اور مغربی پاکستان کے صوفیا کے امتزاج نے جہاں اس گل دستے کو نیا حسن بخشا ہے ، وہیں اس کی افادیت کو بھی بڑھا دیا ہے ۔ گویا اس

کتاب سے جہاں مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کے صوفیا اور اُن کے پر عظمت کارناموں سے واقف ہوں گے ، وہیں مشرقی پاکستان کے رہنے والے مغربی پاکستان کے صوفیا کے حالات سے باخبر ہوں گے جو گفتار و کردار ، فکر و عمل ، حق پرستی اور سچائی کے اس علاقے میں علم بردار تھے -

۱۹ اگست ۱۹۶۳ء اعجاز الحق قدوسی
لیاقت آباد کوارٹر نمبر ۵/۴۵۷
کراچی نمبر ۱۹

# بنگال

بنگال کا وجود همیں تاریخ سے تین هزار سال قبل مسیح معلوم هوتا هے ، رگ وید میں اس خطے کا ذکر همیں " ونگا " کے نام سے ملتا هے - ساتویں صدی عیسوی تک قدیم بنگال کئی قبائلی خطوں میں تقسیم تھا ، جیسا که ونگا ، پنڈرا ، گوڑ ، راڑھ ، سہا ، برھما ، تمرالیتی اور سماتت ، سب سے پہلے ساتویں صدی عیسوی میں راجا ششکار نے ان تمام خطوں کو ایک وحدت میں سمونے کی کوشش کی ، اُس وقت سے یه تین قبائلی خطے پنڈرا ، گوڑھ اور ونگا بنگال کے مترادف سمجھے جانے لگے ، لیکن یه تینوں خطے عملی طور پر ایک وحدت مسلمانوں کے دور حکومت میں بنے ، سب سے پہلے ان کو متحد کرنے کی بنیاد بنگال کے مسلم ترک فرماں رواؤں[1] نے رکھی ، اور اس کی صحیح تکمیل جلال الدین اکبر کے عہد میں هوئی - اکبر هی کے عهد میں پورے بنگال پر صوبۂ بنگال کا اطلاق هوا - اُس وقت اس وسیع علاقے میں بہار اور اڑیسه بھی شامل تھے -

ونگا اصل میں ونگا جن تھا جس کے معنی هیں " بنگالی لوگ " ، اور لفظ گوڑ ، گوڑچن تھا ، جس کے معنی هیں " گوڑ کے باشندے "- اس سے هم اس نتیجے پر پہنچتے هیں که اس خطے میں جہاں جہاں ونگا قبیلے کے لوگ آباد تھے ، وہ خطے اسی نام سے موسوم تھے -

---

۱ - بنگال میں ۱۲۰۱ء میں هندوؤں کی حکومت کی بساط اُلٹ کر مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد پڑی ، اس ملک میں پہلے مسلمان فرمانروا ترکی نسل کے تھے - اس لیے ان کا عهد ترکوں کے عهد سے منسوب هے ، اس خاندان کا آخری فرمانروا سلطان شمس الدین الیاس شاه تھا ، ۱۳۵۷ء میں اس خاندان کی حکومت کا خاتمه هو گیا - (ماخوذ از مسلم بنگالی ادب ، صفحه ۲۱—۴۳ ) -

صاحب آئین اکبری علامی ابو الفضل[۱] نے آئین اکبری میں لکھا ھے کہ لفظ ''ونگ'' کے ساتھ جب آل بطور لاحقے کے لگایا گیا تو بنگال بنا ، آل سنسکرت کے لفظ ''آلی'' سے ماخوذ ھے ، آلی کا مطلب ھے مزروعہ زمین کے گرد مٹی کا پشتہ ، اس طرح یہ لفظ بنگال بنا ، اور اسی سے فارسی میں بنگالہ بنا ۔

---

۱- ابوالفضل شیخ مبارک کا دوسرا بیٹا تھا ، یہ ٦ محرم ۹۵۸ھ — ۱۵۷۴ء میں آگرے میں پیدا ھوا ، بچپن ھی میں لوگ اُس کی غیر معمولی ذکاوت کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے ، اُس نے اپنے والد شیخ مبارک اور اپنے بڑے بھائی فیضی سے تعلیم حاصل کی ، اور پندرہ ھی سال کی عمر میں علوم رسمیہ کی تکمیل کر لی ، پھر اُس نے فلسفہ و حکمت میں شیخ حسن علی موصولی سے استفادہ کیا ، اور اپنے زمانے کے یگانۂ روزگار علماء میں اُس کا شمار ھونے لگا ۔ ۹۸۱ھ — ۱۵۷۳ء میں وہ فیضی کی سفارش پر اکبر کے دربار میں باریاب ھوا ، اور اکبر کے سامنے آیت الکرسی کی تفسیر پیش کی ، جسے اکبر نے بے حد پسند کیا ، اُسی زمانے میں اکبر مہم بنگالہ پر روانہ ھو رھا تھا ، ۹۸۲ھ — ۱۵۷۴ء میں اکبر کی واپسی پر ابو الفضل نے اکبر کے سامنے سورۂ فتح کی تفسیر پیش کی ، اُس کی اس تفسیر نے اکبر کی نظر میں اُس کی وقعت کو کئی گنا بڑھا دیا ، اور اس نے بادشاہ کی نظر میں اس قدر تقرب حاصل کیا کہ بستی سے لے کر منصب پنج ھزاری تک پہنچا ، اور شاھی میر منشی مقرر ھوا ، تمام احکام شاھی اُس کے قلم سے نکلتے تھے ۔ اور جملہ آئین و اصلاحات اُس کی رائے سے مرتب ھوتے تھے ، لیکن افسوس ھے کہ اُس نے دنیاوی جاہ و اعزاز کو اپنا مقصد بنا کر ھر اُس گمراھی کو اختیار کیا ، جس میں اکبر کی خوشنودی حاصل ھوتی تھی ۔ اکبر نے دین الٰہی کی جب بنیاد رکھی تو دین الٰہی کے ضوابط ابوالفضل ھی نے گھڑے اور دین الٰہی کا خلیفۂ اول ٹھہرا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۷ پر)

ماھرین آثار قدیمہ کا خیال ھے کہ قبیلۂ ونگ کا وطن بھاگیرتی ندی کے مشرقی ساحل سے آسام کی مغربی سرحد تک پھیلا ھوا تھا ، اور اب موجودہ مشرقی پاکستان تک محدود ھے ۔

**مسلمانوں کی آمد بنگال میں :** آٹھویں صدی عیسوی میں بنگال میں مسلمانوں کی آمد کا پتہ چلتا ھے ، حال ھی میں پہاڑ پور ضلع راج شاھی میں عباسی خلیفہ ھارون الرشید (۷۸٦ تا ۸۰۹ء) کے زمانے کا ایک سکہ ملا ھے ، جس سے یہ ثابت ھوتا ھے کہ آٹھویں صدی عیسوی میں عرب بسلسلۂ تجارت یا تبلیغ بنگال میں آئے تھے ۔

**بنگال کا پہلا تبلیغی مرکز :** اُس زمانے میں جب عرب بنگال آئے ، انھوں نے ایک امیر کے تحت ایک تبلیغی مرکز کے روح رواں میر سید سلطان محمود ماھی سوار (۱۰۴۷ء) ، شاہ محمد سلطان رومی (۱۰۵۳ء) ،

---

(صفحہ ۳٦ کا بقیہ حاشیہ)

۱۰۰٦ھ — ۱۵۹۷ء میں ابوالفضل اکبر کے ساتھ قلعۂ اسیرگڑھ کی فتح میں شریک تھا ، جب اسیرگڑھ کی فتح کے بعد شمال کی طرف مڑا تو خانخاناں عبدالرحیم نے جو اُن دنوں دکن کی مہم پر مامور تھا اکبر سے درخواست کی کہ ابو الفضل کو میری مدد کے لیے چھوڑ دیا جائے ، اکبر نے خانخاناں کی یہ درخواست منظور کر لی ، اور اکبر ابو الفضل کو خانخاناں کے حوالے کر کے اکبر آباد روانہ ھو گیا ، اب خانخاناں سپہ سالار تھا اور ابوالفضل اس کے ماتحت تھا ، خانخاناں نے ابو الفضل کو اس قدر تنگ کیا کہ زندگی سے بیزار نظر آنے لگا ، اس نے بادشاہ کے نام دکن سے کئی خط اور عرضیاں لکھیں لیکن وہ عرضیاں اور خطوط اکبر تک پہنچنے نہیں پاتے تھے ۔ جب الہ آباد میں جہانگیر نے بغاوت کی تو اکبر نے ابو الفضل کو لکھا کہ اپنا کام اپنے بیٹے عبدالرحمن کے سپرد کر کے فوراً اکبرآباد پہنچو ۔ جہانگیر کو معلوم ھوا تو اُس نے سوچا کہ اگر ابوالفضل دربار پہنچ گیا تو سارا کھیل بگڑ جائے گا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸ پر)

بابا آدم شہید (۱۱۱۹ء) اور شاہ نعمت اللہ بت شکن جیسے اکابر صوفیہ تھے ، جنھوں نے سارے بنگال کو اپنی تبلیغی جد و جہد سے منور و تاباں بنایا ۔

**بنگال میں مسلم عہد حکومت کی ابتدا :** ۱۲۰۱ء میں بنگال میں ہندوؤں کا عہد حکومت ختم ہو کر مسلمانوں کی حکومت کی بنیاد پڑی ۔ بنگال کے پہلے مسلم فرمانروا ترکی النسل تھے ، اور ان کا مذہب اسلام تھا ، انھوں نے ۱۲۰۳ء میں اپنی حکومت کو بہار کے مشرق علاقے تک وسیع کر لیا ۔

**بختیار خاں :** لیکن جس فرمانروا سے صحیح معنی میں بنگال میں اسلامی حکومت قائم ہوئی وہ بختیار خاں تھا ، جس نے حکومت کے ساتھ

---

(صفحہ ۴۷ کا بقیہ حاشیہ)

آس نے بندھیلہ کے نرسنگ دیو کو لکھا کہ ابوالفضل کو یقیناً تمھارے علاقے سے گزرنا ھے جیسے ھی وہ تمھارے علاقے میں پہنچے تم آسے قتل کر دو ، چنانچہ جب ابو الفضل اس کے علاقے سے گزرا تو نرسنگ دیو نے جو آس کی گھات میں تھا دو تین ہزار فوج کے ساتھ اس پر حملہ کیا ، ابوالفضل یکم ربیع الاول ۱۰۱۱ھ — ۱۶۰۲ء کو اس کا مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے قتل ھوا ، سر تن سے جدا کر کے جہانگیر کو بھیج دیا گیا ، اور دھڑ گوالیار کے قریب انتری میں دفن کیا گیا ۔ ابوالفضل کی تصانیف میں آئین اکبری ، اکبر نامہ ، رقعات ابوالفضل ، عیار دانش ، رسالہ اخلاق اور انجیل کا فارسی ترجمہ اور دوسری کتابیں ھیں ۔ ابوالفضل کے حالات ھمیں حسب ذیل کتابوں میں ملتے ھیں ۔

(۱) دربار اکبری ۔ (۲) بزم تیموریہ ۔ (۳) رود کوثر ۔ (۴) مفتاح التواریخ ، توزک جہانگیری ، ذخیرۃ الخوانین جلد اول اور سخن دان فارس ۔ (ماخوذ از نزھتہ الخواطہ جلد ۵ ، صفحہ ۲۵—۲۶ و رود کوثر صفحہ ۱۳۹ و ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند صفحہ ۷۸—۷۹) ۔

اسلام کی نشر و اشاعت کی طرف بھی توجہ کی ، اور اسلام کے پھیلانے کے لیے بنگال میں راہیں ہموار کیں ۔ بختیار کی شمالی بنگال کے فتح کے بعد راجا لکھشمین کے جانشین مشرق بنگال میں وکرم پور میں اپنا پایۂ تخت بنا کر تقریباً (۱۲۰۱ تا ۱۳۰۱ء) ایک چھوٹے سے علاقے پر قابض رہے ، مگر اسلامی حکومت برابر پھلتی پھولتی رہی ۔

فرید شاہ (۱۳۰۱ تا ۱۳۲۲ء) نے بہار ، لکھناوتی ، سیتگرام اور بنگا (سنارگاؤں) کو اپنے تصرف میں کر لیا ، اس کے دور میں شاہ جلال مجرد سلہٹی کے حکم سے جنرل ناصر الدین اور سکندر غازی نے سلہٹ کے راجا گوڑ گوبند کو شکست دی ۔

بلاشبہ ان مسلم فاتحین نے اپنی فتوحات سے اسلام کی اشاعت کے لیے ایک فضا پیدا کی ، لیکن جن لوگوں نے یہاں کے عوام کے قلوب کو اسلام کے سانچے میں ڈھالا ، اور جن کی بدولت اس خطہ میں اسلام کی بہار آئی ، وہ اصل میں بنگال کے صوفیائے کرام ھی تھے جن کی اخلاق قوت کا لوھا عوام بادشاھوں سے زیادہ مانتے تھے ، اور جن کی تبلیغ کے خلوص کا اندازہ اس دور کی تاریخ ھی سے کیا جا سکتا ھے ۔ ان بزرگوں نے اپنی حیات طیبہ سے عملی طور پر اسلام کو پیش کیا ، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اسلام بنگال کے چپے چپے میں پھیل گیا ۔

آج صدیاں گزرنے پر بھی جب کہ بنگال کے عوام اپنے ملوک و سلاطین کو بھول چکے ھیں ، عوام کے قلوب پر جن لوگوں کی عظمت کے نقوش قائم ھیں وہ یہی صوفیائے کرام ھیں ۔

بنگال کے انھیں مشاہیر صوفیائے کرام کا تذکرہ اس کتاب کی زیب و زینت ھے ۔

( ۱ )

## حضرت آدم شہید

**حالات :** اسم گرامی آدم تھا ، بنگال تشریف لانے سے قبل مکہ معظمہ میں مقیم تھے ، اور آپ کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزرتا تھا ۔

کہتے ھیں کمنائی چنگ نامی گاؤں کا ایک مسلمان راجا بلال سینا[۱] کے مظالم سے تنگ آ کر مکۂ معظمہ حاضر ھوا ، وھاں اس کی ملاقات حضرت آدم سے ھوئی ، اس نے انھیں راجا بلال سینا کے مظالم کی داستان بیان کرتے ھوئے بتایا کہ اس نے اپنے بیٹے کی ولادت کے سلسلے میں ایک گائے ذبح کی تھی ، جس کی وجہ سے اس ھندو راجا نے اس پر بے حد مظالم ڈھائے ۔

**بنگال میں تشریف آوری :** یہ حالات سن کر حضرت آدم کو بہت دکھ پہنچا ، اور انھوں نے سوچا کہ وہ ملک جس میں مذھبی رواداری نہیں ھے ، اس کے خلاف جہاد کرنا چاھیے ، چنانچہ وہ چھ سات ھزار افراد کو لے کر رام پال کے قریب جو ڈھاکہ سب ڈویژن منشی گنج میں واقع ھے ، تشریف لائے اور گائے کا ذبح کرنا شروع کر دیا ، جس کی

---

۱ ۔ ”تواریخ ڈھاکہ“ میں ھے کہ پال قوم کی حکومت کے زوال کے بعد بنگال میں سین خاندان بر سر اقتدار آیا اور اس خاندان کی حکومت قائم ھوئی ، بلال سین اس خاندان کا پانچواں راجا تھا ۔ (تواریخ ڈھاکہ) ۔

وجہ سے وھاں کا راجا سخت برھم ھوا ، اور اس نے حضرت آدم سے جنگ کی ، لیکن جنگ میں راجا کو کامیابی نہیں ھوئی ۔ کہا جاتا ھے کہ بابا آدم نے کہا کہ تم مجھے صرف میری تلوار سے مار سکتے ھو ۔ یہ کہہ کر اپنی تلوار راجا کے ھاتھ میں دے دی ۔ راجا نے موقع پاتے ھی اسی تلوار سے بابا آدم کو شہید کر دیا ۔ لیکن کچھ ھی عرصہ بعد راجا اور اس کے خاندان کے سارے افراد کو آگ میں جل کر اپنی جان دینی پڑی ۔ یہ کیوں اور کیسے ھوا اس کی تفصیل تاریخ میں نہیں ملتی ۔ جو کچھ ملتا ھے وہ یہ ھے کہ " بلال چرتیا " کے عنوان سے انند بھٹا نامی ھندو نے ایک کتاب سنسکرت زبان میں لکھی ھے اور اسی روایت کو بنیاد بنایا ھے ۔

**مقبرہ :** حضرت آدم شہید کا مقبرہ رام پال میں ایک مسجد کے قریب واقع ھے ، جس کو ایک سردار ملک کافور نے سلطان جلال الدین فتح شاہ کے دور حکومت میں ۸۸۸ھ — ۱۴۸۳ء میں تعمیر کرایا تھا ۔

**کتبہ :** حضرت آدم شہید کی مسجد کے درمیانی دروازے پر یہ کتبہ منقوش ھے :

قال اللہ تعالیٰ و ان المساجد فلا تدعوا مع اللہ احداً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجداً فی الدنیا بنا اللہ لہ قصراً فی المسجد ۔ بنی ھذا المسجد الجامع الملک المعظم ملک کافور ۔ فی زمان السلطان ابن السلطان جلال الدنیا و الدین ابو المظفر فتحشاہ السلطان ابن محمود شاہ السلطان فی تاریخ اوسط شھر رجب ثما (ن) و ثمانین ثمنائۃ[۱] ۔

---

۱ ۔ انسکرپشن آف بنگال ۔ تالیف شمس الدین احمد ، صفحہ ۱۲۰

(۲)

# شاہ اسمعیل غازی

شاہ اسمعیل غازی ایک دوسرے مجاہد ہیں جن کا نام آج بھی بنگال میں عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ اسلام کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ان کی خدمات ہمیشہ یاد رہیں گی۔ پیر محمد شطاریہ سلسلہ کے ایک صوفی نے سترھویں صدی میں ان کی سوانح عمری مرتب کی تھی جس کا نام ''رسالت الشہداء'' رکھا تھا۔

رسالت الشہداء کے مطابق شاہ اسمعیل غازی مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے خاندان کا سلسلہ آنحضرت صلعم کے خاندان سے ملتا ہے۔ ابتدائی عمر ہی سے ان کو اسلام سے گہرا شغف تھا اور شروع ہی سے رشد و ہدایت اور تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ تبلیغ اسلام کے جذبے کے ساتھ انھوں نے اپنے وطن عزیز مکہ کو خیرباد کہا اور ایک طویل سفر طے کر کے لکھنوتی پہنچے۔ اس زمانے میں بنگال کا بادشاہ رکن الدین باربک شاہ (۱۴۵۹-۷۴ء) سیلاب پر قابو پانے کے لیے بہت سرگرداں تھا اور اب تک اس کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ شاہ اسمعیل نے ایک تجویز یہ پیش کی کہ وہ دریا پر ایک پل بنائے اور اس پل کے ذریعے اسے کامیابی ہوگی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ پل بنانے سے سیلاب رک گئے۔ اس کامیاب مشورہ پر خوش ہو کر بادشاہ نے شاہ اسمعیل کو غازی کے خطاب سے سرفراز فرمایا اور حکومت کے ایک ذمہ دار عہدے پر فائز کر دیا۔

اس کے بعد سلطان نے انھیں ایک فوج کا کپتان دار مقرر کیا اور سرحدی علاقوں کے ہندو راجاؤں کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا۔

شاہ اسمعیل غازی نے اوڑیسہ کے راجا سے جنگ کی اور اس کا ایک علاقہ فتح کر لیا - کامروپ کے راجا کو شکست فاش دے کر اسے باجگزار بنا لیا - سلطان نے شاہ اسمعیل غازی کے ان کارناموں سے خوش ہو کر ایک گھوڑا ، تلوار اور خلعت عطا فرمائی -

سلطان کا ایک ہندو کہان دار بھندارسی رے شاہ غازی کی اس مقبولیت سے حسد کی آگ میں جلنے لگا اور ان کے خلاف طرح طرح کی سازشوں کے جال پھیلانے شروع کیے - اس نے سلطان کو یقین دلایا کہ وہ کامروپ کے راجا سے سازش کر کے اپنی الگ حکومت قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں - اس پر سلطان نے حکم دیا کہ ان کا سر تن سے جدا کر دیا جائے - حکم بجا لایا گیا اور یہ مرد مجاہد ۸۷۸ھ — ۱۴۷۴ء میں اس طرح شہید کر دیا گیا -

اس مرد مجاہد کا سر رنگ پور کے علاقے میں دفن کیا گیا اور جسم مندران کے علاقے میں - شاہ غازی اسمعیل کی ضلع رنگ پور میں تین مختلف مقامات پر درگاہیں موجود ہیں[1] -

---

۱ - سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری اوف بنگال صفحہ ۱۳۵—۱۳۴ ، مصنفہ ڈاکٹر محمد عبدالرحیم -

(۳)

## شاہ انور قلی حلبی

**حالات:** ملاسملہ فرفرا ضلع ھگلی میں ایک مزار اور ایک پرانی مسجد واقع ہے ، کہا جاتا ہے کہ یہ مزار شاہ انور قلی حلبی کا ہے ، جن کا اصلی نام محمد کبیر تھا جو حلب سے تشریف لائے تھے[۱] - کہا جاتا ہے وہ ضلع ھگلی کے مقام فرفرا میں اس زمانہ میں تشریف لائے جب ایک نیچی ذات کا ھندو راجا وھاں حکمران تھا - شاہ انور نے اس کے خلاف جہاد کیا اور اسے شکست دی - اسی جنگ میں راجا مارا گیا لیکن کچھ عرصہ بعد دشمنوں نے سازش کر کے شاہ انور اور ان کے مرید و رفیق کار کرم الدین کو شہید کر دیا اور فرفرا ملاسملا میں انھیں دفن کر دیا گیا - شاہ انور کے مزار کے قریب دو پتھر بھی موجود ھیں ، دونوں پتھروں پر دو گہرے نشان ھیں ، مشہور ہے کہ آپ کی عبادات کی وجہ سے آپ کے گھٹنوں کی رگڑ سے یہ نشانات ان پتھروں پر پڑ گئے تھے -

شاہ انور قلی حلبی کو آئینے کا بہت شوق تھا ، اس لئے لوگ آج بھی اپنی منتوں کو پورا ھونے پر آپ کے مزار پر آئینے چڑھاتے ھیں -

وہ مسجد جو آپ کے مزار کے متصل واقع ہے بہت پرانی ہے ، اس مسجد کے طرز تعمیر کو دیکھ کر مسلم بنگال کے ماھرین کا خیال ہے کہ یہ مسجد پٹھانوں کی بنائی ھوئی مسجدوں کے اس سلسلے سے تعلق

---

۱ - بنگال دسٹک گزٹیرس ، صفحہ ۳۲ ، ۱۹۱۲ء -

رکھتی ہے جو ۱۴۶۰ء — ۸۶۵ھ تا ۱۵۱۹ء — ۹۲۴ھ کے درمیان تعمیر کی گئیں[۱] -

شاہ انور قلی حلبی کے مقبرے کے دروازے پر ایک تحریر سیاہ حروف میں لکھی ہوئی ہے ، جس میں تحریر ہے کہ یہ مسجد خان اعظم الغ مخلص خاں نے ۷۷۷ھ — ۱۳۹۵ء میں تعمیر کرائی تھی[۲] - یہ تحریر چونکہ مسجد سے متعلق ہے اور اب شاہ انور قلی کے مقبرے کے دروازے پر لگی ہوئی ہے ، قیاس چاہتا ہے کہ پہلے یہ تحریر مسجد کے کسی حصے پر ہو گی ، اور وہاں سے ہٹا کر اُسے آپ کے مقبرے کے دروازے پر لگا دیا گیا ہے ، جو مقابلتاً اس مسجد کے بعد کا بنا ہوا ہے -

لیکن اس تحریر سے ہم ایک اہم نتیجے پر پہنچتے ہیں ، وہ یہ ہے کہ بنگال کی تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ بنگال میں صوفیائے کرام کے مقابر کے ساتھ اکثر و بیشتر جو مساجد بنائی گئی ہیں وہ عموماً ان صوفیائے کرام کی وفات کے بعد بنائی گئی ہیں - اس بنا پر قیاس غالب ہے کہ شاہ انور قلی حلبی نے ۱۳۷۵ء — ۷۷۷ھ سے پہلے وفات پائی ہو گی -

**کتبہ :** شاہ انور قلی حلبی کی درگاہ کے دروازے پر جو کتبہ منقوش ہے ، اُس کی عبارت یہ ہے :

قال اللہ تعالیٰ ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجد اللہ فی اللہ نبی اللہ لہ فی الجنة سبعین قصراً - نبی المسجد الخان الاعظم الغ مخلص خان فی سنة سبع و سبعین و سبع مایة[۳] -

---

۱ - جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ، صفحہ ۲۷ — ۲۸ ، ۱۹۱۰ء
۲ - جرنل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی ، ۱۸۷۰ء ، صفحہ ۲۹۱ — ۲۹۲
۳ - انسکرپشن آف بنگال - صفحہ ۳۹ تصنیف شمس الدین احمد

(۴)

## شیخ انور

**حالات :** شیخ انور حضرت شیخ نور قطب عالم کے چھوٹے صاحبزادے تھے ، اور بزم تصوف کے روشن چراغ تھے - ان کے تذکرہ نگار سب کے سب اس پر متفق ہیں کہ وہ بےحد سخی تھے ، بھیڑیں پالتے تھے اور فقرا کے لئے ان کو ذبح کرتے تھے ، مگر خود ان کا گوشت نہیں کھاتے تھے -

شیخ حسام الدین مانک پوری کے مکتوبات میں ہے کہ ایک روز میں نے مخدوم زادہ شیخ انور سے پوچھا کہ عشق کیا ہوتا ہے ؟ فرمایا کہ جو لوگ نظر بلند کر کے دیکھتے ہیں ، وہ دیکھتے ہیں کہ دوست آتا ہے ، یا خیال دوست یا پیام دوست آتا ہے - ورنہ یہ لوگ کیوں نظر جمائے ہوئے ہیں -

آن کی شہادت کے تفصیلی حالات ہم شیخ نور قطب عالم کے حالات کے ضمن میں لکھیں گے کہ انہیں راجا کنس نے شہید کرایا تھا ، اور شیخ انور کی شہادت کے دن ہی راجا کنس بھی مرا تھا[۱] -

---

۱ - اخبار الاخیار صفحہ ۱۶۶

(۵)

## حضرت ابو تراب

**حالات :** حضرت جلال سلہٹی کے جن رفقاء نے بنگال کو اسلام کے نور سے منور بنایا ، اُن میں سے ایک حضرت ابوتراب بھی ھیں ، اگرچہ تذکرہ نگار ان کے تفصیلی حالات کے متعلق خاموش ھیں ، مگر اتنا ضرور پتہ چلتا ھے کہ سلہٹ کے فتح ھونے کے بعد حضرت شاہ جلال سلہٹی نے اُن کو بندر بازار نواح سلہٹ میں اشاعت اسلام کے لیے مامور فرمایا ، چنانچہ وہ تمام عمر بندر بازار میں تبلیغ اسلام کر کے اسلام کو سربلند کرتے رھے ، اور وھیں اُنھوں نے وفات پائی -

حضرت ابوتراب کا مزار پر انوار بندر بازار کے شمالی حصے میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ھے[۱] -

---

۱ - تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول - صفحہ ۴۹ — ۵۰

## (۶)

# خواجه انور شاه

خواجه انور شاہ بردوان کے ایک صوفی اور بزرگ تھے - جن کا انتقال ۱۷۱۵ء میں ہوا - ان کا مقبرہ فرخ سیر نے تعمیر کرایا تھا[1] -

۱ - سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری اوف بنگال صفحه ۱۳۶ -

(۷)

## شاہ ابراہیم دانشمند

**حالات :** حضرت شاہ ابراہیم دانشمند سلطان فتح شاہ[۱] کے عہد میں بغداد سے بنگال تشریف لائے، اور تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں مصروف ہو گئے۔ فتح شاہ نے اپنی لڑکی آپ کے عقد میں دی ، جن سے آپ کے ایک صاحبزادے پیدا ہوئے جن کا نام آپ نے شیخ محمد رکھا۔ ان کے صاحبزادے محمد یوسف تھے ، جو سنار گاؤں کے مشہور خوندکار تھے[۲]۔

---

۱۔ تاریخ فرشتہ جلد دوم میں ہے کہ سکندر شاہ کی معزولی کے بعد امرائے سلطنت نے فتح شاہ کو تخت سلطنت پر بٹھایا۔ وہ نہایت عالم اور دانا انسان تھا ، اس نے تخت نشین ہوتے ہی امرا پر حسب مراتب نوازش فرمائی ، اور باربک شاہ اور یوسف شاہ کے عہد میں خواجہ سراؤں اور حبشی غلاموں نے جو رسوخ حاصل کر کے آدھم مچا رکھا تھا ، ان کو عدل و انصاف سے سیدھا کر کے ان کی اصلاح کی ، لیکن یہ خواجہ سرا پوشیدہ پوشیدہ اس کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے لگے ، اسی زمانے میں خان جہاں خواجہ سرا وزیر ملک اندیل حبشی امیرالامرا مع خاصہ خیل سرحد کے راجاؤں کی مدافعت کے لیے نامزد ہوا ، سلطان شہزادہ بنگالی خواجہ سرا نے موقع پا کر ۸۷۶ھ میں دوسرے خواجہ سراؤں اور چوکی خانہ کےسپاہیوں کی مدد سے فتح شاہ کو قتل کر دیا، فتح شاہ کی مدت حکومت سات سال اور پانچ ماہ تھی۔ (ماخوذ از تاریخ فرشتہ اردو جلد دوم صفحہ ۳۸۴ تذکرہ فتح شاہ)

۲۔ تواریخ ڈھاکہ۔ صفحہ ۱۷۹ — ۱۸۰ و تذکرہ اولیائے بنگالہ حصہ اول ، صفحہ ۵۱

**وفات :** شاہ ابراھیم دانشمند نے سنار گاؤں میں وفات پائی ۔ آپ کا مزار سنارگاؤں کے علاقے مگر پاڑے میں ایک گنبد میں ھے ۔ وھیں آپ کے صاحبزادے شیخ محمد اور آپ کے پوتے شیخ یوسف اور ان کی بیوی کا مزار ھے ، یہ تینوں مزار علیحدہ علیحدہ گنبدوں میں واقع ھیں ۔

ان مزارات کے قریب ایک مسجد ھے ، جو ۹۲۹ھ — ۱۵۲۲ء میں ابو المظفر نصرت شاہ کے زمانے میں مُلا مبارک نے تعمیر کرائی تھی ، اس پر ایک کتبہ نصب تھا جس کو حضرت ابراھیم دانشمند کے مزار کے ایک متولی نے نکال کر اس کی جگہ ایک دوسرا کتبہ لگا دیا ۔ اصل کتبے پر یہ عبارت درج تھی :

قال اللہ تعالی ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احداً قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من نبی مسجد اللہ ینبغی بہ وجہ اللہ نبی اللہ لہ مثلہ فی الجنۃ ۔

نبی ھذا المسجد للہ فی عھد السلطان المعظم و المکرم السلطان ابن السلطان ناصر الدنیا و الدین ابو المظفر نصرت شاہ السلطان ابن حسین شاہ الحسینی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و بناہ لوجہ اللہ مع بیت السقایۃ ملک الامراء و الوزرا قدوۃ الفقھا و المحدثین تقی الدین ابن عین الدین المعروف مبارک ملا ابن مجلس مختار ابن مجلس سرور سلمہ اللہ تعالیٰ فی الدارین فی سنۃ تسع و عشرون و تسعمائۃ[1] ۔

سنہ ۹۲۹ھ

---

۱ - تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۲۸۴—۲۸۵ ۔

## (۸)

# شاہ الا

**حالات :** شاہ الا جن کو شاہ اعلیٰ بھی کہا جاتا ہے مشاہیر مجاذیب میں سے تھے ، ان کے مورث اعلیٰ شاہ سلطان حسنی ماریہ برھفہ تھے - جنھوں نے ایک ھندو راجا بلیا کو مشرف بہ اسلام کیا تھا ، اور شاہ شجاع نے ایک سند کے ذریعہ سے جو ۱۶۵۹ء — ۱۰۷۰ھ کی لکھی ہوئی راج شاھی کے سرکاری دفتر میں موجود ہے بہت سی مراعات دے رکھی تھیں[1] -

شاہ الا اور ان کے بزرگوں کا تعلق سلسلۂ مداریہ سے تھا ، اس سلسلے کو شاہ بدیع الدین مدار سے منسوب کیا جاتا ہے - ان بزرگ کا اصل نام بدیع الدین اور شاہ مدار لقب تھا ، ان کے والد کا نام شاہ ابو اسحاق شامی ہے ، شاہ بدیع الدین مدار نے سلطان ابراھیم شرقی[2] کے دور حکومت میں ۱۸ جمادی الاول ۸۴۰ھ—۱۴۳۶ء میں وفات پائی ،

---

۱ - رود کوثر صفحہ ۴۷۳ -

۲ - سلطان ابراھیم شاہ شرقی بن خواجہ جہاں جون پوری مبارک شاہ کے بعد ۱۵۰۱ء — ۸۰۴ھ میں مسند سلطنت پر متمکن ھوا ، وہ نہایت منصف ، بلند سیرت فرمانروا تھا ، اس میں دین و سیاست کا بہترین امتزاج تھا ، اسی وجہ سے آس کے گرد اھل علم و فضل کثرت سے جمع ھو گئے تھے ، قاضی شہاب الدین دولت آبادی ، قاضی نظام الدین گیلانی ، شیخ ابی الفتح بن عبدالحی بن عبدالمقتدر شریحی الکندی (باقی حاشیہ صفحہ ٦٦ پر)

اخبار الاخیار میں ہے کہ شاہ بدیع الدین مدار کے بہت سے عجیب و غریب حالات و اطوار بیان کیے جاتے ہیں ، کہتے ہیں کہ وہ مقام صمدیت پر فائز تھے ، انھوں نے بارہ سال تک کھانا نہیں کھایا اور جو لباس ایک دفعہ پہنا دوسری دفعہ اس کے دھونے کی نوبت نہیں آئی ، ان کی عمر کے متعلق بھی عجیب عجیب باتیں مشہور ھیں بعضوں کا بیان ھے کہ انھوں نے دو سو سال کی عمر پائی کوئی کہتا ھے کہ ان کی عمر تین سو سال تھی مشہور ھے کہ پانچ چھ واسطوں سے ان کا سلسلہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے جا ملتا ھے[۱] ، گلزار ابرار میں ھے کہ ان کے جمال میں نور الٰہی کی جھلک نظر آتی تھی ، جس کی وجہ سے دیکھنے والا بے اختیار سجدے میں گر پڑتا تھا ، اس لیے وہ ھمیشہ اپنے چہرے پر نقاب رکھا کرتے تھے مگر دربار عام کے روز خلائق کے فائدہ رسانی کی غرض سے چہرے سے نقاب اٹھا دیتے تھے ، اور ارباب زمانہ میں سے جس کسی کو کسی علم میں دشواری اور الجھن پیش آتی تھی ، وہ اسی دربار عام کے روز آپ کی خدمت میں حاضر ھوتا تھا ، اس وقت آپ بدون دریافت کرنے کے ھر ایک قسم کی باتیں فرمایا

---

(صفحہ ٦٥ کا بقیہ حاشیہ)

وغیرہ اس کے دور حکومت کی زینت تھے ، وہ علماء کا اس درجہ قدرداں تھا کہ ایک مرتبہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی بیمار ھوئے ، اور ان کی بیماری طویل ھو گئی ، خود سلطان ابراھیم ان کی عیادت کے لیے حاضر ھوا اور پانی طلب کیا ، پھر سات مرتبہ قاضی صاحب کے گرد چکر لگا کر اس نے کہا الٰہی ! اگر قاضی صاحب کی موت مقدر ھو چکی ھے تو ان کی موت کو میرا مقدر کر کے انھیں حیات عطا فرما ۔

سلطان ابراھیم شرقی نے ١٤٣٦ء — ٨٤٠ھ میں وفات پائی (ماخوذ از نزھة الخواطر جلد ٣ بحوالہ تاریخ فرشتہ)

۱ ۔ اخبار الاخیار ۔ صفحہ ١٦٤

کرتے تھے ، آسی ضمن میں حاضرین دربار اپنی مراد کے موافق جواب پا کر اور اپنی مشکل حل کر کے واپس چلے جایا کرتے تھے۱ -

شاہ مدار ہندوستان کے مختلف علاقوں یعنی گجرات ، اجمیر ، قنوج ، کالپی ، جون پور ، لکھنؤ اور کانپور گئے - ان کے بنگال آنے کے سلسلے میں ہمیں کوئی براہ راست سند نہیں ملتی ، لیکن کچھ مؤرخین ان کے بنگال آنے پر اس وجہ سے یقین رکھتے ھیں کہ ان کا حوالہ سونیا پرانا کی لکھی ہوئی کتاب '' نرنجنر رشما '' میں موجود ھے ، بہرحال خواہ وہ بنگال آئے ہوں یا نہ آئے ہوں ، لیکن یہ حقیقت ھے کہ بنگال میں آج بھی مداریہ۲ سلسلے کے اثرات پائے جاتے ھیں ، ڈاکٹر انعام الحق کا بیان ھے کہ ضلع فرید پور میں مداری پور سب ڈویژن اور ضلع چٹاگانگ میں مدار باڑی اور مدار شاہ کے نام انھیں بزرگ کے نام پر رکھے گئے -

---

۱ - اردو ترجمہ گلزار ابرار - صفحہ ۷۴-۷۵

۲ - سلسلۂ مداریہ طیفوریہ شاہ بدیع الدین مدار سے منسوب ھے ، شاہ بدیع الدین مدار کا سلسلۂ طریقت صرف چار واسطوں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک پہنچتا ھے ، آپ کا سلسلہ طریقت یہ ھے -

شاہ بدیع الدین مدار ، شیخ طیفور شامی ، شیخ یمین الدین شامی ، امام عبداللہ علم بردار ،حضرت صدیق اکبرؓ ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم -

اس خانوادے کے لوگ توحید کشفی کے بیان میں غلو رکھتے ھیں ، اور وحدت الوجود کے عقیدے کو علی الاعلان بیان کرتے ھیں اور ظاھری شریعت کے امتناعی حکم سے ان کو چنداں خوف نہیں ھے - (دسویں صدی ھجری کے آخری نصف میں برھنگی اور بے حجابی اس گروہ کے مشرب میں جوش کے ساتھ پیدا ہو گئی ، وگرنہ شاہ بدیع الدین مدار کے پر معرفت زمانے میں راز وحدت کو

(باقی حاشیہ صفحہ ۶۸ پر)

ڈاکٹر انعام الحق نے شاہ مدار کی ولادت ۱۳۱۵ء – ۷۱۵ھ اور وفات جمادی الاول ۱۴۳۶ء – ۸۴۰ھ لکھی ہے -

صاحب گلزار ابرار نے شاہ بدیع الدین مدار کے خلفاء کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ الا شاہ بدیع الدین مدار کے خلفاء میں تھے ،

---

(صفحہ ٦٧ کا بقیہ حاشیہ)

ظاہر کرنے پر نہایت روک ٹوک تھی ، اور ظاہر شریعت کی مخالفت سے غایت درجے کا خوف دلوں میں سمایا ہوا تھا ، اور طریقت میں سابقہ با ادب سالکوں کے ساتھ موافقت رکھتے تھے -

ایک تازہ بدعت ان میں یہ ہے کہ اس سلسلے میں ظاہری تجرید مقبولیت کی شرط اور اجازت کا جزو قرار دی گئی - اس خاندان کے اکثر بزرگان خلافت اپنے تئیں صرف ستر عورت اور اس قدر طعام ضروری سمجھتے تھے جو اسی ایک روز میں کھا لیا جائے ، باقی جملہ انواع پوشاک اور جمیع اقسام خوراک سے دست کش رہتے......... پھر اس طریقے کے انتہا پسند ظاہری تجرید میں اس درجہ بڑھے کہ وہ تجرید جو صوفیاء کی پسندیدہ ہے اس کے حدود سے دو تین قدم آگے بڑھ کر مشروع ازار کو چار انگل کی لنگوٹی سے بدل لیا ، جس سے بمشکل فقط اندام نہانی چھپ سکتا ہے ، اور رات کے وقت پہاڑ کی طرح آگ مشتعل کی جس سے سرما کے لحاف کا کام لیا ، صبح کو لباس کی جگہ بدن پر راکھ مل لی ، یہ شعار جو سراپا عار ہے اختیار کر کے ادب کے دائرے سے......... باھر نکل گئے -

شاہ مدار کے خلفاء کے نام یہ ھیں :

(۱) سید جمن بہاری - (۲) قاضی محمود کنتوری - (۳) قاضی شہاب الدین - (۴) قاضی مطہر کلہشیر - (۵) قاضی عبدالملک بہیڑائچی - (٦) سید خاصہ - (۷) سید راھی - (۸) شیخ بھیکھا مجذوب - (۹) شیخ بھیکھا ثانی - (۱۰) شیخ الا - (۱۱) شیخ محمد جھنڈہ - (۱۲) شیخ محمد بائیں پانوں - (ماخوذ از اردو ترجمہ گلزار ابرار - صفحہ ۷۷–۷۸)

جن کو فصیح اللسان لوگ شیخ اعلیٰ بھی کہتے ہیں ، آپ بھی انہیں مجذوبوں میں ہیں جو مشہور دنیا ہیں -

شاہ الا نے گوڑ میں وفات پائی ، اور گوڑ ہی میں ان کا مزار واقع ہے[۱] -

۱ - رود کوثر صفحہ ۳۷۴ -

## (۹)

# شاہ ابواللیث

**حالات :** بنگال کے آخری دور کے قادریہ سلسلے کے بزرگوں میں شاہ ابواللیث نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی ، آپ شاہ عزیز اللہ کی اولاد میں ھیں ، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی شاہ ابو تراب ھے جو اپنے وقت کے عارف کامل اور صاحب دل بزرگ تھے ، اور جنھیں قطب بنگالہ کہا جاتا تھا ۔

**بیعت :** ایک دفعہ شاہ ابواللیث رشد و ھدایت کے لیے منگل کوٹ تشریف لے گئے ، وھاں آپ نے سید شاہ الحسن ذاکر علی قادری کی ولایت و کمال کا شہرہ لوگوں سے سنا ، اس تذکرے نے آپ کے قلب میں سید ذاکر علی کی محبت و عقیدت کا چراغ روشن کر دیا ، یہاں تک کہ والہانہ ان کی خدمت میں حاضر ھوئے ، اتفاق سے جب آپ وھاں پہنچے مغرب کا وقت ھو چکا تھا اور سید شاہ ابو الحسن ذاکر علی اپنے معمول کے مطابق حجرے میں اوراد و وظائف میں مشغول تھے ، جس کی وجہ سے ملاقات میں دیر ھوئی ، آپ آزردہ ھو کر وھاں سے لوٹے ، جب حضرت سید ذاکر علی وظیفہ ختم کر چکے اور حجرے سے باھر نکلے تو اُن کے خادم نے آپ کی آمد اور واپس جانے کا حال بیان کیا ، حضرت سید ذاکر علی نے یہ سنا تو آپ کے پیچھے دوڑے ، مگر آپ پالکی پر سوار تھے وہ انھیں نہ پا سکے ، اس وقت حضرت سید ابو الحسن ذاکر نے یہ شعر پڑھا :

آتش مـزاج بـاید فـرزند بو لـهب را
تو نسل بوترابی باید کہ خاک باشی

کہتے ہیں کہ ہاتف غیبی نے یہ آواز آپ کے کانوں تک پہنچا دی ، آپ پالکی سے اتر کر پیدل آن کی خدمت میں حاضر ہوئے ، اور حضرت سید ذاکر علی کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر آن کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے ۔

**وفات :** شاہ ابو اللیث ۱۲۲۲ھ — ۱۸۰۷ء میں وصل الی اللہ ہوئے ، آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ ابو الخیر قدس سرہ نے اس شعر میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ۔

نہ جانو کہ وہ شاہ مر کے موئے
بذکر جلی واصل حق ہوئے

**تصانیف :** شاہ ابو اللیث علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے ، صاحب تصانیف تھے ، آن کی تصانیف میں زبدۃ الفوائد ، رسالہ یشیہ ، کنز ریاض ، شجرۂ نظمیہ ، شجرۃ العارفین وغیرہ مشہور ہیں[۱] ۔

**سجادہ نشینی :** شاہ ابواللیث کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے مولانا شاہ ابو الخیر نے مسند سجادگی کو زینت بخشی ، شاہ ابو الخیر بہت بڑے عالم ، اہل دل اور شاعر تھے[۲] ۔

---

۱ - یہ تمام حالات تذکرہ اولیائے بنگالہ حصہ اول - صفحہ ۳۷ - ۳۸ و صفحہ ۴۱ تا ۴۳ سے ماخوذ ہیں ۔

۲ - تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول صفحہ ۴۳

(۱۰)

## شاہ ابوالارشاد علی عبدالقادر

**حالات :** حضرت شمس القادری جو سید شاہ مرشد علی قادری بغدادی کے نام سے مشہور تھے ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی اولاد سے تھے ، وہ ۱۱۶۵ھ — ۱۷۵۱ء میں بنگال میں پیدا ہوئے ، اور علوم ظاہری و باطنی کی تعلیم کے بعد رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے -

**شاعری :** شاعری سے بھی ذوق رکھتے تھے ، کبھی جمال اور کبھی عاصی تخلص کرتے تھے ، حکیم جلال لکھنوی کو اپنا کلام دکھاتے تھے -

صاحب دیوان تھے ، اُن کا دیوان حرز جان عارفاں فی مناقب محبوب سبحانی ، مجتبائی پریس - دھلی سے ۱۳۱۹ھ — ۱۹۰۱ء میں شائع ہوا تھا ، جو ۶۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ، ہم اُن کے کلام میں سے دو شعر یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں -

پڑھ کے بسم اللہ مطلع میں لکھا نام خدا
نام حق نامے کا عنوان بن گیا نام خدا

حمد گوئی سے دل آئینہ بنا نام خدا
بولتا ہے آج کیا طوطی مرا نام خدا

**وفات :** حضرت شمس القادر نے پچاس سال کی عمر میں وفات پائی ، ان کا مزار شہر میدن پور میں ہے[۱] -

---

۱ - ماخوذ از مشرقی بنگال میں اردو - صفحہ ۱۳۳ تالیف سید اقبال عظیم صدر شعبۂ اردو چاٹگام ڈگری کالج -

( ۱۱ )

# مولانا امام الدین

**ولادت :** مولانا امام الدین کی ولادت موضع حاجی پور ، پرگنہ عنبر آباد ، علاقہ روشن آباد میں ہوئی ، تعلیم کے لیے آپ مولوی اسرائیل خاں کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے اور حضرت شاہ غلام علی[۱] کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی -

---

۱ - مولانا غلام علی بن عبداللطیف علوی نقشبندی ۱۱۵٦ھ — ۱۷۴۳ء میں مشرقی پنجاب کے علاقے بٹالہ میں پیدا ہوئے ، ابتدائی تعلیم اپنے شہر میں حاصل کی - پھر حصول تعلیم کے لیے دہلی تشریف لائے ، اور حضرت شاہ عبدالعزیز سے صحیح بخاری پڑھی ، اور حدیث کی سند آن سے لی ، بائیس سال کی عمر میں آپ نے سلسلۂ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے دست حق پرست پر بیعت کی ، بیعت ہوتے وقت یہ شعر آپ کی زبان پر تھا :

از برائے سجدۂ عشق آستانے یافتم
سر زمینے بود منظور آسمانے یافتم

اور ایک طویل عرصے تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہے - مرزا مظہر جان جاناں کی وفات کے بعد آپ نے دہلی میں سکونت اختیار فرما کر مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی ، اور آپ کو قبول عظیم حاصل ہوا ، آپ کے آئینۂ اخلاق میں زہد و ورع ، تسلیم و رضا ، توکل و ایثار ، ترک و تجرید کے

( باقی حاشیہ صفحہ ۷٦ پر)

**بیعت :** تعلیم کے بعد حضرت شاہ غلام علی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور معرفت و سلوک کی منازل طے کیں ۔

**حضرت سید احمد بریلوی کی تحریک میں شرکت :** جب ہندوستان میں حضرت سید احمد شہید بریلوی کی تحریک جہاد شروع ہوئی تو آپ اُن کے رفقاء میں شامل ہو گئے ، اور حضرت سید احمد شہید کے ساتھ حرمین شریفین حاضر ہو کر حج و زیارت سے مشرف ہوئے ، اور ایک مدت تک حرمین شریفین میں مقیم رہے ، پھر ہندوستان تشریف لا کر اُس جہاد میں شرکت کی جس کے علم بردار حضرت سید احمد[۱] بریلوی تھے ۔

---

(صفحہ ۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

آثار نمایاں نظر آتے ہیں ، آپ کی محفلیں دنیا کے افکار سے خالی اور ذکر الہی سے مامور ہوتی تھیں ، اگر کوئی شخص آپ کی مجلس میں کسی کی غیبت کرتا تو آپ فرماتے برائی سے ذکر کرنے کا تو میں سب سے زیادہ مستحق ہوں ، ہمیشہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگے رہتے ۔

شاہ غلام علی نے ۲۲ صفر ۱۲۴۰ھ — ۱۸۲۴ء کو وفات پائی ، آپ کے مریدین میں سید اسمٰعیل مدنی ، شیخ احمد کردی ، شیخ خالد رومی ، شیخ محمد جان باجوری ، شیخ ابو سعید دھلوی اور اُن کے صاحبزادے شیخ احمد سعید ، اور شیخ رؤف احمد رامپوری ، شیخ بشارت اللہ بہرانچی اور سید ابوقاسم بن مہدی حسینی واسطی مشہور ہیں ۔

شاہ غلام علی کی تصانیف میں رسالہ مقامات مظہریہ ، اور رسالہ ایضاح الطریقہ مشہور ہیں ۔

(ماخوذ از نزھۃ الخواطر - جلد ۷ صفحہ ۳۵۶ تا ۳۵۸)

۱ - حضرت سید احمد بریلوی یکم محرم ۱۳۰۱ھ — ۱۷۷۶ء کو اودھ کے قصبے رائے بریلی میں پیدا ہوئے ، اُن کے والد کا نام سید محمد عرفان

( باقی حاشیہ صفحہ ۷۷ پر )

**مولانا عبدالحی اور شاہ اسماعیل شہید سے روحانی استفاضہ:** شاہ غلام علی کے علاوہ آپ نے مولانا عبدالحی۱ اور شاہ اسماعیل شہید۲ سے بھی روحانی استفاضہ کیا تھا۔

---

(صفحہ ۷۶ کا باقی حاشیہ)

اور آن کی والدہ کا نام بی بی عافیہ بنت سید ابو سعید تھا، بچپن میں ان کو تحصیل علم کی طرف کچھ رغبت نہ تھی، تین چار سال مکتب میں گزارنے کے باوجود قرآن مجید کی چند سورتیں یاد کر سکے، بڑے ہونے کے بعد اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ تلاش روزگار میں لکھنؤ گئے، وھاں آن کا قیام ایک رئیس کے ھاں تھا، وھیں سے ان کی طبیعت میں ایک انقلاب پیدا ھوا، پہلے تحصیل علم کے شوق میں وہ دھلی میں شاہ عبدالعزیز دھلوی کی خدمت میں حاضر ھوئے، شاہ صاحب نے ان کو اولاً اکبری مسجد میں اپنے بھائی شاہ عبدا لقادر کے پاس بھیجا، وھاں انھوں نے صرف و نحو کی کچھ کتابیں پڑھیں اور قرآن مجید کے اردو ترجمے کا بھی مطالعہ کیا۔

۱۲۲۲ھ-۱۸۰۵ء میں انھوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں شاہ عبد العزیز سے بیعت کی، اور کچھ دن کے بعد رائے بریلی تشریف لے گئے۔

۱۸۱۰ء - ۱۲۲۵ھ میں نواب امیر خاں کے پاس چلے گئے جو بعد میں والیٔ ٹونک ھوئے، وھاں جا کر ان کی جمیعت میں شریک ھو گئے، جو اس زمانے میں وسط ھند میں ھندو راجاؤں سے بر سر پیکار تھی۔ تقریباً چھ سال فن سپاہ گری میں گزارے، لیکن جب نواب امیر خاں نے انگریزوں سے صلح کی ٹھانی تو وہ آن کی جمعیت سے علیحدہ ھو کر تقریباً ۱۸۱۶ء - ۱۲۳۲ھ میں دوبارہ دھلی تشریف لے گئے اور وھیں ارشاد و ھدایت کا سلسلہ شروع کیا، آسی زمانے میں شاہ عبدالحی اور شاہ اسماعیل شہید ان سے بیعت ھوئے، ان دونوں کو لے کر سید صاحب نے مظفر نگر، سہارنپور،

باقی حاشیہ صفحہ ۷۸ پر

۲ - حاشیہ صفحہ ۸۰ پر

**بنگال میں رشد و ہدایت:** تذکرۂ اولیائے بنگالہ میں ہے کہ حضرت احمد شہید نے آپ کو اپنی شہادت سے پہلے وصیت فرمائی تھی کہ وہ اپنے وطن جا کر ارشاد و ہدایت میں مصروف ہوں ، چنانچہ آپ نے بنگال

---

صفحہ ۷۷ کا بقیہ حاشیہ

رام پور اور لکھنؤ وغیرہ کا دورہ کیا ، اور وعظ و تذکیر سے لوگوں کو راہ حق دکھائی ۔

بیعت میں ان کا طریقہ دوسرے شیوخ سے مختلف تھا ، پہلے وہ طریقۂ چشتیہ ، نقشبندیہ ، سہروردیہ میں بیعت لے کر طریقۂ محمدیہ میں بیعت لیتے تھے ۔

پنجاب و سرحد میں مسلمانوں پر مظالم کی وجہ سے (جہاں سکھوں کی حکومت تھی) سید صاحب کو جہاد کرنے کا خیال پیدا ہوا ، آنھوں نے فیصلہ کیا کہ فریضۂ حج ادا کرنے کے بعد جہاد کریں گے ، چناں چہ یکم شوال ۱۲۳۶ھ - ۱۸۲۰ء کو آپ چار سو رفقاء کے ساتھ حج کے لیے روانہ ہوئے ، اور ۱۲۳۷ھ میں واپس آ کر آپ نے جہاد کی تیاریاں شروع کر دیں ، ۱۲۴۱ھ - ۱۸۲۵ء کو سید صاحب پانچ ہزار رفقاء کے ساتھ جہاد کے لیے روانہ ہوئے ، اور طویل مسافت کے بعد نوشہرہ پہنچے ، آپ کا پہلا معرکہ ۲۱ دسمبر ۱۸۲۶ء - ۱۲۴۲ھ کو نوشہرے سے آٹھ میل کے فاصلے پر اکوڑہ کے مقام پر ہوا ، ۱۱ جنوری ۱۸۲۷ء کو آپ کے ہاتھ پر باقاعدہ بیعت ہوئی ، اور آپ کو امیرالمومنین چنا گیا ، سکھوں سے آپ کے مختلف مقامات پر شدید مقابلے ہوئے ، بالاکوٹ میں سید صاحب کا آخری معرکہ ہوا ، اس معرکے میں سید صاحب کا لشکر بعض لوگوں کی غداری اور نمک حرامی کے سبب گھر گیا ، اور افسوس ہے کہ مجاہدین کو شکست ہوئی ، اس معرکے میں وہ لوگ شہید ہوئے جن پر تاریخ اسلام کو ناز ہے ، اسی معرکے میں ۲۴ ذیقعدہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۷۹ پر)

آ کر رشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا ، اس زمانے میں لوگ شریعت اسلامیہ سے بے خبر اور ہندوانہ رسم و رواج کے غلام بنے ہوئے تھے ، آپ نے گاؤں گاؤں پیدل جا کر عوام میں اتباع شریعت کا شعور بیدار کیا ، اور ہندوانہ معاشرت و رسم و رواج کے خلاف آواز بلند کی ۔

---

(صفحہ ۷۸ کا بقیہ حاشیہ)

۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء – ۱۲۴۳ھ کو بالا کوٹ میں سید صاحب نے شہادت پائی ۔

(ماخوذ از سیرت سید احمد شہید ۔ تالیف مولانا سید ابوالحسن ندوی)

۱ ۔ مولانا عبدالحی دھلوی بن شیخ صبت اللہ بن نور اللہ صدیقی قصبہ بڑھانہ ضلع مظفر نگر کے رھنے والے تھے ۔ ان کی ولادت قصبہ بڑھانہ میں ہوئی ، سن شعور کو پہنچنے کے بعد دھلی تشریف لائے اور حضرت شیخ عبدالقادر دھلوی سے کتب درسیہ کی تعلیم حاصل کی ، اور شاہ عبدالعزیز سے بھی فخر تلمذ حاصل کیا ۔ شاہ عبدالعزیز آن سے بے حد محبت رکھتے تھے ، انھوں نے اپنی صاحبزادی کی شادی مولانا عبدالحی سے کر دی تھی ، آن کے علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے ہوتا ھے کہ شاہ عبدالعزیز ان کو شیخ الاسلام لکھا کرتے تھے ، وہ نہایت قوی الحافظہ ، کثیر المطالعہ ، شیریں کلام انسان تھے ، مدتوں دھلی میں درس و تدریس کی خدمات انجام دیتے رہے ، پھر شاہ عبدالعزیز کی زندگی ھی میں انھوں نے حضرت سید احمد بریلوی کے دست حق پر بیعت کی ، اور آن سے روحانی استفاضہ کیا ، اور ۱۲۳۷ھ میں اپنے شیخ کے ساتھ حج و زیارت کے لیے گئے ۔ وھاں انھوں نے اھل حرمین کے لیے اپنی مشہور کتاب صراط المستقیم کا فارسی سے عربی میں ترجمہ کیا ، وھیں قاضی محمد بن علی شوکانی نے اپنی بعض تصانیف اپنی مرویات کی اجازت کے ساتھ بھجوائیں ، پھر وہ حضرت سید احمد شہید بریلوی کے ساتھ ہندوستان لوٹ کر آئے ، اور دو سال تک شہروں اور قصبوں کی سیاحت کی ، وہ امر بالمعروف

(باقی حاشیہ صفحہ ۸۰ پر)

**وفات :** مولانا امام الدین اپنے وطن سے ھجرت کرنے کی تمنا رکھتے تھے ، آخر یہ تمنا اس طرح پوری ھوئی کہ جب دوسری مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو اپنے وطن واپس نہ لوٹے ، حج سے لوٹتے ھوئے آپ نے ۱۲۷۳ھ - ۱۸۵۷ء میں جہاز میں وفات پائی ۔

---

(صفحہ ۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

و نہی عن المنکر کا سر تا پا پیکر تھے ، انھوں نے اپنی تمام صلاحیتوں کو اشاعت اسلام اور تبلیغ دین میں صرف کیا ۔ حضرت سید احمد بریلوی کے ساتھ جہاد میں شریک رھے ، تذکرہ علمائے ھند میں ھے کہ مولانا عبدالحی نے ۸ شعبان بروز اتوار ۱۲۲۳ھ-۱۸۲۸ء عارضۂ بواسیر میں وفات پائی ، آخری وقت میں جو کلمہ ان کی زبان پر تھا وہ یہ تھا : اللھم الحقنی بالرفیق اعلیٰ ۔

مولانا عبدالحی کی تصانیف میں رسالہ صراط المستقیم ، حکایت المناظرہ (جو ان کے اور شیخ رشید الدین دھلوی کے درمیان ھوا تھا) اور رسالہ ایامیٰ (نکاح بیوگان) اور ان کے فتاویٰ مشہور ھیں ۔ اُن کے حالات کی تفصیل فتاویٰ عزیزی جلد اول ، سیرت سید احمد شہید از مولوی ابو الحسن ندوی ، سوانح احمدی ، ابجد العلوم ، الیانع الجنی ، تراجم علمائے اھل حدیث ، تذکرۂ علمائے ھند اور نزھۃ الخواطر جلد ۷ میں ملتی ھے ۔ (ماخوذ از ترجمہ علمائے ھند ۔ صفحہ ۲۸۶ - ۲۸۷ و نزھۃ الخواطر جلد ۷ ، صفحہ ۲۴۹ - ۲۵۰)

(حاشیہ صفحہ ۷۷)

۲ - مجاھد فی سبیل اللہ شاہ اسماعیل دھلوی ، شاہ عبدالغنی کے صاحبزادے ھیں ، ان کی ولادت با سعادت دھلی میں ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ-۱۷۷۹ء کو ھوئی ، ابھی بچے ھی تھے کہ اُن کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ، ان کے بعد ان کی تربیت ان کے چچا شاہ عبدالقادر دھلوی نے فرمائی ، شاہ اسماعیل دھلوی نے کتب درسیہ کی تعلیم شاہ عبدالقادر ، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز سے حاصل کی ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۸۱ پر)

کسی نے آپ کا حسب ذیل قطعہ تاریخ وفات کہا :

آں گوہر یکتا کہ بہ بحر رو نہفت
در تاریخش حمید گوہر در سفت
چوں رفت ز روئے بحر آں گوہر پاک
شد در یتیم اینک از دریا گفت[1]
۱۲۷۴

---

(صفحہ ۸۰ کا بقیہ حاشیہ)

علوم معقول و منقول میں وہ کمال حاصل کیا کہ آن کا شمار اکابر علماء میں ھوتا ھے ، پھر حضرت سید احمد شہید بریلوی سے بیعت ھو کر معرفت و سلوک کے منازل طے کیے ، اور حضرت سید احمد شہید کے ساتھ حج و زیارت حرمین شریفین سے مشرف ھوئے ، پھر ھندوستان تشریف لائے ، اور حضرت احمد شہید کے ساتھ جہاد میں شریک ھو کر بالاکوٹ کے معرکے میں ۱۲۴٦ھ- ۱۸۳۱ء میں شہادت پائی ، ان کی عمر کا بڑا حصہ تبلیغ دین ، احیائے سنت اور بدعات کے مٹانے میں صرف ھوا - ساری عمر وہ بے خوف و نڈر ھو کر حق کو سربلند کرتے رھے ، ان کی تصانیف میں تقویۃ الایمان ، صراط المستقیم ، تنویر العینین ، ایضاح الحق ، منصب امامت ، رسالہ بے نمازاں اور رسالہ یک روزی مشہور ھیں -

(ماخوذ از نزھۃ الخواطر جلد ۷ ، صفحہ ٥٦ - ٥۷)

۱ - مولانا امام الدین کے یہ تمام حالات تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول صفحہ ۷ تا ۱۰ تالیف مولانا عبیدالحق پرنسپل مدرسہ عالیہ فینی مطبوعہ حمیدیہ لائبریری فینی سے ماخوذ ھیں -

(۱۲)

## پیر بدر الدین بدر عالم

**حالات:** آپ کا پورا نام بدرالدین بدر عالم زاھدی ھے[۱]، حضرت بدر پیر کا نام مختلف درگاھوں سے موسوم ھے، چٹاگنگ میں بخشی بازار کے دکھن کی طرف سرکاری راستے کے پورب کی جانب جو چٹان واقع ھے، اس پر ایک درگاہ ھے جو بدر عالم، بدر مقام،، بدر اولیا، بدر شاہ اور بدر پیر کے نام سے مشہور ھے۔ اسی نام سے ایک مزار چھوٹی درگاہ بہار میں واقع ھے۔ اسی طرح ضلع بردوان کے موضع کلنا میں دو مزار ھیں، ان میں سے ایک مزار بدر صاحب کا مشہور ھے۔

مشرق بنگال کے ڈسٹرکٹ گزیٹیر چٹاگنگ کے صفحہ ۹ پر ھے کہ

فتح آباد شہر کا نظارہ انسان کے دل کی اس تمنا کو پورا کر دیتا ھے جو اس کو دیکھنا چاھتا ھے۔ اس شہر کو بہتر طور پر چٹی گراما کے نام سے جانتے ھیں۔ خوبصورتی کے لحاظ سے یہ شہر مثل امراوتی کے ھے اور اس میں بہت سے پاک باز اور ایماندار لوگ بستے ھیں، یہ سمندر کے کنارے دریائے کرنافلی کے ساحل پر واقع ھے، یہ آسمانی شہر ھے، یہ چاروں طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ھوا ھے، اور یہاں شاہ بدر عالم مدفون ھیں[۲]۔

---

۱- تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول۔ صفحہ ۶۴۔
۲- سوشل ھسٹری آف مسلم ان بنگال ص بحوالہ دسٹرکٹ گزیٹیر چٹاگانگ۔ ص ۹

موضع ہمت آباد ضلع دیناج پور میں بھی پیر بدرالدین کی ایک درگاہ ہے ، کہتے ہیں کہ یہاں آپ اس زمانے میں اسلام کی تبلیغ کے لیے تشریف لائے جب یہاں مہیشا نامی ایک ہندو راجا حکومت کرتا تھا ۔ اس ہندو راجا کے ظلم سے تنگ آ کر آپ نے سلطان علاء الدین حسین شاہ[1] سے امداد طلب کی ، اور سلطان کی مدد ملنے پر ہندو راجا کو شکست دی ، اور اس علاقے میں اسلام پھیلنے لگا ۔

لوگوں کے خیال کے مطابق سلطان علاء الدین کا تخت اور مہیشا کا محل ان کھنڈرات میں واقع ہے جو ہمت آباد کے بالکل قریب ہیں [2]۔

صاحب تذکرۂ اولیاء بنگالہ نے اپنی کتاب میں بحوالہ مراۃ الکونین حضرت شاہ بدر کے جو حالات دیے ہیں ہم انہیں یہاں مختصراً نقل کرتے ہیں ۔

حضرت بدرالدین بدر عالم زاہدی اصل آپ کا فیلقوسی اسکندری ہے ، اس میں اختلاف ہے کہ آپ کا نسب سادات سے ہے ۔

آپ کے بزرگوں میں سے ایک صاحب کو بادشاہ نے لاولدی کی وجہ سے اپنی فرزندی میں لیا تھا ۔ اس وقت سے آپ کا خاندان اسکندری کہلایا ۔

حضرت شہاب الدین امام مکی آپ کے جد امجد تھے ، الہام غیبی کی بنا پر حضرت نے اپنے صاحبزادے حضرت فخرالدین کو

---

۱ ۔ سلطان علاؤالدین کا نام علی مبارک تھا ، جو سلطان فخرالدین کو قتل کر کے بنگال کی مسند حکومت پر سلطان علاؤالدین کے لقب سے متمکن ہوا اس نے ایک سال اور پانچ ماہ حکومت کی تھی کہ حاجی الیاس نے سلطان علاؤالدین کے لشکر کو اپنے ساتھ ملا کر سلطان علاؤالدین کو قتل کر کے ۷۴۱ھ—۱۳۴۰ء میں اپنے قبضے میں لے آیا ۔ (ماخوذ از تاریخ فرشتہ اردو جلد دوم ص ۳۷۹—۳۸۰) ۔

۲ ۔ سوشل ہسٹری آف بنگال بحوالۂ بنگال دسٹرکٹ گزیٹیر دیناج پور ص ۳۰ شائع شدہ ۱۹۱۲ ۔

ہندوستان جانے کی اجازت دی ، وہ اس مقام پر جہاں اب شہر میرٹھ آباد ہے تشریف لائے ، اور ایک جنگل میں قیام فرما کر یاد الہی میں مشغول ہو گئے ۔ رفتہ رفتہ سلطان عہد بھی آپ کا مرید ہوا ، پھر بہت سے لوگ اس جنگل میں آباد ہوئے ، شاہ فخرالدین کے صاحبزادے حضرت شہاب الدین نامی ہوئے جو بادشاہ کے ہاتھ سے شہید ہوئے ......... حضرت شہاب الدین کے پانچ صاحبزادے ہوئے ، حضرت بدرالدین سب سے چھوٹے تھے ......

حضرت بدر الدین جب تحصیل علوم ظاہری و باطنی سے فارغ ہوئے اور حضرت فخر الدین ثانی نے اپنے بڑے صاحبزادے شاہ صدرالدین صدر عالم کو جون پور کی ولایت دی ، آپ کو بھی بہار و بنگالہ تا لب دریائے شور کی ولایت عنایت کی ، آپ نے اس طرف کا قصد فرمایا وہ زمانہ حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کا تھا ، آپ نے اپنے والد سے عرض کیا ، انھوں نے فرمایا تم ان کو خط لکھو ۔ چنانچہ آپ نے مخدوم الملک علیہ الرحمہ کی خدمت میں خط لکھا ، انھوں نے دعا دی اور فرمایا کہ پھرتے ہوئے آؤ ، اس جواب کو پا کر آپ مع تین چار سو درویشوں کے بنگالہ کی طرف روانہ ہوئے ، اور چاٹگام میں وارد ہو کر لب دریائے شور ایک حجرہ بنا کر یاد الہی میں مصروف ہوئے.........

آپ کے حجرے کے سامنے ایک روز ایک جہاز تباہی میں پڑا ، نا خدا نے آپ کے حجرے کی طرف دیکھ کر کہا کہ اگر جہاز تباہی سے بچ گیا تو ایک ربع مال اس گوشہ نشین کی نذر کروں گا ، چنانچہ جہاز کنارے آ لگا ، نا خدا نے تھوڑا مال حضور میں لا کر پیش کیا ، آپ نے فرمایا بے محنت جہاز کنارے نہیں آتا ، نا خدا اس کرامت کو دیکھ کر نہایت متحیر ہوا ، اور اپنے فعل پر بے حد نادم ہوا اور ربع مال لا کر حاضر کیا ، آپ نے اسی وقت وہ تمام مال درویشوں کو ایثار کر دیا[1] ۔

---

۱ ۔ تذکرۂ اولیائے بنگالہ ، حصہ اول ، صفحہ ۷۰ — ۷۱

شاید یہی وجہ ہے کہ مشرقی پاکستان کے ملاح آج بھی پیر بدر کا نام لیتے ہیں ، جب ان کا جہاز یا کشتی کسی خطرے سے دو چار ہوتی ہے ، یا وہاں کے مانجھی طوفانی ندیوں میں گھر جاتے ہیں تو پکارتے ہیں اللہ نبی ، پنج پیر بدر بدر[۱] !

صاحب تذکرہ اولیائے بنگالہ نے لکھا ہے کہ :

آج تک چاٹگام میں یہ دستور جاری ہے کہ کشتی چھوڑتے وقت آپ کے نام سے وسیلہ جوئی کرتے ہیں[۲] -

تذکرۂ اولیائے بنگالہ میں ہے کہ بعد وصال حضرت مخدوم الملک شرف الدین احمد یحیٰ منیری علیہ الرحمہ کہ بماہ شوال ۷۸۲ھ — ۱۳۸۰ء میں ظہور میں آیا ، آپ بہار شریف تشریف لائے -

منقول ہے کہ حضرت مخدوم الملک نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرا مخدوم زادہ آئے گا ، مزار شریف آپ کا بہار شریف میں ہے ، کرامات آپ کے مشہور ہیں[۳] -

عام طور پر ایک غیر مستند روایت مشہور ہے کہ پیر بدر الدین چاٹگام میں پتھر کے ایک بہتے ہوئے ٹکڑے پر تشریف لائے ، چاٹگام اس وقت بھوت پریت کا مسکن تھا ، اور انسان کا رہنا وہاں مشکل تھا - آپ نے ان بھوت پریت سے ایک چراغ جلانے کے لئے جگہ مانگی ، جس کی اجازت انھوں نے دے دی - جب وہ چراغ جلایا گیا تو اس کی روحانی طاقت اس قدر زبردست تھی کہ وہ بد روحیں گھبرا گئیں - علاقائی بولی میں اس چراغ کو چاٹی کہتے ہیں ، اور لوگوں کا خیال ہے کہ چٹی گراما کا اصل وہ بدر پیر کا چراغ ہی ہے -

چاٹگام شہر میں ایک پہاڑی بھی ہے جس کو چٹی پہاڑ کہتے ہیں ،

---

۱ - مسلم بنگالی ادب ، صفحہ ۳۳

۲ - تذکرۂ اولیائے بنگالہ ، حصہ اول ، صفحہ ۷۱ ، بحوالہ مراۃ الکونین

۳ - ایضاً ، صفحہ ۷۱

ایک روایت کے مطابق پیر بدر نے اپنا چراغ اسی جگہ جلایا تھا ، آج بھی ہندو مسلم وہاں قندیلیں جلاتے ہیں اور وہاں رات کو قندیلیں جلتی رہتی ہیں۱ -

ان واقعات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مختلف مقامات کے پیر بدر ایک ہی بزرگ تھے ، یعنی پیر بدر الدین بدر عالم ، قیاس غالب یہ ہے کہ آپ نے ان تمام مقامات کا دورہ کیا تھا ، اور جہاں جہاں آپ نے دورہ کیا تھا وہیں وہیں آپ کی خانقاہیں بن گئیں ، اور یہ روایتیں مشہور ہو گئیں۲ -

**وفات :** تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول میں بحوالہ مراۃ الکونین منقول ہے کہ حضرت مخدوم شاہ بدر الدین عالم نے ۸۴۴ھ — ۱۴۴۵ء میں وفات پائی۲ - آپ کا مزار بہار شریف میں ہے ، اور آپ کی اولاد میں نواب عبدالجبار خان کا خاندان بہت مشہور ہے ، اور چند خاندان موضع چوکی قتال پور علاقہ سیوان ، ضلع سارن چھپرہ صوبہ بہار میں بھی ہیں ، شاہ مظہر حسین ابن شاہ ظاہر حسین حضرت پیر بدر کے سجادہ نشین ہیں۳ -

**اولاد :** تذکروں میں پیر بدر کی ایک صاحبزادی کا پتہ چلتا ہے ، جن کا نام بی بی ابدال تھا ، اور جو بڑی با کمال ، عابدہ ، زاھدہ ، صاحب کشف و کرامات خاتون تھیں۴ -

**ڈاکٹر انعام الحق کی تحقیق :** ھسٹری آف صوفیزم ان بنگال اور بنگالی ادب میں بنگال کے مشہور محقق اور عالم ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر

---

۱ - سوشل ھسٹری آف مسلم ان بنگال بحوالہ ایسٹرن بنگال گزیٹیر چٹاگانگ صفحہ ۵۶ — ۵۷

۲ - مسلم بنگالی ادب ، صفحہ ۳۱

۳ - تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول ، صفحہ ۷۲

۴ - ایضاً صفحہ ۷۲ بحوالۂ مراۃ الکونین

راج شاہی یونی ورسٹی نے شاہ بدر کے متعلق جو تفصیلات دی ہیں ہم انہیں ذیل میں نقل کرتے ہیں ، ان کا بیان ہے کہ :

" یہ عظیم المرتبت صوفی ضلع چاٹگام سے تعلق رکھتے ہیں ، آپ کا پورا نام کسی کو معلوم نہیں ، عام طور پر آپ بدر شاہ ، بدر پیر اور بدر کے نام سے موسوم ہیں ، ان جلیل القدر صوفی کا نام چاٹگام کے ضلع میں اسلام کی تبلیغ کا مرادف سمجھا جاتا ہے، عام طورپر یہ روایت مشہور ہے کہ پیر بدر اب سے پانچ چھ سو سال پہلے ایک بڑے پتھر پر بہتے ہوئے چاٹگام میں آکر اترے ، اس وقت یہاں جنوں کی حکومت تھی ، آپ پہلے صوفی ہیں جنھوں نے چاٹگام میں اسلام کی تبلیغ شروع کی ، اور مکسوں سے جنھیں لوگ جنوں سے تعبیر کرتے ہیں اہل شہر کو نجات دلائی ، مکس وہ اراکانی ڈاکو تھے جو وقتاً فوقتاً چاٹگام کے علاقے میں داخل ہوکر اہل شہر پر طرح طرح کے مظالم روا رکھتے تھے ، مویشیوں کو ہنکا لے جاتے ، لہلہاتی کھیتیوں کو تباہ کرتے ، اور شہر کو تاخت و تاراج کرتے تھے ، حالانکہ چاٹگام اس وقت ہندوؤں کے زیر اقتدار تھا ، لیکن اس کے باشندے ان اراکانی ڈاکوؤں کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے ۔

تاریخی اعتبار سے سلطان فخر الدین مبارک شاہ (۱۳۳۹ء — ۱۳۴۴ء) کا جرنیل قادل خاں پہلا مسلمان فاتح ہے جس نے ۱۳۴۰ء میں چاٹگام کو فتح کر کے اسلامی مملکت میں داخل کیا ، کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک دوست نے چاٹگام میں چتس واری کے بت کو منہدم کر کے اپنی تبلیغی کوششوں سے سارے شہر کو مسلمان کر دیا ، قادل خاں کا دوست کون تھا ، اس کا نام کسی تاریخ اور تذکرے میں نہیں ملتا ، لیکن قیاس چاھتا ہے اور بعض روایتوں سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ دوست سوائے پیر بدر کے اور کوئی نہیں ہو سکتا ، کیونکہ یہ بات ثابت ہے کہ پیر بدر نے اپنی تبلیغی کوششوں سے اہل چاٹگام کو مشرف باسلام کیا تھا ، اس کے علاوہ پرانی بنگالی مطبوعات سے بھی یہ ثابت ہے کہ قادل خاں غازی چاٹگام کا پہلا مسلم فاتح ہے ، اور پیر بدر اس کے ساتھیوں میں تھے ۔

پیر بدر کے حالات کی مختلف روایتوں کو تحقیقی طور پر غور کرنے کے بعد یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ۱۳۴۰ء-۷۴۱ھ میں جب کہ قادل خاں نے چاٹگام کو فتح کیا پیر بدر چاٹگام میں موجود تھے۔"

ڈاکٹر انعام الحق نے ھسٹری آف صوفیزم ان بنگال میں پیر بدر کی تاریخ وفات اور مزار پر بحث کرتے ہوئے لکھا ھے کہ پیر بدر کی تاریخ وفات کا تعین مشکل ھے ، انھوں نے ان کا مزار چاٹگام کے مشہور بازار بخشی بازار کے جنوب میں بتاتے ہوئے لکھا ھے کہ آپ کا مزار چاٹگام کے ہر مذھب و ملت کے لوگوں کی زیارت گاہ ھے۔

لیکن تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول میں بحوالۂ مراۃالکونین منقول ھے کہ حضرت مخدوم شاہ بدرالدین بدر عالم نے ۸۴۴ھ-۱۴۴۵ء میں وفات پائی ، آپ کا مزار بہار شریف میں ھے ، اور آپ کی اولاد میں نواب عبدالجبار خان بہادر کا خاندان بہت مشہور ھے ، اور چند خاندان موضع چوکی قتال پور علاقہ سیوان ضلع سارن چھپرہ صوبۂ بہار میں بھی ھیں ، شاہ مظہر حسین ابن شاہ ظاہر حسین حضرت پیر بدر کے سجادہ نشین ھیں ۱۔

---

۱ - تذکرہ اولیائے بنگالہ صفحہ ۲۷

(۱۳)

# سلطان بایزید بسطامی

**حالات :** بنگال کی تاریخ تصوف میں سلطان بایزید بسطامی کا نام اکثر آتا ھے ، نصیر آباد قصبے میں جو چٹگانگ سے ۵ میل کے فاصلے پر واقع ھے وھاں ایک پہاڑی پر ایک مزار واقع ھے ، اسی کے ساتھ ایک مسجد بھی ھے ، اس مزار پر زایرین کا ھجوم رھتا ھے ، مزار پر کوئی کتبہ موجود نہیں لیکن مزار کی تعمیر سے پتہ چلتا ھے کہ یہ عمارت اوائل عہد مغلیہ کی ھوگی ، عوام اسے سلطان بایزید بسطامی کا مزار بتاتے ھیں ۔

مسجد کے قریب ایک تالاب ھے ، اس تالاب میں گجر مچھلیاں اور کچھوے کثرت سے پائے جاتے ھیں ، ان مچھلیوں اور کچھوؤں کے متعلق بھی عجیب عجیب روایتیں بیان کی جاتی ھیں ، مسجد کے متعلق کچھ جائداد وقف ھے ، جس کا انتظام آج بھی ایک ادارے موسومہ چٹگاؤں انڈاومنٹ کمیٹی کے سپرد ھے ۔

بعض وہ لوگ جو اس مزار کو اھمیت دیتے ھیں ان سب کا اس پر اتفاق ھے کہ سلطان بایزید بسطامی نے اگرچہ یہاں وفات نہیں پائی ، لیکن وہ اس دور میں یہاں تشریف لائے جب یہ علاقہ گھنا جنگل تھا ، اور یہاں درندے اور جنگلی جانور رھتے تھے ، انھوں نے یہاں قیام فرما کر ریاضتیں اور مجاھدے کیے تھے ۱۔

لیکن ھماری رائے میں تاریخی نقطۂ نظر سے نہ یہ سلطان بایزید بسطامی

---

۱ ۔ ماخوذ از ھسٹری آف صوفیزم ۔ باب ھشتم ۔ مرتبہ ڈاکٹر انعام الحق

کا مزار ہے اور نہ ان کا بنگال میں تشریف لانا کسی تاریخ و تذکرے سے ثابت ہے ۔

حضرت سلطان بایزید بسطامی کے متعلق ہمیں جس قدر معتبر تذکروں میں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ طبقۂ اولیا کے صوفیہ میں ہیں ، ان کا نام طیفور بن عیسیٰ بن آدم بن سروشان ہے ، ان کے دادا گبر (آتش پرست) تھے ، جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے ، حضرت بایزید بسطامی احمد خضرویہ۱ ، ابوحفص۲ اوریحی معاذ۳ کے ہمعصر تھے ،

---

۱ - احمد بن خضرویہ کی کنیت ابوحامد ہے ، آپ اکابر مشائخ خراسان میں ہیں، بلخ کے رہنے والے تھے، شیخ ابوتراب نخشبی اور حاتم اصم کی صحبت میں رہے تھے ، اور انہوں نے حضرت ابراہیم ادھم کو دیکھا تھا ، اور دوران سفر حج میں نشا پور حضرت ابو حفص کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے ، اور بسطام میں حضرت بایزید بسطامی سے بھی ملاقات کی تھی ۔
احمد بن خضرویہ نے ۲۴۰ھ — ۸۵۴ء میں وفات پائی ، ان کا مزار بلخ میں ہے (نفحات الانس - ص ۵۷ نولکشور ایڈیشن)

۲ - ابوحفص حداد کا نام عمرو بن سلمہ ہے ، جو نیشا پور کے کسی گاؤں کے رہنے والے تھے، صوفیا کے طبقہ اولیا سے تعلق رکھتے تھے، اپنے وقت کے یگانۂ روزگار شیوخ میں تھے ، شاہ شجاع کرمانی نے ان سے اپنی نسبت درست کی تھی ، احمد خضرویہ اور حضرت بایزید کے رفقاء میں تھے ، عبداللہ مہدی سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا اور ان کی صحبت میں رہے تھے ، اکثر کے قول کے مطابق انہوں نے ۲۶۴ھ — ۸۷۷ء میں اور بعضوں کے قول کے مطابق ۲۶۷ھ — ۸۸۰ء میں اور امام عبداللہ یا فعی کی تاریخ کے مطابق ۲۶۵ھ — ۸۷۸ء میں وفات پائی (ماخوذ از نفحات الانس ص ۶۱)

۳ - یحی بن معاذ رازی کی کنیت ابو زکریا ہے ، صوفیہ کے طبقۂ اولیا سے تعلق رکھتے ہیں ، واعظ یوسف بن حسین رازی کا بیان ہے کہ میں
(باقی حاشیہ صفحہ ۹۳ پر)

انھوں نے حضرت شقیق بلخی[1] کو بھی دیکھا تھا۔

ان کی جلالت اور عظمت کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ سید الطائفہ

---

(صفحہ ۹۲ کا بقیہ حاشیہ)

ایک سو بیس شہروں میں علماء، حکماء اور مشائخ کی زیارت کے لیے گیا، لیکن میں نے یحی بن معاذ رازی سے زیادہ کسی کو بات کرنے پر زیادہ قادر نہیں پایا۔

اہل تاریخ کا بیان ہے کہ یحی بن معاذ بلخ چلے گئے تھے، وہاں ایک مدت تک رہے، پھر نیشا پور لوٹ آئے، اور وہیں انھوں نے ۲۵۸ھ — ۸۷۱ء میں وفات پائی (ماخوذ از نفحات الانس - ص ۵۸-۵۹)

۱ - حضرت شقیق بن ابراھیم بلخی کی کنیت ابو موسیٰ ہے، صوفیہ کے طبقۂ اولیٰ سے تعلق رکھتے ہیں، امام زفر کے شاگرد ہیں، اور بلخ کے قدیم مشائخ میں تھے، حضرت حاتم اصم اور حضرت ابراھیم ادھم بلخی کی صحبت میں رہتے تھے۔

ایک دفعہ انھوں نے حضرت ابراھیم ادھم سے پوچھا کہ معاش کے بارے میں تمھارا کیا رویہ ہے؟ حضرت ابراھیم ادھم نے جواب دیا کہ جب ہمیں معاش حاصل ہوتی ہے تو ہم شکر کرتے ہیں، اور جب نہیں ملتی تو صبر کرتے ہیں، حضرت شقیق نے ان کا یہ جواب سن کر کہا کہ یہ تو خراسان کے کتے بھی کرتے ہیں، حضرت ابراھیم ادھم نے ان سے پوچھا کہ اس مسئلہ میں تمھارا کیا طریقہ ہے، انھوں نے جواب دیا جب ہمیں معاش حاصل ہوتی ہے تو ایثار کرتے ہیں، اور جب نہیں ملتی تو شکر کرتے ہیں۔ حضرت ابراھیم ادھم نے ان کا یہ جواب سن کر ان کے سر کو بوسہ دیا، اور فرمایا تم آستاد ہو۔

بلخ کی بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت شقیق ۱۷۴ھ — ۷۹۰ء میں ولایت ختلان میں شہید کیے گئے، اور ان کی قبر وہیں ہے۔ (ماخوذ از نفحات الانس - صفحہ ۵۱ - ۵۲)

حضرت جنید بغدادی[1] نے ان کے متعلق فرمایا کہ بایزید ہم میں اس طرح ہیں جیسے ملائکہ میں جبریل -

---

۱ - سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی کی کنیت ابوالقاسم ، لقب سید الطائفہ ، طاؤس العلماء ، قواریری ، زجاج اور خزاز ہے ، قواریری اور زجاج آپ کو اس لیے کہتے ہیں کہ آپ کے والد آبگینہ فروش تھے ، تاریخ یافعی میں ہے کہ آپ خز کا کام کرتے تھے ، اس لیے آپ کو خزاز کہتے تھے -

حضرت جنید بغدادی کے بزرگ اگرچہ نہاوند کے رہنے والے تھے ، لیکن آپ کی ولادت بغداد میں ہوئی ، مذہب میں ابوسفیان ثوری کے پیرو تھے ، سفینۃ الاولیاء میں ہے کہ آپ حضرت سرمی سقطی سے بیعت تھے ، اور ان کے بھانجے بھی تھے ، حارث محاسبی اور محمد قصاب کی صحبت میں بھی رہے ، اور ان کے شاگرد بھی تھے -

ردیم ، ابوالحسن نوری ، شبلی اور خزار ، جیسے اکابر صوفیاء آپ کی طرف اپنے سلسلوں کی نسبت کر کے درست کرتے تھے -

ابوالعباس عطا کہا کرتے تھے کہ علم میں ہمارے امام اور ہمارے مرجع اور مقتدیٰ جنید بغدادی ہیں ، آپ سے نسبت رکھنے والوں کو جنیدیہ کہتے ہیں -

ایک دفعہ ردیم سے خلیفہ بغداد نے کسی بات پر خفا ہو کر کہا کہ اے بے ادب ! انھوں نے فوراً جواب دیا کہ میں کیسے بے ادب ہو سکتا ہوں ، حالانکہ میں نصف دن حضرت جنید بغدادی کی صحبت میں رہا ہوں ، یعنی یہ مشہور تھا کہ جو بھی آپ کی صحبت میں آدھے دن رہا اس سے بے ادبی ناممکن ہے -

شیخ ابوجعفر حداد کہا کرتے تھے کہ اگر عقل کسی انسان کے صورت میں ہوتی تو جنید بغدادی کی صورت میں ہوتی -

کہا جاتا تھا کہ صوفیاء میں تین فرد ایسے ہیں کہ پھر چوتھا

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۵ پر)

دارا شکوہ۱ نے سفینۃالاولیاء میں ان کا سنہ وفات ۱۵ شعبان ۲۶۱ھ — ۸۷۴ء لکھا ہے اور اسی کو معتبر بتایا ہے ۔ نفحات الانفس میں مولانا جامی۲ نے ان کا سنہ وفات ۲۶۱ھ — ۸۷۴ء اور ایک روایت کے

---

(صفحہ ۹۴ کا بقیہ حاشیہ)

ان جیسا پیدا نہیں ہو سکا ، جنید بغداد میں ، ابو عبداللہ جلاء شام میں ، ابو عثمان حیری نیشا پور میں ۔

کتاب الطبقات اور رسالہ قشیریہ میں حضرت جنید بغدادی کا سنہ وفات ۲۹۷ھ — ۹۰۹ء مذکور ہے ، تاریخ یافعی میں آپ کا سنہ وفات ۲۹۸ھ — ۹۱۰ء درج ہے ، اور بعض کہتے ہیں کہ آپ نے ۲۹۹ھ — ۹۱۱ء میں وفات پائی ۔

(ماخوذ از نفحات الانس ۔ صفحہ ۸۱ - ۸۲ و سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شاہ سید الطائفہ جنید بغدادی)

۱ ۔ دارا شکوہ ، شاھجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا ، جو اپنی دو بہنوں حورالنساء اور جہاں آرا بیگم کے بعد ۲۱ روز شنبہ ۱۰۲۴ھ — ۱۶۱۵ء کو بانو بیگم المخاطب بہ ممتازمحل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر تال پیدا ھوا، ابوطالب کلیم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی ع
”گل اولین گلستان شاہی“ (۱۰۲۴ھ)

اس کا علمی مرتبہ بہت بلند تھا ، تصوف سے اس کو غیرمعمولی دلچسپی تھی ، اور صوفیاء سے دلی عقیدت رکھتا تھا ، اس کی تصانیف جن کا اس وقت تک پتہ چل سکا ہے ، حسب ذیل ھیں :

(۱) سفینۃ الاولیاء (۲) سکینۃ الاولیاء (۳) رسالہ حق نما (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (۵) مجمع البحرین (۶) سر اکبر (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض دارا شکوہ (۹) دیوان داراشکوہ (۱۰) دیباچہ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) نادرالنکات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) مکاتیب ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۶ پر)

مطابق ۲۳۴ھ — ۸۴۸ء بتایا ھے ، لیکن پہلی روایت کو ترجیح دی ، ان کا مزار مبارک بسطام میں ھے ۔

یہ بھی ممکن ھے کہ یہ مزار کسی اور بزرگ کا ھو اور ان کا نام بھی بایزید بسطامی ھو ۔

---

(صفحہ ۹۵ کا بقیہ حاشیہ)

۲۱ ذالحجہ ۱۱۶۹ھ کو دارا شکوہ اپنے بھائی عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا ، سیف خاں ، نظر بیگ چیلہ اور بعض دوسرے لوگوں نے اسے قتل کیا ، اور ھمایوں کے مقبرے کے تہہ خانے میں جس میں شہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد مدفون ھیں دفن کیا گیا ۔

" عمل صالح " میں ھے کہ اسی لباس میں دفن کیا گیا ، جو قتل کے وقت اس کے جسم پر تھا ۔ (ماخوذ از فٹ نوٹ مقالات الشعرا بضمن قادری ۔ صفحہ ۵۰۴ تا ۵۱۰)

۲ ۔ آپ کا نام عبدالرحمن لقب عمادالدین ، اور مشہور نورالدین سے تھے ، تخلص جامی فرماتے تھے۔ آپ کے والد کا نام نظام الدین (خرجردی ۔ جام) تھا ، مولانا جامی کی ولادت ۸۱۷ھ میں ھوئی ، اور ۸۹۸ھ میں آپ نے وفات پائی ، علوم ظاھری کی تکمیل کے بعد خواجہ سعدالدین کاشغری کے دست حق پرست پر بیعت کی ، پھر خواجہ ناصرالدین عبیداللہ احرار نقشبندی سے روحانی استفادہ کیا ۔

آپ کی تصانیف میں سلسلۃ الذھب ، سلامان و ابسال، تحفۃالاحرار ، سبحۃ الابرار ، یوسف زلیخا ، لیلیٰ مجنوں ، خرد نامہ اسکندری ، دیوان جو تین حصوں میں ھے ، نقد النصوص فی شرح نقش الفصوص ، نفحات الانس ، لوائح ، لوامع ، شواھدالنبوۃ ، اشعۃ اللمعات ، اور بھارستان وغیرہ مشہور ھیں (فٹ نوٹ مقالات الشعرا صفحہ ۵ نمبر ۲ ، وخزینۃ الاصفیاء ۔ جلد اول صفحہ ۵۸۶)

(۱۴)

## بہرام سقا بردوانی

**حالات :** بہرام سقا بردوانی ایک صاحب دل صوفی اور فارسی کے عظیم المرتبت شاعر تھے ۔ ان کا سلسلۂ نسب بخارا کے چغتائی ترکوں سے ملتا ہے ، ان کی عادت تھی کہ وہ مسافروں ، زائروں اور حاجیوں کو فی سبیل اللہ پانی پلاتے تھے، اور مجذوبانہ زندگی بسر کرتے تھے ، مشہور ہے کہ جب ہمایوں۱ نے ۱۵۴۶ء ــ ۹۵۳ھ میں اکبر۲ کی رسم ختنہ پر قندھار

۱- نصیرالدین ہمایوں ، بابر کا لڑکا تھا ، جو ماہم بیگم کے بطن سے ۴ ذیقعدہ ۹۱۳ء ــ ۱۵۰۷ء کو قلعہ ارک کابل میں پیدا ہوا ، فنون حربیہ اور سیاست کے علاوہ ترکی اور فارسی لغت ، علم ہیئت ، ہندسہ علم نجوم ، شعر کی تعلیم حاصل کی ، وہ مطالعہ اور علم سے بہت ذوق رکھتا تھا ۔

اپنے والد کی وفات کے بعد ۹۳۷ھ ــ ۱۵۳۰ء میں تخت شاہی پر بیٹھا۔ ۹۴۷ھ ــ ۱۵۴۰ء شیرشاہ سوری سے شکست کھا کر لاہور سے سندھ آیا، یہیں عمر کوٹ میں ۹۴۹ء ــ ۱۵۴۲ء میں اس کا لڑکا اکبر پیدا ہوا ۔ یہاں بھی دال نہ گلی تو چند رفیقوں کے ساتھ سیستان کے راستے شاہ ایران کی پناہ لی ۔ کابل میں اس کا بھائی کامران اور قندھار میں اس کا دوسرا بھائی عسکری حکمران تھے ، مگر یہ دونوں برادران یوسف ثابت ہوئے ۔ آخر اس نے دس ہزار ایرانی قزلباش ساتھ لے کر پہلے قندھار کو فتح کیا پھر کابل و بدخشان پر قبضہ جمایا ، جب ہند و

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۸ پر)

میں جشن منایا ، اسی زمانے میں ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوئی ، ہمایوں اپنی جلاوطنی کے بعد جب دوبارہ ھندوستان کا بادشاہ ہوا تو یہ اسی زمانے میں ھندوستان آئے ۔ اکبر کے عہد حکومت میں وہ آگرہ میں

---

(صفحہ ۹۷ کا بقیۂ حاشیہ)

پاکستان میں دوبارہ ھمایوں کی سلطنت کا آفتاب طلوع ہوا ، ھمایوں نے پنجاب کو فتح کر کے سکندر شاہ سوری سے آگرے کو لے لیا ۔

۹۶۳ھ — ۱۵۵۵ء میں ھمایوں نے زینے سے گر کر وفات پائی ، ع

" ھمایوں بادشاہ از بام افتاد " سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

(ماخوذ از تاریخ پاکستان و بھارت و فٹ نوٹ مقالات الشعرا ص ۵۸۱ )

۲- جلال الدین محمد اکبر بادشاہ شب یکشنبہ ۵ رجب ۹۴۹ھ میں قلعہ عمر کوٹ ( سندھ ) میں پیدا ہوا جب کہ ھمایوں تسخیر ٹھٹھہ کے ارادے سے سندھ میں مقیم تھا ، اکبر کی ولادت کے وقت ھمایوں عمر کوٹ سے چار فرسخ کے فاصلے منزل گزین تھا کہ اس کو اکبر کی پیدائش کی اطلاع دی گئی ، افسوس ہے کہ راجا رانا پرشاد کا وہ قلعہ جس میں اکبر پیدا ہؤا تھا ، میاں نور محمد کلھوڑا والی سندھ نے اس کو منہدم کرا دیا ، اور اس نے اس قلعے سے ایک میل کے فاصلے پر ۱۱۵۹ھ میں ایک دوسرا قلعہ تعمیر کرایا ، لیکن قلعۂ قدیم میں وہ جگہ اب تک بطور یادگار محفوظ و قائم ہے جہاں اکبر پیدا ہؤا تھا ۔ اس یادگار پر ایک سنگی کتبہ موجود ہے ، اس کتبۂ سنگی پر سید ھاشم شاہ (کیجراری) نے ۱۸۹۸ء میں ایک قبہ تعمیر کرا دیا تھا ، جو اب بھی موجود ہے (۹۴۹ھ اکبر نامہ ۔ ص ۴۷ ۔ و تاریخ ریگستان ۔ ص ۱۱۷) ۹۶۳ھ — ۱۵۵۶ء میں اکبر کی تاج پوشی کلانور ضلع گورداس پور میں ہوئی ، اس وقت اکبر کی عمر پورے چودہ سال کی بھی نہ تھی ، اس لیے بیرم خاں اس کا اتالیق و وکیل سلطنت مقرر ہوا ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۹ پر)

تھے ، ملا عبدالقادر بدایونی صاحب [1] منتخب التواریخ ان کے حالات کے ضمن میں لکھتے ھیں کہ وہ اپنے چند مریدوں اور شاگردوں کے ساتھ اکبرآباد میں مفت پانی پلاتے پھرتے تھے ، اور ساتھ ساتھ شعر کہتے جاتے

---

(صفحہ ۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

اکبر نے جمادی الثانی ۱۰۱۴ء مطابق اکتوبر ۱۶۰۵ء وفات پائی ، ''الف کشیدہ ملائک ز فوت اکبر شاہ'' سے اس کی تاریخ وفات نکلتی ھے اور آگرے کے قریب سکندرے کے خوشنما مقبرے میں دفن کیا گیا (اکبر نامہ جلد ۳ ، ۸۳۲-۸۳۳)

۱ - ملا عبدالقادر بدایونی بن ملوک شاہ کا اگرچہ جدی وطن بدایوں تھا مگر وہ ۹۴۷ھ میں عہد شیر شاھی میں اجمیر کے قریب موضع بساور میں پیدا ھوئے - قرآن مجید کی تعلیم سنبھل میں سید محمد مکی سے حاصل کی ، ابتدائی علوم کی تعلیم اپنی والدہ کے دادا مخدوم محمد اشرف بساوری سے پائی ، اور قصیدۂ بردہ اور کنز الدقائق کے کچھ اسباق شیخ حاتم سنبھلی سے پڑھے ، پھر آگرے آئے اور بعض علوم میں مفتی ابوالفتح بن عبدالغفور تھانیسری سے اکتساب کیا ، پھر اکثر علوم کی تعلیم شیخ ابوالفضل کے والد شیخ مبارک سے حاصل کی ، اور بعض کتابیں قاضی ابوالمعالی حنفی سے پڑھیں ، ''بست باب فی الاصطرلاب'' میر تقی بن فارغی شیرازی سے پڑھے ، اور علوم دینیہ کے علاوہ ریاضی ، شعر ، موسیقی اور دوسرے فنون کی تعلیم مختلف علماء سے حاصل کی ، ایک مدت تک فیضی اور ابوالفضل کے ھمدرس رھے ، فارغ التحصیل ھونے کے بعد امیر حسن خاں والی اودھ کی ملازمت اختیار کی جو آن کے ساتھ نہایت تعظیم و اکرام سے پیش آتا تھا - ۹۸۱ھ میں اس کی ملازمت چھوڑ کر آگرے آئے ، اور جلال خاں قدرجی اور عین الملک کی سفارش پر اکبر کے درباری علماء میں شامل ھوئے - تھوڑے ھی عرصے میں ملا عبدالقادر بدایونی نے اکبر کی نظر میں وہ تقرب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۰ پر)

تھے ، اکبر کے ابتدائی عہد میں ان پر رفض کا الزام لگایا گیا ، انھوں نے اپنے اشعار میں اس کی تردید کی ، تاریخ نگاروں کا بیان ہے کہ وہ اسی سے بد دل ہو کر اکبر آباد چھوڑ کر چلے گئے -

**بردوان میں ورود :** ۱۵۶۲ء — ۹۷۰ھ میں وہ بردوان پہنچے ، اور وھاں پہنچنے کے تیسرے روز وفات پائی -

---

(صفحہ ۹۹ کا بقیہ حاشیہ)

حاصل کیا کہ اپنے بہت سے ھمعصر درباری علماء پر سبقت لے گئے ، اکبر نے آنھیں ھندی کتابوں کو فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ، چنانچہ آنھوں نے بھاون دکنی کی مدد سے اتھروید کو فارسی میں منتقل کرنا شروع کیا ، جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ اس کے اکثر احکام شریعت اسلامیہ کے مطابق ھیں ، لیکن وہ اس قدر دقیق سنسکرت میں تھی کہ بھاون دکنی بھی باوجود سنسکرت کا عالم ھونے کے ملا عبدالقادر کو اس کے مطالب و غوامض سمجھانے میں عاجز رھتا تھا ، ملا عبدالقادر نے اپنی معذرت اکبر کے سامنے پیش کی ، اکبر نے یہ کام فیضی کے سپرد کیا ، فیضی کے بعد اس ترجمے پر حاجی ابراھیم سرھندی مقرر ھوئے ، جنھوں نے اس کو مکمل کیا ، پھر مہابھارت اور رامائن کے ترجمے ملا کے سپرد ھوئے جن میں غیاث الدین قزوینی آن کے شریک کار تھے ، اس کے بعد جامع رشیدی کا انتخاب آن کے سپرد ھوا ، پھر بحرالاسماء کی تکمیل ان کے سپرد ھوئی ، جس کو سلطان زین الدین نے نامکمل چھوڑ دیا تھا ، ملا عبدالقادر نے پانچ ماہ میں اس کی تکمیل کی ، پھر تاریخ کشمیر مؤلفہ شاہ محمد شاہ آبادی کا خلاصہ لکھنے کا کام آن کے تفویض ھوا ، جس کی تکمیل انھوں نے دو ماہ میں کر دی ، پھر معجم البلدان کے دس اجزا عربی سے فارسی میں منتقل کیے ، تاریخ الفی کی ترمیم و تصحیح کی ، ان کے علاوہ ملا عبدالقادر بدایونی کی تصانیف میں اربعین فی فضل الجہاد ، نجات الرشید

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۱)

**شاعری :** ملا عبدالقادر کا بیان ہے کہ بہرام سقا نے اپنی شاعری کے بہت سے دیوان جمع کیے تھے لیکن جب ان پر جذب کی کیفیت طاری ہوتی تو انہیں دھو دیتے ہیں ، اس کے باوجود ان کے دیوان کے دو نسخے ایشیاٹک سوسائٹی کلکتے اور ایک نسخہ خدا بخش لائبریری بانکی پور میں موجود ہے ، نمونۂ کلام کے طور پر ہم ان کی ایک غزل ذیل میں پیش کرتے ہیں :

---

(صفحہ ۱۰۰ کا بقیہ حاشیہ)

من الصغائر والکبائر ، اور ان کی مشہور کتاب منتخب التواریخ جو تین جلدوں میں ہے اور ۱۰۰۴ھ میں مکمل ہوئی مشہور ہیں ، اسی تاریخ نے آن کے نام کو سب سے زیادہ روشن کیا ، ان کی تاریخ نویسی کا کمال یہ ہے کہ پڑھنے والے کے سامنے واقعات تصویر کی طرح آتے ہیں اور آسے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا وہ خود اس عہد میں موجود ہے ، ایک مؤرخ کی حیثیت سے وہ عہد اکبری کے بے باک ناقد ہیں ۔ آس دور کی شخصیتوں میں بہت کم لوگ بچ سکے ہیں جو ان کی کڑی تنقیدوں کا ہدف نہ بنے ہوں ۔ آن کی ان تنقیدوں سے اختلاف کیا جا سکتا ہے ، لیکن آن کے اسلوب بیان کی دلکشی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

ملا عبدالقادر نے ستاون سال کی عمر میں ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی ، ان کا مزار موضع عطا پور میں پختہ چبوترے پر واقع ہے ، یہ گاؤں بدایوں سے دو میل جانب مشرق اس سڑک پر واقع ہے جو داتا گنج کو جاتی ہے ، اس سڑک کے شمالی جانب یہ چبوترہ سڑک سے تھوڑے فاصلے پر واقع ہے ، ۱۹۳۷ء میں ملا عبدالقادر کے اس مزار کو بدایوں کے ایک وکیل مولوی اکرام عالم نے پختہ تعمیر کرایا ، ملا عبدالقادر کے کوئی اولاد نرینہ نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی ، اس لڑکی کی اولاد کا سلسلہ چلا ۔ (ماخوذ از نزھۃالخواطر جلد ۵ ، صفحہ ۲۳۷ تا ۲۴۱ و تذکرۃ الواصلین حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۲۱۴)

بے خود و مستم از محبت وے
محتسب چیست ایں ہمہ ہے ہے

میدهد یار بادہ زآں مے ناب
با اسیرانِ خویش بے در پے

دھنم را مبو و تلخ مگو
بتو بوئے نمی رسد زآں مے

بگذر از شیوۂ دل آزاری
پئے جود و جفا شدن تا کے

خوش بود ہائے و ہوئے مستاں ہم
نیم شبہا بہ یارب و با مے

زاھد و حافظانِ خوش آواز
باد دردے کشان و نالہ و نے

نزد سقا سفال فقر خوش است
کے کشد جام او بہ منت کے

ان کے کلام میں ہمیں اس دور کے معاشرے کی جھلکیاں بھی نظر آتی ھیں جن سے ہمیں اُن کے زمانے کے حالات کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ھے ، وہ اس زمانے کی خود غرضی اور نخوت کو اپنے تجربے کے آئینے میں عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ھیں :

در مردم ھند طرفہ حالیست
کس را بکسے سر سخن نیست

مستغرق حیرت اند یکسر
چنداں کہ مجال دم زدن نیست

سر مست ز بادۂ غرور اند
کس را خبرے ز خویشتن نیست

گفتم کہ سقاوۂ بسازم
در شہر کسے ممد من نیست

سقا چہ کنند حسن دریں کار
ایں از فلک است از حسن نیست

لاہور کے حکام کی سخت گیری کو نظم کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہر کہ در لاہر بنائے خیر سازد بعد ازیں
خون او در گردنش با او بگویم حال شہر

نا مرادے ساخت سقاخانہ و ہم مسجدے
ریسماں در گردنش مے افگند کوتوال شہر

طمطراق شحنۂ بازار و شیخ شہر ما
میکشد سقا نخوردہ یک درم از مال شہر

فارسی کے علاوہ انھوں نے اردو میں بھی طبع آزمائی کی ہے ، آن کی غزلوں میں ہمیں اردو کی ابتدائی نشو و نما کے سراغ ملتے ہیں ، فرماتے ہیں :

باز بند و بچۂ آہ دلم دھرتے ہے
کوچھ (کچھ) نا ھی جاتوں ، ازیں خستہ کیا کرتے ہے

چیں بر ابرو زدہ بر بستہ کتارہ بہ میاں
چل چل اے دل منگر تو چہ کنی مرتے ہے

چشم او طرفہ غزالیست کہ در باغ جناں
ہمہ ریحان و گل و سنبل تر چرتے ہے

ہاتھ مہندی لائیا دست فرو بردہ بخوں
کہ بسے کشتہ ز دستاں غمش مرتے ہے

بت من سرو سہی شرم ندارذ قدش
خویشتن را بہ چہ ردا نیمہ او برتے ہے

آنکہ مردم کش او دمبدم خون جگر
قدح چشم مرا از غم خود بھرتے ہے[1]

**مزار:** بہرام سقا کا مقبرہ بردوان میں ہے، اس کے احاطے میں نور جہاں[2] کے پہلے شوہر شیر افگن کی قبر ہے، دوسری قبر قطب الدین کی ہے جسے شیر افگن نے مارا تھا۔

---

۱ - بہرام سقا کے حالات کی یہ تفصیل رود کوثر صفحہ ۳۵۶ تا ۳۶۱ سے ماخوذ ہے۔

۲ - نور جہاں کا اصل نام مہرالنسا تھا، وہ ایک غریب الوطن ایرانی مرزا غیاث کی بیٹی تھی، شہزادہ سلیم اس کی طرف مائل تھا، شاید اسی بنا پر بادشاہ نے اس کی شادی ایک سردار علی قلی خاں سے کر دی تھی اور اسے بردوان کی جاگیر دے کر بنگال بھیج دیا تھا، جہانگیر کے دور میں قطب الدین خاں بنگالے کا صوبہ دار مقرر ہوا، کہا جاتا ہے کہ اس نے جہانگیر کے میلان طبع کا اشارۃً علی قلی خاں سے تذکرہ کیا، جس نے بہادری سے شیر مار کر شیر افگن کا خطاب پایا تھا، وہ اس کی تاب نہ لا سکا، اور قطب الدین خاں کو مار کر خود بھی شاہی سپاہیوں کے ہاتھ سے مارا گیا، ان دونوں کی قبریں بردوان میں ہیں، مہر النسا بیوہ ہو کر آگرہ آئی، اور دو تین سال کی سوگ واری کے بعد شاہی محل میں داخل ہوئی، بادشاہ کے نام (نور الدین) کی مناسبت سے پہلے نور محل خطاب ملا، پھر جہانگیری نسبت کی وجہ سے نور جہاں کہلائی، ۱۰۳۶ھ میں جہانگیر کشمیر جا رہا تھا کہ اس پر دمے کا دورہ پڑا، اور لاہور واپس آتے ہوئے راجوری کی منزل میں اس کا انتقال ہو گیا، صفر ۱۰۳۷ھ — ۱۶۲۷ء کو اس کی نعش لاہور لا کر دفن کی گئی، وزیر آصف جاہ نے نہایت چالاکی سے نور جہاں اور اس کے سوتیلے بیٹے شہریار کو نظر بند کر لیا، شہزادے اور دوسرے شہزادے جن سے رقابت کا اندیشہ تھا قتل کیے گئے، شہزادہ خرم ۱۰۳۷ھ —
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۵ پر)

**کتبہ :** بہرام سقا کی درگاہ کے اندرونی دروازے پر جو کتبہ (۹۷۰ھ — ۱۵۶۲ء) نصب ہے ، اس کی عبارت یہ ہے : یا اللہ یافتاح - یا اللہ - یافتاح - یا اللہ -

زہے درویش عالم گشتہ بہرام
کہ در عرفان دل او بود دریا

ز عالم رفت در راہ سراندیپ
شد از ملک فنا بہرام دانا

حساب سال فوت آں یگانہ
ز حق کردیم چو ”فتحی“ تمنا

ندا آمد کہ تاریخ وفاتش
بود درویش ما بہرام سقا

بہرام کہ بود شہرہ در سقائی، بی حیلۂ و زرق
بود عالم دینی و دنیائی ، نا خواندہ سبق

درنہصد و ہفتادبرفت از عالم،درکشور(ہند؟)
زد خیمہ انس بر در یکتائی ، شد واصل حق[۱]

---

(صفحہ ۱۰۴ کا بقیہ حاشیہ)

۱۶۲۸ء میں شاہجہان کے لقب سے تخت نشین ہوا ، نور جہاں اپنے شوہر کی مجاوری کرتی رہی ، آخر ۱۸ دسمبر ۱۶۴۵ء کو نور جہاں نے وفات پائی ، اور اس ملکہ کو اپنے تعمیر کردہ مقبرے میں دفن کیا گیا ، اس مقبرے کا شکستہ حال ڈھانچہ شاہدرے میں ریلوے لائن کے متصل واقع ہے -

(ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ، صفحہ ۵۰ تا ۵۱ و نقوش لاهور نمبر صفحہ ۶۸)

۱ - انسکرپشن آف بنگال ، تالیف شمس الدین ، صفحہ ۲۵۷

انسکرپشن آف بنگال میں ہے کہ مقبرہ بہرام سقا کے متولی کے پاس ایک دیوان تھا ، جسے وہ بہرام سقا کا دیوان بتاتا تھا ، اس دیوان کے ایک خالی ورق پر یہ عبارت مکتوب ہے :

تاریخ وصال حضرت حاجی الحرمین شریفین بہرام سقا کہ در سنہ نہصد و هفتاد واصل حق شد ۔ قطعہ از فتحی[۱]

---

۱ ۔ ایضاً صفحہ ۲۵۸

(۱۵)

## حضرت بایزید صوفی

**حالات :** حضرت با یزید صوفی بردوان کے رہنے والے تھے ، اور اپنے وقت کے اکابر صوفیاء میں تھے ، جب شہزادہ عظیم الشان۱ بن محمد معظم بہادر شاہ۲ خلعت خاصہ سے سرفراز ہو کر باغیوں کی سر کوبی کے لیے صوبہ داری بہار پر فائز کیا گیا تو وہ اپنے دونوں بیٹوں

---

۱ - شہزادہ عظیم‌الشان ، محمد معظم بہادر شاہ کا لڑکا تھا ، یہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ قابل اور اپنے والد بہادر شاہ اور اپنے دادا اورنگ زیب کا چہیتا تھا ، اس نے اورنگ زیب عالمگیر کے آغوش میں جہاں داری و جہانبانی کی تعلیم پائی تھی ، اور یہ بہت دن تک عالمگیر کا دبیر (سکریٹری) بھی رہا تھا ، وہ اپنے بھائیوں میں اگرچہ منجھلا تھا ، لیکن اس کے باپ کی زندگی میں شاہی فرمان اسی کے دستخط سے جاری ہوتے تھے ، ۱۶۹۷ء — ۱۱۰۹ھ میں عالمگیر نے اسے بنگال روانہ کیا ، پھر وہ بہار کی صوبہ داری پر نامزد ہوا ، پہلے وہ مونگیر میں رہا ، لیکن اسے وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی ، پھر وہ پٹنہ میں خوش آب و ہوا کی وجہ سے مقیم ہوگیا ، اس نے پٹنہ کے قلعے اور اس کی عمارتوں کو درست کرایا ، اور عالمگیر کے حکم سے اس کا نام ''عظیم آباد'' رکھا۔

جب اس کے والد بہادر شاہ کے مرنے پر ۱۱۲۴ھ — ۱۷۱۲ء میں اس کے بھائیوں میں وراثت کا جھگڑا کھڑا ہوا اور جنگ ہوئی
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۸ پر)

کریم الدین اور فرخ سیر کے ساتھ ولایت دکن سے بہار روانہ ہوا ، بہار پہنچ کر اس نے وہاں کے نظم و نسق کو درست کیا ، پھر اس نے بردوان میں فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دئے ، اور بردوان کو اپنا مسکن بنایا ، وہاں عمارتیں بنوائیں ، جامع مسجد تعمیر کی ، اور ہوگلی شاہ گنج عرف عظیم گنج کو اپنے نام سے آباد کیا ، وہاں کے علماء ،

---

(صفحہ ۱۰۷ کا بقیہ حاشیہ)

تو عظیم الشان فوجی جمعیت کے ساتھ اپنے بڑے بھائی کے مقابل ہوا ، قریب تھا کہ وہ اس جنگ میں کامیاب ہو جائے کہ اتفاق سے اس کے ہاتھی کے ایک توپ کا گولہ لگا ، اور وہ اندھا دھند بھاگا ، اور عماری سمیت دریائے راوی میں گر پڑا ، دریائے راوی نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے عظیم الشان کو اپنے آغوش میں لے لیا (ماخوذ از ریاض السلاطین صفحہ ۲۵۰ و تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت - جلد دوم صفحہ ۹ — ۱۰)

۲ - محمد معظم ، شاہ عالم بہادر شاہ اول اورنگ زیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا تھا ، عالمگیر نے اپنی زندگی میں اپنی سلطنت اپنے تین بیٹوں میں تقسیم کر دی تھی ، کابل سے بنگال تک شمالی ممالک اپنے بڑے بیٹے محمد معظم کے تفویض کیے تھے ، وسط ہند اور گجرات محمد اعظم کو دیے تھے ، اور جنوبی جزیرے نما کا حاکم اپنے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کو بنایا تھا ، باپ کی وفات کی خبر سنتے ہی ، محمد معظم اور کام بخش نے اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا ، اور اعظم نے دارالحکومت آگرہ پر حملہ کیا ، معظم اور اعظم کے درمیان مقابلہ ہوا ، یہ لڑائی شہر سے پندرہ میل دور جنوب میں سرائے باجو کے میدان میں ربیع الاول ۱۱۱۹ھ - ۱۸۰۷ء کو ہوئی ، اس جنگ میں محمد اعظم مارا گیا ، پھر محمد معظم نے کام بخش کو پیغام بھیجا کہ بیجاپور اور گولکنڈے کی سابقہ ریاستیں تمھارے حصے میں آئی ہیں ، تم شوق سے حکومت کرو ، لیکن خطبہ اور سکہ بادشاہ دھلی کا ہونا

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۰۹ پر)

صوفیہ اور صلحاء کی بے حد تعظیم و توقیر کی ، اس کی مجلس میں عموماً علوم فقہ و اصول فقہ ، احادیث اور مثنوی مولانا روم اور تاریخ کا تذکرہ رہتا تھا ، وہ درویشوں اور خدا پرستوں کی طرف بے حد مائل تھا ، اور آن سے حصول سلطنت کے لیے دعا کا طالب ہوتا تھا ۔

ایک روز اس نے اپنے دونوں بیٹوں سلطان کریم الدین اور محمد فرخ سیر کو حضرت بایزید صوفی کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ ان سے محل میں تشریف لانے کی استدعا کریں ، جب یہ دونوں لڑکے ان کی خدمت میں پہنچے تو حضرت بایزید صوفی نے مسنون طریقے کے مطابق ان کو سلام کیا ، سلطان کریم الدین نے جو شان شہزادگی میں مست تھا ، آن کے سلام کی طرف توجہ نہ دی ، لیکن فرخ سیر نیاز مندانہ آگے بڑھ کر تعظیم بجا لایا ، پھر نہایت ادب سے ان کے سامنے کھڑا رہا ، حضرت بایزید فرخ سیر کے ادب اور تمیز کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے ، اور اس سے فرمایا بیٹھ جاؤ تم ہندوستان کے بادشاہ ہو گے ، جتنی دیر وہ بیٹھا

---

(صفحہ ۱۰۸ کا بقیہ حاشیہ)

چاہیے ، اور سالانہ پیش کش جو یہ ریاستیں ادا کرتی تھیں ، آن میں فرق نہ آنا چاہیے ، لیکن کام بخش نے اس پیغام کا جواب خود سری سے دیا ، محمد معظم اسی ہزار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا ، معمولی لڑائی کے بعد ۱۱۱۹ھ - ۱۷۰۸ء میں کام بخش ایک کاری زخم کھا کر مارا گیا ، اور محمد معظم نے دکن کی صوبہ داری سپہ سالار ذوالفقار خاں کو دی ، پھر سکھوں نے شورش شروع کر دی ، ۱۱۲۱ھ - ۱۷۱۰ء میں یہ شورش رفع ہوئی ۔

محمد معظم ، شاہ عالم بہادر شاہ اول نے ستر اکہتر سال کی عمر میں جب کہ وہ لاہور آیا ہوا تھا ، محرم ۱۱۲۳ھ - ۱۷۱۲ء میں وفات پائی ، وہ نہایت نیک مزاج بادشاہ تھا ، لیکن اس میں مروت ، سادہ دلی اور نادانی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی ، لوگ ظرافت میں اس کو " بادشاہ بے خبر " کہتے تھے ۔ (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد دوم ، صفحہ ۲ تا ۹)

رہا حضرت بایزید صوفی اس کی طرف متوجہ رہے ، چنانچہ حضرت با یزید صوفی کی دعا نے در استجابت کوکھٹکھٹایا ، اور فرخ سیر[1] کے حسن ادب کا نتیجہ یہ ہوا کہ جو باپ چاھتا تھا ، وہ بیٹے کو ملا -

جب حضرت بایزید صوفی عظیم الشان کی ملاقات کے لیے اس کے محل میں گئے تو وہ ان کے استقبال کے لیے محل سے نکلا ، اور آن کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کر کے حسب عادت حصول سلطنت کا طالب ھوا ، حضرت بایزید صوفی نے فرمایا جو تم چاھتے ھو وہ پہلے ھی تمھارے لڑکے فرخ سیر کو دیا جا چکا ھے ، تیر کمان سے نکل چکا ھے ، وہ اب واپس نہیں ھو سکتا - پھر وہ فرخ سیر کے حق میں دعائے خیر کر کے واپس ھو گئے[2] -

---

۱ - فرخ سیر بن عظیم الشان بن شاہ عالم بہادر شاہ (مدت حکومت ۱۱۲۴ھ — ۱۷۱۲ء تا ۱۱۳۱ھ — ۱۷۱۸ء) کو سید حسن علی قطب الملک اور اس کے بڑے بھائی امیر الامرا سید حسین علی خاں نے تخت پر بٹھایا ، اور اس نے قطب الملک کو اپنا وزیر مقرر کیا ، آخر میں اس کے اور قطب الملک کے درمیان عداوت پیدا ھوئی ، قطب الملک نے اسے ۹ ربیع الاخر ۱۱۳۱ھ — ۱۷۱۸ء کو حرم سرا سے گھسیٹ کر قید خانے میں ڈالا ، پہلے فرخ سیر کو اندھا کرایا اور پھر اس کو قتل کرا دیا ، اس کی تاریخ وفات " فاعتبر وا یا اولی الابصار " سے نکلتی ھے - (ماخوذ از فٹ نوٹس مقالات الشعراء صفحہ ۳۰۳ — ۳۰۴ و تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ، جلد دوم ، صفحہ ۱۹)

۲ - حضرت صوفی با یزید کے یہ تمام حالات ریاض السلاطین ، صفحہ ۲۴۲ — ۲۴۳ سے ماخوذ ھیں -

( ١٦ )

## شاہ پیر

**حالات :** آپ کا اصل نام محمد یوسف تھا ، لیکن مشہور شاہ پیر سے تھے ، کہا جاتا ہے کہ آپ دھلی کے شاھزادے تھے ، لیکن جوانی ھی میں زھد و اتقا کی طرف مائل ھو کر عزلت نشین ھو گئے اور عرفان و سلوک کی منازل طے کر کے تصوف کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہوئے ، کچھ دن بعد آپ بنگال کے ایک قصبے سدکانیہ میں تشریف لائے ، اور اسی قصبے میں سکونت پذیر ھو کر آپ آخر عمر تک اشاعتِ اسلام اور رشد و ھدایت میں مصروف رہے ، یہاں تک کہ وفات کے بعد سدکانیہ ھی آپ کی آخری آرام گاہ بنا ، اور آج بھی یہیں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ہے -

سدکانیہ سے تین میل کے فاصلے پر ایک بازار ہے جو آپ کے نام سے موسوم ہے[١] -

---

١ - ھسٹری آف صوفیزم ان بنگال ، صفحہ ٢٥٨

(۱۷)

## شیخ جلال الدین تبریزی

**نام اور ولادت :** بنگال میں مسلمانوں کی حکومت کے بعد جو بزرگ سب سے پہلے تشریف لائے وہ مخدوم شیخ جلال الدین تبریزی تھے، شیخ جلال الدین ایرانی النسل تھے، صاحب مراۃ الاسرار نے آپ کو ابوالقاسم شیخ جلال الدین تبریزی کے نام سے موسوم کیا ہے، آپ تبریز میں پیدا ہوئے۔

**بیعت :** شیخ جلال الدین تبریزی نے پہلے شیخ ابو سعید تبریزی کے دست حق پرست پر بیعت کی، پھر اُن کی وفات کے بعد آپ شیخ شہاب الدین سہروردی [۱] کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اُن سے فیوض باطنی حاصل کیے۔

---

۱ - شیخ شہاب الدین ابوالحفص عمر بن محمد بکری سہروردی حضرت ابوبکر صدیق رض کی اولاد میں سے ہیں، ان کی ولادت با سعادت رجب ۵۲۹ھ - ۱۱۳۴ء میں ہوئی، اُنھوں نے روحانی فیض اپنے چچا ابو نجیب سہروردی سے حاصل کیا، اور حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کی صحبت میں بھی رہے، ان کے علاوہ دوسرے مشائخین کبار کی خدمت میں بھی حاضر رہے، کہا جاتا ہے کہ وہ جزیرہ عبادان میں بھی بعض ابدالوں کے ساتھ رہے، اور انھوں نے حضرت خضر علیہ السلام سے بھی ملاقات کی تھی، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اُن سے فرمایا تھا کہ تم عراق کے آخری مشہور ہونے والوں میں ہو۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۴ پر)

**شیخ کی خدمت :** اخبارالاخیار میں ھے کہ آپ نے اپنے پیر شیخ شہاب الدین سہروردی کی اس قدر خدمت کی جو بہت کم دوسروں کو میسر ہوئی ہو گی ، کہا جاتا ھے کہ شیخ بہت بوڑھے ہوگئے تھے ، وہ ہر سال حج کے لیے جاتے تھے ، اور گرم اور زود ھضم غذاؤں کے سوا کچھ نہ کھاتے تھے ، حضرت جلال تبریزی آن کے لیے اپنے سر پر ایک

---

(صفحہ ۱۱۳ کا بقیہ حاشیہ)

شیخ سعدالدین حموی سے کسی نے پوچھا کہ آپ نے شیخ محی الدین ابن عربی کو کیسا پایا ؟ فرمایا کہ وہ ایک دریائے مواج ھے ، جس کی کوئی انتہا نہیں ، پھر آنھوں نے پوچھا کہ آپ نے شیخ شہاب الدین سہروردی کو کیسا پایا ؟ فرمایا اتباعِ رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جو نور سہروردی کی پیشانی میں چمکتا ھے وہ دوسرا ھی ھے -

شیخ شہاب الدین اپنے وقت کے شیخ الشیوخ تھے ، اور اربابِ طریقت دور دور سے آن سے مسائل پوچھنے کے لیے آتے تھے ، حضرت شہاب الدین سہروردی کا سلسلۂ طریقت یہ ھے :

شیخ شہاب الدین سہروردی ، شیخ ضیا ؤالدین ابوالنجیب سہروردی ، شیخ وجیہد الدین سہروردی ، شیخ ابو عبداللہ ، شیخ اسوذ احمد دینوری ، شیخ ممتاز علی دینوری ، خواجہ جنید بغدادی ، خواجہ سری سقطی ، خواجہ معروف کرخی ، خواجہ داؤد طائی ، خواجہ حبیب عجمی ، حضرت امام حسن ، حضرت علی کرم اللہ وجہ' جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم -

شیخ شہاب‌الدین سہروردی نے ۶۳۲ھ-۱۲۳۴ء میں وفات پائی ، آن کی تصانیف میں عوارف ، اعلام الھدیٰ مشہور ھیں -

شیخ شہاب‌الدین سہروردی نے ھندوستان میں سلسلۂ سہروردیہ کی اشاعت اور فروغ کے لیے بہت سے مرید بھیجے تھے ، مشہور ھے

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۵ پر)

انگیٹھی اور دیگچی لے کر چلتے تھے ، تاکہ جب آن کے پیر کھانا طلب کریں ، وہ آنھیں گرم کھانا دے سکیں -

**شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے ملاقات :** وهیں آن کی ملاقات حضرت شیخ بہاء الدین زکریا[1] ملتانی سے هوئی ، اور دونوں میں بے حد

---

(صفحہ ۱۱۴ کا بقیہ حاشیہ)

کہ آنھوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ هندوستان میں میرے بہت سے خلفاء هیں -

آن کے خلفاء میں شیخ نور الدین مبارک غزنوی ، شیخ ضیاءالدین رومی ، قاضی حمیدالدین ناگوری ، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی اور شیخ نوح بکھری اور حضرت جلال تبریزی هیں (ماخوذ از نفحات الانس ص ۴۲۰ و تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۲) آپ کے خلفا میں شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے مغربی پاکستان اور شمالی هندوستان میں ، اور حضرت جلال تبریزی نے مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال میں سلسلۂ سہروردیہ کو غیر معمولی ترقی دی اور انھیں دو بزرگوں کی وجہ سے پاک و هند میں جا بجا سلسلۂ سہروردیہ کی خانقاهیں قائم هوئیں - (ماخوذ از نفحات الانس ص ۴۲۰ و تاریخ مشائخ چشت ص ۱۲۲)

۱- پاک و هند میں سلسلۂ سہروردیہ کے بانی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی کنیت ابو محمد اور ابوالبرکات ھے ، آپ کے والد کا نام وجیہہ الدین اور دادا کا نام حضرت کمال الدین علی تھا جو خاندانِ قریش سے تھے -

۵۶۶ھ - ۱۱۷۰ء میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی ولادت باسعادت کوٹ کروڑ میں هوئی ، آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ آپ کے والد کا سایۂ شفقت سر سے آٹھ گیا ، اپنے والد کی وفات کے بعد آپ خراسان چلے گئے ، اور سات برس تک علوم ظاهری و باطنی کی تکمیل (باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۶ پر)

محبت اور دوستی ہو گئی ، جب شیخ الشیوح شہاب الدین سہروردی نے حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو حکم دیا کہ وہ ملتان جا کر رُشد و ھدایت کو عام کریں ، تو آپ اپنے شیخ کے ارشاد کے مطابق ملتان روانہ ہونے لگے - حضرت جلال الدین تبریزی بھی جو آس وقت وھاں

---

(صفحہ ۱۱۵ کا بقیہ حاشیہ)

کی ، پھر بخارا پہنچے اور یہاں بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رھا ، پھر حرمین شریفین حاضر ہوئے ، اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے ، اور پانچ سال تک مدینۂ منورہ میں شیخ کمال الدین محمد یمانی سے حدیث کی تعلیم حاصل کی ، حدیث کی تعلیم کے بعد روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے پاس تزکیۂ نفس اور تصفیۂ باطن کے لیے مجاھدہ شروع کیا ، پھر بیت المقدس حاضر ہوئے اور مسجدِ اقصیٰ اور انبیاء علیھم السلام کی زیارت سے مشرف ہوئے ، بیت المقدس سے بغداد پہنچے -

بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کے دست حق پرست بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا - خرقۂ خلافت سے سرافراز ہونے کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے ارشاد کی بنا پر اپنے وطن واپس تشریف لائے ، اور ملتان واپس آنے کے بعد آپ نے اصلاح و تربیت کا کام بڑے پیمانے پر انجام دیا ، اور آپ کے فیوض و برکات سے سارا ھند و پاکستان منور ہو گیا ، ملتان ، سندھ اور بلوچستان کو تو آپ کی روحانی سلطنت کہا جاتا ہے -

شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے ۷ صفر ۶۶۱ھ - ۱۲۶۲ء کو وصال فرمایا ، فوائدالفواد میں ہے کہ ایک روز حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی محفل میں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی وفات کا تذکرہ چلا ، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ایک روز ایک بزرگ صورت شخص ظاھر ہوئے اور ایک لفافہ آپ کے (شیخ بہاءالدین زکریا) کے صاحبزادے شیخ صدرالدین کو دیا ، اور کہا

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۷ پر)

مقیم تھے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے اجازت لے کر آپ کے ساتھ ہو گئے ، جب یہ دونوں بزرگ نیشاپور پہنچے تو شیخ جلال

---

(صفحہ ۱۱٦ کا بقیہ حاشیہ)

کہ یہ خط ایک صاحب نے دیا اور کہا ھے کہ یہ شیخ بہاءالدین کو پہنچا دو ، شیخ صدر الدین اس کا عنوان پڑھ کر بے حد متحیر ہوئے ، اور اپنے والد کی خدمت میں وہ خط پیش کر کے باھر آئے باھر آکر دیکھا تو قاصد جا چکا تھا ، خط پڑھنے کے ساتھ ھی شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی ، اور آواز بلند ہوئی کہ '' دوست بدوست رسید '' یہ آواز سنتے ھی شیخ صدر الدین حجرے میں گئے ، دیکھا کہ آپ وصال فرما چکے تھے -

اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا وہ بھی کتنا اچھا زمانہ تھا جس میں یہ پانچ بزرگ زندہ تھے ، شیخ ابو الغیث یمنی شیخ سیف الدین باخرزی ، شیخ سعدالدین حمویہ ، اور شیخ الاسلام شیخ فریدالدین قدس اللہ سرھم (فوائدالفواد ص ۲۲۱ ملفوظات پنجشنبہ نہم رمضان المبارک و سیرالعارفین - ص ۱۲۷)

شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ صدرالدین مسند آرائے رشد و ھدایت ہوئے -

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے خلفاء کی تعداد کثیر ھے ، مشہور خلفاء کے نام یہ ھیں : (۱) شیخ حسن افغان (۲) شیخ فخر الدین عراقی (۳) سید صدر الدین احمد بن سید نجم الدین ھروی (۴) شیخ جمال خنداں (۵) شیخ نجیب الدین علی برغش (٦) آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدین عارف (۷) آپ کے پوتے شیخ رکن الدین ابو الفتح (۸) حضرت جلال سرخ بخاری اور سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عثمان مروندی لعل شہباز قلندر -

(ماخوذ از تذکرۂ صوفیائے پنجاب ، صفحہ ۱۰٦ تا ۱۲۳)

تبریزی حضرت شیخ فرید الدین عطار۱ کی ملاقات کے لیے آن کے پاس تشریف لے گئے ، ملاقات کے بعد جب واپس ھوئے تو حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے آن سے پوچھا کہیے آج کی ملاقات میں کس درویش کو بہتر پایا ؟ آنھوں نے جواب دیا کہ شیخ فرید الدین عطار کو ، شیخ بہاء الدین زکریا نے پھر آن سے پوچھا آن سے کیا صحبت رھی ؟ شیخ جلال تبریزی نے جواب دیا کہ انھوں نے مجھ سے ملتے ھی پوچھا کہ

---

۱ - شیخ فرید الدین عطار شیخ مجدد الدین بغدادی کے مرید تھے ، آن کی جلالتِ شان و علوئے مرتبت کا اندازہ اس سے ھوتا ھے کہ عارف رومی مولانا جلال الدین رومی نے ان کے متعلق فرمایا کہ منصور کا نور ایک سو پچاس سال کے بعد روحِ فرید الدین عطار پر متجلی اور آن کا مربی ھوا ھے ، مشہور ھے کہ ایک دن وہ ایک عطار کی دوکان میں کسی کام میں مشغول تھے ، ایک درویش اس دکان پر آیا اور شیئاً للہ کے کئی مرتبہ نعرے لگائے ، لیکن وہ اپنے کام میں منہمک رھے اور درویش کی طرف متوجہ نہ ھوئے ، پھر آس درویش نے حضرت فرید الدین عطار سے پوچھا اے خواجہ تم کس طرح مرو گے ؟ حضرت فرید الدین عطار نے جواب دیا جس طرح تم مرو گے ، درویش نے کہا کہ کیا تم میری طرح مرو گے ؟ حضرت عطار نے کہا ھاں ، درویش نے ایک لکڑی کا پیالہ جو اس کے پاس تھا ، سر کے نیچے رکھا اور اللہ کہا ، اور آسی وقت انتقال کر گیا ، اس واقعہ نے حضرت شیخ فرید الدین عطار کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ، اور وہ علومِ باطنی کے حصول کی طرف متوجہ ھوگئے ۔

کہتے ھیں کہ مولانا جلال الدین رومی نے بلخ جاتے ھوئے نیشاپور میں حضرت شیخ فرید الدین عطار سے ملاقات کی تھی ، اس وقت وہ بوڑھے ھو چکے تھے ، انھوں نے اس ملاقات میں اپنی تصنیف اسرار نامہ مولانا رومی کو دی تھی جسے ھمیشہ عارفِ رومی اپنے پاس رکھتے تھے ، اور حقائق و معارف کے بیان کرنے میں آن کا اقتدا

( باقی حاشیہ صفحہ ۱۱۹ پر)

تم لوگ کہاں سے آئے ہو ؟ میں نے جواب دیا ہم لوگ بغداد سے آ رہے ہیں ، پھر انھوں نے پوچھا وہاں کون درویش حق میں مشغول ہے ؟ میں خاموش رہا ، حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی نے فرمایا کہ تم نے اپنے شیخ ، شیخ شہاب الدین سہروردی کا نام کیوں نہ لیا ؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس وقت شیخ فرید الدین عطار کی عظمت میرے دل میں اس قدر بیٹھی ہوئی تھی کہ میں شیخ شہاب الدین سہروردی کو بھول گیا ، یہ سن

---

(صفحہ ۱۱۸ کا بقیہ حاشیہ)

کرتے تھے ،ایک جگہ فرماتے ہیں :

عطار روح بود ، سنائی دو چشم او
ما از پئے سنائی و عطار آمدیم

شیخ فرید الدین عطار نے ایک سو چودہ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ — ۱۲۲۹ء میں کفار تاتار کے ہاتھ سے شہادت پائی ، اور نیشاپور میں میں شاد باغ میں مدفون ہوئے۔

اُن کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں :

(۱) مصیبت نامہ
(۲) الٰہی نامہ
(۳) خسرو نامہ
(۴) پند نامہ
(۵) اسرار نامہ
(۶) جواہر نامہ
(۷) شرح القلب
(۸) مختار نامہ
(۹) دیوان
(۱۰) منطق الطیر
(۱۱) تذکرۃ الاولیاء

ماخوذ از نفحات الانس صفحہ ۵۴۰ — ۵۴۱ و فٹ نوٹ مقالات الشعراء صفحہ ٦

کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کو بے حد رنج ہوا اور وہ حضرت جلال تبریزی سے علحدہ ہو کر ملتان چلے آئے۔

**دھلی میں تشریف آوری:** شیخ جلال الدین تبریزی حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی سے علحدہ ہو کر دھلی تشریف لائے، اس وقت دھلی کا بادشاہ سلطان شمس الدین ایلتمش تھا، وہ آپ کی دھلی میں آمد کی خبر سن کر استقبال کے لئے نکلا، بڑی تعظیم و توقیر سے پیش آیا، اور بڑے اعزاز و اکرام سے آپ کو ٹھہرایا۔

**خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ملاقات:** دوسرے دن حضرت شیخ جلال تبریزی، خواجہ قطب الدین بختیار کاکی[۱] سے ملاقات کے لیے

---

۱۔ حضرت خواجہ قطب‌الدین بختیار کاکی ترکستان کے ایک قصبے اوش ماوراء النہر میں پیدا ہوئے، آپ کے والد کا اسم گرامی سید کمال‌الدین تھا، آپ کا سلسلۂ نسب ۱۶ واسطوں سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ھے، آپ نے ابتدائی تعلیم مونالا ابوحفص سے حاصل کی، اور ریاضتوں اور مجاھدوں میں مشغول رھنے لگے، جب حضرت خواجہ معین‌الدین چشتی اوش تشریف لائے تو آپ نے ان سے بیعت کی، دلیل العارفین میں ھے کہ آپ اپنے مرشد خواجہ معین الدین کے ساتھ خراسان سے ھندوستان تشریف لائے، پھر حضرت خواجہ اجمیری نے آپ کو دھلی جانے کا حکم دیا، آپ ملتان ھوتے ھوئے دھلی پہنچے، سلطان شمس‌الدین ایلتمش نے جو اس وقت دھلی کا بادشاہ تھا، آپ کا شاندار استقبال کیا، وہ چاھتا تھا کہ آپ اندرون شہر قیام فرمائیں، لیکن خواجہ قطب الدین نے شہر سے باھر کیلو کھری میں سکونت اختیار فرمائی، سلطان شمس‌الدین ایلتمش ھفتے میں دو بار بڑی پابندی سے آپ کی خدمت میں حاضر ھوتا اور آپ کے فیوض و برکات سے مستفیض ھوتا تھا، پھر کچھ دن کے بعد آپ سلطان ایلتمش کے اصرار پر دھلی میں منتقل ھو گئے، اور ملک اعزالدین کی مسجد کے قریب قیام فرمایا، اسی زمانے میں شیخ بدرالدین غزنوی آپ کی خدمت میں (باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۱ پر)

نکلے اور بڑی بڑی شاھراھوں کو چھوڑ کر تنگ گلی کوچوں سے چلے ، تا کہ کوئی آپ کو پہچان نہ لے ، اس زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کا قیام کیلو کھری کے نزدیک تھا ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے عالمِ کشف میں معلوم کر لیا کہ آپ آن کی ملاقات کے لیے آ رہے ہیں ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی فوراً

---

(صفحہ ۱۲۰ کا بقیہ حاشیہ)

حاضر ہوئے اور شرفِ بیعت اور خرقۂ خلافت سے مشرف ہوئے۔

اسی زمانے میں دھلی کے شیخ الاسلام جمال الدین محمد بسطامی نے وفات پائی ، سلطان ایلتمش نے شیخ الاسلامی پر آپ کا تقرر کرنا چاھا ، لیکن حضرت خواجہ قطب الدین نے انکار فرما دیا ، آپ کے انکار پر شیخ نجم الدین صغریٰ کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ (سیر العارفین صفحہ ۲۱)

جب دھلی میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے رُشد و ھدایت کی شمع روشن کی تو دھلی کے عوام و خواص پروانہ وار آپ کے حلقۂ عقیدت میں داخل ہونے لگے۔ آپ پر عموماً استغراق اور محویت کی کیفیت طاری رہتی تھی۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ

و نہایت استغراق داشت در یاد مولیٰ چوں کسے بزیارت آمدے زمانے بایستے تا بخود باز آمدے اگر از حال خود یا حال آیندہ چیزے بگفتندے بعدۂ گفتے مرا معذور دارید ، باز بحق مشغول شدے (اخبارالاخیار صفحہ ۲۵)

(حضرت بختیار کاکی) یاد مولیٰ میں بے حد استغراق رکھتے تھے ، جب کوئی زیارت کو آتا تو تھوڑی دیر اسے ٹھہرنا پڑتا یہاں تک کہ آپ اپنی حالت میں واپس آ جاتے ، اگر اپنا حال کچھ کہتے یا آنے والا اپنا حال کہتا تو پھر اس کے بعد اس سے فرماتے مجھے معذور جانو ، پھر یاد الٰہی میں مشغول ہو جاتے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۲ پر)

آپ کے استقبال کے لیے گھر سے نکلے ، اور آن تنگ و تاریک گلی کوچوں میں تشریف لائے ، جن سے شیخ جلال تبریزی آ رہے تھے ، اس دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے گھر پر محفلِ سماع گرم تھی ، دونوں بزرگ سماع کے سننے میں مشغول ہو گئے ، اس وقت درویشوں پر اس شعر سے ایک کیف و وجد طاری تھا :

در میکدۂ وحدت هشیار نمی گنجد
در عالم بیرنگی اغیار نمی گنجد

پھر آپ کی اور بھی کئی دوستانہ ملاقاتیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے رهیں -

---

(صفحہ ۱۲۱ کا بقیہ حاشیہ)

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ — ۱۲۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے - آپ کو سماع سے بہت رغبت تھی ، آپ نے سماع هی میں وصال فرمایا -

صاحب اخبار الاخیار نے خواجہ قطب‌الدین بختیار کاکی کی وفات کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ھے کہ شیخ علی سجزی کے مکان میں محفلِ سماع برپا تھی ، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اس محفل میں موجود تھے ، قوالوں نے شیخ احمد جام کی غزل شروع کی ، جب یہ شعر گایا :

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

تو آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی ، اور تڑپنے لگے - مدهوشی اور تحیر کے عالم میں آپ کو آپ کے ساتھی گھر تک لائے ، یہ حالت چار شبانہ روز رهی ، آخر اسی حالت میں پانچویں رات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ — ۱۲۳۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے -

(اخبار الاخیار صفحہ ۲۵ - ۲۶)

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۳ پر)

**شیخ الاسلام کا حسد :** اس زمانے میں کہ حضرت جلال تبریزی دھلی تشریف لائے، یہاں کے شیخ الاسلام نجم الدین صغری[1] تھے، بادشاہ سے آپ کے قرب و اختصاص کو دیکھ کر شیخ الاسلام نجم الدین صغری[1] کے دل میں آتش، حسد بھڑک اٹھی اور وہ آپ کے سخت مخالف ہوگئے اور اس فکر میں رہنے لگے کہ کسی طرح آپ کو بادشاہ اور لوگوں کی نظر میں گرائیں۔

**تہمت :** شیخ جمالی[2] صاحب، سیر العارفین کا بیان ھے کہ شیخ الاسلام نجم الدین صغری نے آپ پر تہمت لگائی، جس کی تفصیل ھمیں سیر العارفین

---

(صفحہ ۱۲۲ کا بقیہ حاشیہ)

سیر العارفین میں ھے کہ وفات کے وقت سر، مبارک حضرت خواجہ حمید الدین ناگوری کے زانو پر تھا، اور دونوں پاؤں شیخ بدر الدین غزنوی کے آغوش میں۔ آپ کا مزار پر انوار دھلی میں زیارت گاہ، خاص و عام ھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین کی تصانیف میں ان کا دیوان ھے جو نولکشور لکھنؤ سے چھپ کر شائع ھو چکا ھے۔ دوسرے آپ کے ملفوظات ھیں جو بابا فرید گنج شکر نے فوائد السالکین کے نام سے جمع کیے تھے جو مطبع مجتبائی دھلی سے شائع ھوئے تھے۔
(بزم صوفیہ صفحہ ۵۹)

۱۔ شیخ نجم الدین صغری اپنے زمانے کے مشہور عالم اور فقیہ تھے، سلطان شمس الدین ایلتمش کے زمانے میں دھلی کے شیخ الاسلام مقرر ہوئے، اور اسی کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کی قبر شیخ برھان الدین بلخی کے قبر کے محاذی ھے۔ (نزھۃ الخواطر۔ جلد ۱ صفحہ ۲۳۵)

۲۔ شیخ جمالی کا اصل نام جلال خاں تھا، ابتداً، جلالی تخلص کرتے، لیکن اپنے پیر شیخ سماء الدین کے اشارے کی بنا پر جمالی تخلص اختیار کیا، دھلی کے رہنے والے تھے، اور ذات کے کنبوہ تھے؛ بچپن ھی

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۴ پر)

میں ملتی ہے - کہتے ہیں کہ دہلی میں ایک مطربہ گوہر نامی تھی جو نہایت حسین و جمیل تھی ، گانے میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی ، اکثر آمراء اس کے والہ و شیفتہ تھے ، وہ کبھی کبھی (بطور عقیدت) شیخ نجم الدین صغریٰ کے پاس بھی آیا کرتی تھی - شیخ نجم الدین نے اس مطربہ سے کہا کہ اگر تو حضرت جلال الدین پر تہمت لگانے کے لیے

---

(صفحہ ۱۲۳ کا بقیہ حاشیہ)

میں یتیم ہوگئے تھے، لیکن اپنے جوہرِ قابل کی وجہ سے تعلیم و تربیت حاصل کی ، اور شاعری میں بڑا نام پیدا کیا ، اصنافِ سخن میں آنھوں نے مثنوی ، قصیدہ اور غزل کو اپنا موضوع بنایا ، ان کا قصیدہ ، غزل اور مثنوی سے بہتر ہوتا تھا ، جمالی نے بیحد سیاحت کی تھی ، اور حرمین شریفین کی زیارت سے مشرف ہوئے تھے - اثنائے سیاحت میں ان کی ملاقات مولانا عبدالرحمن جامی ، مولانا جلال الدین درانی سے ہوئی تھی ، صاحب اخبار الاخیار نے ان کی وجاہت ، سیرت و اوصاف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> مہابت صورت و معنی در ذات او تعبیہ بود درمحافل و ارتکاب عزائم امور بغایت دلیر بود ، کمتر کسے را از اکابر درمجلس فرصت سخن دادے -

ان کا زمانہ سکندر لودھی سے ھمایوں تک ہے - سکندر لودھی کے وہ مصاحب خاص تھے - جب افغانوں کی بساطِ سلطنت الٹی اور بابر برسر اقتدار آیا تو بابر بھی ان کے ساتھ خاص توجہ سے پیش آتا تھا ، اور انہوں نے اس کے لیے ایک قصیدہ بھی کہا تھا ، بابر کے بعد ھمایوں کے لیے بھی انہوں نے قصیدے کہے -

شیخ جمالی ۹۴۲ھ — ۱۵۳۵ء میں جب کہ ھمایوں گجرات گیا تھا ، اس کے ساتھ تھے ، اسی سال انہوں نے ۱۰ ذیقعدہ کو وفات پائی ، اور اب ان کی قبر اس جگہ ہے ، جو پہلے ان کا گھر تھا -

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۵ پر)

تیار ہو اور جہاں بھی میں کہوں وہاں حاضر ہو کر اس تہمت کا اقرار کرے تو میں تجھے پانسو درم سرخ دوں گا۔ ان پانسو میں سے دو سو پچاس تو ابھی میں تیرے حوالے کروں گا اور ڈھائی سو میں ایسے امین کے پاس رکھوا دوں گا جو اس راز کو عیاں بھی نہ کرے گا اور بقیہ ڈھائی سو دینار اس وقت تیرے حوالے کر دے گا جب تو کسی فیصلہ کرنے والے کے سامنے اس تہمت کا اقرار کر لے گی۔ اس مطربہ نے سوچا کہ اس تہمت کے لگانے میں جو رقم اسے پیش کی جا رہی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اور وہ خود ایک فاحشہ عورت ہے، اسے اس الزام کے

---

(صفحہ ۱۲۴ کا بقیہ حاشیہ)

شیخ جمالی کے دو صاحبزادے تھے، ایک شیخ عبدالحی جو حیاتی تخلص کرتے تھے، وہ فی البدیہہ شعر کہتے تھے، اور بسیار گو تھے، یہ ۹۲۳ھ – ۱۵۱۷ء میں پیدا ہوئے اور عالم جوانی میں ۹۵۹ھ – ۱۵۵۱ء میں وفات پائی۔ یہ چھوٹے صاحبزادے تھے۔

دوسرے بڑے صاحبزادے شیخ گدائی تھے، وہ ہمایوں کے زمانے میں سلک ملازمت میں داخل ہوئے اور اکبر کے عہد میں اس کے پہلے صدر الصدور مقرر ہوئے۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار۔ صفحہ ۲۲۸ تا ۲۲۹)

سلاطین دھلی کے مذہبی رجحانات میں بحوالۂ افسانہ شاھان منقول ہے کہ مولانا جمالی، سکندر لودھی کے خاص مصاحبوں میں تھے، اور دونوں میں اس درجہ اتحاد تھا کہ کوئی دوسرا درمیان میں نہ تھا۔

ایک دن سکندر لودھی نے کسی معاملے میں میاں حافظ کی جانبداری کی تو جمالی رنجیدہ ہو کر قلندروں کی طرح چرسے در زیر بستہ و خاک بر وجود خود مالیدہ خراسان کی طرف نکل گئے، اور عراق، عرب و عجم کی سیاحت کے بعد دھلی پہنچے، سکندر ان دنوں بدایوں میں تھا، اسے معلوم ہوا تو اس نے وہیں سے ایک

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۲۶ پر)

لگانے میں کیا باک ہے ، اس نے خوشی سے قبول کر لیا ، شیخ نجم الدین نے فوراً ہی ڈھائی سو دینار اُس کے حوالے کیے ، اور بقیہ ڈھائی سو احمد اشرف نامی ایک بقال کے پاس رکھوا دئے ، اور اُس سے کہا کہ

---

(صفحہ ۱۲۵ کا بقیہ حاشیہ)

منظوم خط مولانا جمالی کے نام لکھا اور شیخ سماء الدین کو بھی لکھا کہ مولانا جمالی کو جلد بدایوں بھیجیں ، احمد یارگار کے بیان سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شیخ سماء الدین نے اصرار کر کے مولانا جمالی کو بدایوں بھجوایا ، اور صفائی کے بعد مولانا جمالی پھر دربار سے منسلک ہو گئے ۔

افسانۂ شاہاں میں لکھا ہے کہ سکندر نے مولانا جمالی کو واپس لانے کے لیے آدمی بھیجے تو مولانا جمالی نے لکھا کہ :

اے بادشاہ از ما و شما دوستی از دل بود ، برائے مال و جاہ نبود ، چونکہ رقیبے درمیان شد ، خاطرم پارہ پارہ گشت ، پیوند نمی پزیرد

گرچہ دوریم از بساطِ قرب همت دور نیست
بندۂ شاهی شمائیم و ثنا خوانِ شما

جب سلطان سکندر لودھی نے وفات پائی تو مولانا جمالی نے ایک پُر درد مرثیہ لکھا ۔

مولانا جمالی کی تصانیف میں اُن کا مشہور تذکرہ سیرالعارفین ہے ، اور ایک مثنوی مہر و ماہ ہے ۔

مولانا جمالی کا ایک نعتیہ شعر جسے صاحب اخبار الاخیار نے بے حد سراہا ہے ، حسب ذیل ہے :

موسیٰ ز هوش رفت بیک پرتوِ صفات
تو عین ذات می نگری در تبسمی

(ماخوذ از سلاطین دهلی کے مذہبی رجحانات صفحہ ۳۶۳ بحوالۂ افسانۂ شاهاں و اخبار الاخیار صفحہ ۲۲۸ و آب کوثر صفحہ ۵۱۸)

جب یہ اپنا کام پورا کر دے تو اس کو دے دینا ، یہ بات پکی کرنے کے بعد شیخ نجم الدین نے اس تہمت کو پہلے خود لوگوں میں مشہور کیا ، اور اس فاحشہ عورت کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا ، اور اس عورت سے اقرار کرایا ، بادشاہ نے کہا کہ یہ عورت زنا کا اقرار کر رہی ہے ، لائقِ تعزیر ہے ، لیکن حضرت شیخ جلال الدین پر یہ جرم بغیر گواہوں کے ثابت نہیں ہوسکتا ، اور چونکہ تم خود اس معاملے میں مدعی ہو ، اس لیے تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے ، اب اس مقدمے کے لیے دوسرے حاکم مقرر کرنے پڑیں گے ، وہ جو کچھ بھی فیصلہ دیں گے وہ نافذ ہوگا ، چنانچہ بادشاہ کے حکم سے محضر تیار کیا گیا ، اور فرمان جاری ہوا کہ ہندوستان کے مشاہیر شیوخ و علماء دربار میں حاضر ہوں ، تھوڑے ہی دنوں میں موجودہ ہند و پاک کے اکابر مشائخ و علماء جو علومِ ظاہری و باطنی میں مسلم سمجھے جاتے تھے حاضر ہوئے ، کہا جاتا ہے کہ آنے والوں میں دو سو اور کچھ صوفیائے کرام تھے ، جن میں حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی بھی تھے ، جب یہ سب کے سب حاضر ہوئے تو جامع مسجد میں ان سب کو اکٹھا کیا گیا ، جب یہ سب اکٹھے ہوگئے تو سلطان شمس‌الدین ایلتمش نے شیخ نجم‌الدین صغریٰ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم ان بزرگوں میں سے کسی ایک کو اپنے حکم سے حکم مقرر کرو ، تا کہ وہ اس مقدمے کا فیصلہ کرے ، شیخ نجم الدین صغریٰ نے اس خیال سے کہ شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نیشاپور کے اُس واقعہ کے بعد سے جس کا تذکرہ پہلے گزر چکا ہے ناراض ہیں اُن کو حکم مقرر کیا ، شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی نے بھی حکم بننا منظور کر لیا ، یہ جمعہ کا دن تھا ، حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی اور سب بزرگ نمازِ جمعہ بعد صحنِ مسجد میں بیٹھے ، خود بادشاہ بھی اُن میں موجود تھا ، شیخ نجم الدین صغریٰ نے اُس مطربہ کو حاضر کیا ، اتنے میں شیخ جلال تبریزی بھی مسجد کے دروازے سے داخل ہوئے اور جوتے اتار کر صحنِ مسجد میں داخل ہونے لگے ، تمام علماء و صوفیہ اُن کی بزرگانہ عظمت کی وجہ سے اُن کے استقبال کے لیے دوڑے ، خود حضرت شیخ زکریا ملتانی نے دوڑ کر آپ کے جوتے اٹھائے اور حضرت شیخ جلال کو لا کر بڑے

تپاک سے اپنے برابر بٹھایا ، بادشاہ نے کہا بس فیصلہ ہو چکا ، اب فیصلے کی ضرورت باقی نہیں ، کیونکہ انہوں نے جن کو حکم مقرر کیا تھا ، وہ خود آپ کی اس قدر تعظیم بجا لائے اس کے بعد اب کسی گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہی ، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی نے بادشاہ کی اس گفتگو پر (حضرت جلال تبریزی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا کہ یہ تو اس کے مستحق ہیں کہ میں ان کی خاکِ پا کو اپنی آنکھوں کا سرمہ بناؤں ، کیونکہ یہ مسلسل سات سال تک حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین قدس سرہ کے ہمراہ سفر و حضر میں رہے ہیں ، ان کی تعظیم ہم پر واجب ہے ، لیکن میں نہیں چاہتا کہ شیخ نجم الدین صغریٰ کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ میں نے تعظیم کے پردے میں آن کے عیب کو چھپا لیا ، اگرچہ یہاں جتنے بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں ، وہ سب جانتے ہیں کہ ان کی مقدس ذات کے متعلق کبھی اس عیب کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ، لیکن پھر بھی اس مطربہ کو طلب کیا جائے ، چنانچہ وہ مطربہ حاضر کی گئی ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے آس سے فرمایا جو کچھ کہو سچ کہو ورنہ یاد رکھو کہ تباہ و برباد ہو جاؤ گی ، مطربہ نے بلند آواز سے کہا کہ خدا خوب جانتا ہے کہ یہ آپ پر صریح تہمت اور بہتان ہے ، حضرت شیخ جلال الدین آب حیات سے بھی زیادہ پاک ہیں ، پھر اس نے صحیح صحیح سارا واقعہ بیان کیا ، آس کے بیان کے بعد احمد اشرف بقال بھی طلب کیا گیا ، آس نے سارے واقعہ کی تصدیق کی اور بتایا کہ شیخ نجم الدین صغریٰ کے دئے ہوئے ڈھائی سو دینار اس کے پاس موجود ہیں ، پھر اس نے وہ ڈھائی سو دینار پیش کیے ، شیخ نجم الدین صغریٰ شرم کے مارے بیہوش ہو گئے ، سلطان شمس الدین ایلتمش نے ان کو اسی وقت عہدۂ شیخ الاسلامی سے علیحدہ کر دیا اور ان کی جگہ حضرت شیخ المشائخ بہاء الدین زکریا ملتانی کو شیخ الاسلام مقرر کیا[1] -

**بدایوں میں تشریف آوری :** لیکن حضرت شاہ جلال تبریزی اس

---

۱ - سیرالعارفین صفحہ ۶۴ — ۱۷۱

واقعہ سے اس قدر ملول ہو چکے تھے کہ پھر دھلی میں آپ نے قیام کرنا پسند نہ فرمایا اور بدایوں روانہ ہو گئے ، دھلی سے روانہ ہوتے وقت آپ نے فرمایا :

چوں من دریں شہر آمدم زر صرف بودم ایں ساعت نقرہ ام تا پیشتر چہ خواھد شد۲ -

ترجمہ : جب میں اس شہر میں آیا تھا خالص سونا تھا اب چاندی ہوں ، آیندہ دیکھیے کیا ہو -

**شیخ علی کا قبول اسلام :** دھلی سے حضرت جلال تبریزی بدایوں پہنچے - ایک روز وہ بدایوں میں اپنے گھر کی دھلیز پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص دھی کا مٹکا سر پر لئے آپ کے پاس سے گزرا - یہ شخص ہندو تھا ، اور بدایوں کے نواح موضع کنہر کا رھنے والا تھا ، جہاں کے لوگ ڈاکہ زنی میں مشہور تھے ، اور یہ خود بھی ڈاکو تھا - جب اس شخص کی نظر شیخ جلال تبریزی کے نورانی چھرے پر پڑی اس کے دل پر بے حد اثر ھوا - شیخ نے اس پر ایک تیز نظر ڈالی ، آپ کی نظر پڑتے ھی اس کے دل کی دنیا بدل گئی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں ایسے لوگ بھی ھیں ، پھر وہ فوراً ایمان لے آیا اور شیخ جلال نے اس کا نام علی۱ رکھا - اس کے بعد علی اپنے گھر گیا اور ایک لاکھ چیتل لا کر آپ کی خدمت میں پیش کیے ،

---

۲ - فوائد الفواد صفحہ ۱۳

۱ - شیخ علی نے حضرت جلال تبریزی سے مرید ہو کر سلوک کے اعلیٰ منازل طے کیے ، اور ان کا شمار اکابر اولیاء میں ھوتا ھے ، ان کی عظمت بزرگانہ کا اندازہ اس سے ھوتا ھے کہ حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے دستار فضیلت شیخ علی ھی نے باندھی ، خیر المجالس میں ھے کہ اس زمانے میں بدایوں میں دو علی مولیٰ تھے ، ایک علی مولیٰ بزرگ جو حضرت شیخ جلال تبریزی کے مرید تھے ، اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی (باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۰ پر)

اور عرض کیا کہ آپ انہیں جہاں چاہیں خرچ کریں ۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے پاس رکھو ، اور جہاں ہم کہیں وہاں خرچ کرتے رہو ۔ چنانچہ جب کوئی حاجت مند آتا تو آپ علی سے فرماتے اس کو سو درم دے دو ، کبھی آپ نے پانچ درم سے کم کسی کو نہیں دئے ۔ علی کا بیان ہے کہ جب میرے پاس صرف ایک درم رہ گیا تو مجھے خیال آیا کہ شیخ کسی کو پانچ درم سے کم نہیں دیتے ، اب اگر کوئی حاجت مند آیا تو بڑی مشکل ہو گی ، میں اسی خیال میں تھا کہ اچانک ایک سائل آیا ، اور شیخ سے کچھ مانگا ، آپ نے مجھ سے فرمایا علی ! جو تمھارے پاس ایک درم بچا ہے وہ اس کو دے دو ۔

**مولانا علاء الدین کو عطائے لباس :** شیخ جلال تبریزی نے بدایوں

---

(صفحہ ۱۲۹ کا بقیہ حاشیہ)

کی دستار بندی کے وقت بلائے گئے تھے ، مقبولیت عظیم رکھتے تھے ، صاحبِ یقین تھے ، آپ علوم ظاہری میں کچھ نہیں جانتے تھے ، صرف پنج وقتہ نماز ادا کرتے تھے ، مشائخ و علما اور لوگ ان کو متبرک سمجھتے اور ان کے قدم چومتے تھے ، جو کوئی ان کو دیکھتا تو وہ بتحقیق جانتا کہ آپ خدا کے دوست ہیں ، شیخ علی کا سنہ وفات کسی تذکرے میں نہیں ملتا ، البتہ اس قدر ضرور پتہ چلتا ہے کہ آپ بدایوں کے ایک اور بزرگ سلطان العارفین حضرت سید حسن شیخ شاہی کے ہم عصر تھے ، اور اپنی وفات کے بعد سلطان العارفین کے بُن میں مدفون ہوئے ، آپ کی قبر سلطان العارفین کی قبر سے جانب مغرب مائل بہ جنوب تخمیناً ۲۰ قدم کے فاصلے پر واقع ہے ، کوئی چار دیواری نہیں ، قبر شکستہ ہے اور چبوترہ بھی شکستہ زمیں دوز ہے ۔

(ماخوذ از تذکرۃ الواصلین ، مرتبہ خان بہادر رضی الدین فرشوری مطبوعہ نظامی پریس بدایوں صفحہ ۴۳ تا ۵۷)

میں مولانا علاء الدین۱ اصولی کو جو بعد میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے استاد ہوئے اور اس وقت خود طفل، مکتب تھے اپنا لباس عطا کیا۔

**شیخ نجم الدین صغریٰ کا انجام:** سیر العارفین میں ہے کہ ایک روز حضرت جلال تبریزی بدایوں میں شہر کے قریب تالاب کے کنارے

---

۱۔ مولنا سید علاء الدین بدایونی بن سید شرف الدین حضرت امام جعفر صادق کی اولاد سے ہیں اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کے اساتذہ میں ہیں، حضرت محبوب الٰہی نے ان سے قدوری مکمل پڑھی تھی، فوائدالفواد میں ہے کہ مولنا علاءالدین ابھی بچے ہی تھے کہ ایک روز بدایوں کی گلیوں سے گزر رہے تھے، حضرت جلال الدین تبریزی قدس سرہ کی نظر ان پر پڑی، انکو اپنے پاس بلایا، اور اپنے کپڑے جو پہنے ہوئے تھے ان کو پہنائے، مولنا علاءالدین کے تمام اوصاف و اخلاق اسی کی برکت کی وجہ سے تھے۔

خیرالمجالس میں ہے کہ حضرت شیخ نصیرالدین محمود چراغ دھلی فرمایا کرتے تھے کہ علاء الدین اصولی کبھی کسی سے کوئی چیز قبول نہ کرتے، لیکن اگر کوئی ضرورت کے وقت کوئی چیز لے آتا تو بقدر حاجت اس سے لے لیتے، ایک دفعہ مولانا کے ہاں فاقہ تھا، مولانا بیٹھے ہوئے کھلی کھا رہے تھے کہ اتفاق سے اسی وقت حجام آگیا، مولانا چاہتے تھے کہ یہ راز اس پر فاش نہ ہو، مولانا نے جلدی سے وہ کھلی کا ٹکڑا اپنی دستار میں رکھ لیا، حجام نے مولانا کا خط بنایا، جب دستار سر کے بال مونڈنے کے لیے اتاری تو وہ کھلی کا ٹکڑا نیچے آ رہا، حجام قرینے سے آپ کے فاقے کو سمجھ گیا، اور اس نے اس کا تذکرہ ایک بزرگ سے کیا، ان بزرگ نے کئی من میدہ، چند گھڑے گھی کے اور ایک ہزار جیتل آپ کی خدمت میں بھجوائے، مولانا نے یہ تمام سامان واپس کر دیا اور

(باقی حاشیہ صفحہ ۹۳ پر)

درویشوں کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ اچانک اٹھے اور درویشوں سے فرمایا آؤ تاکہ ہم شیخ نجم الدین صغریٰ کی نماز جنازہ پڑھیں کہ اس نے ابھی شہر دھلی میں انتقال کیا ھے ۔ اگرچہ ھمیں اس کی تہمت کی وجہ سے شہر دھلی چھوڑنا پڑا ، لیکن وہ ھمارے پیروں کی برکت کی وجہ سے دنیا ھی سے اٹھ گیا ۔ چند دن کے بعد دھلی سے خبر آئی کہ شیخ نجم الدین نے اسی وقت وفات پائی جس وقت آپ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی ۔

تذکرۂ الواصلین میں ھے کہ بدایوں میں آکر حضرت جلال تبریزی نے متصل محل الف خاں والے کے جو اب معماروں کے محلہ کے نام سے مشہور ھے ایک مسجد تعمیر کرائی اور بدایوں میں ایک عرصے تک مقیم رھے اور آپ کے بہت سے فیوض و برکات سے اھل بدایوں مستفیض ہوئے [۱] ۔

**بنگال کو روانگی :** جب آپ بدایوں سے بنگال جانے لگے تو علی جو فقر و درویشی کی منزلیں طے کر چکے تھے روتے ہوئے آپ کے کے پیچھے دوڑنے لگے ، اور انھوں نے کہا کہ میں آپ کے بغیر اس مقام پر رھنا نہیں چاھتا ، آپ نے ارشاد فرمایا علی ! واپس جاؤ ، اس شہر کی ھدایت تمھارے ذمے ھے ۔

**بنگال میں رُشد و ھدایت :** جب آپ بنگال پہنچے تو آپ نے پنڈوہ میں رُشد و ھدایت کی شمع روشن کی ، اُس وقت گوڑ کے تخت پر

---

(صفحہ ۹۲ کا بقیہ حاشیہ)

حجام کو بلا کر ڈانٹا کہ اُس نے اُن کا راز دوسروں سے کیوں بیان کیا ؟ پھر فرمایا کہ اب کبھی میرے پاس نہ آنا ، حجام بعض بزرگوں کو سفارش کے لئے لے کر آیا اور آپ نے اس کو اس شرط پر معاف کر دیا کہ آیندہ وہ درویشوں کے راز کو کسی سے بیان نہ کرے گا ۔ مولنا نے بدایوں میں وفات پائی ، وھیں اُن کا مزار ھے ۔ (ماخوذ از اخبار الاخیار ۔ صفحہ ۷۷ تا ۷۸)

۱۔ ماخوذ از تذکرہ الواصلین ۔ ص ۵۱

لکشمن داس قابض تھا ، وہ خود اور اس کا درباری پنڈت ھلایدہ مسرا حضرت مخدوم جلال تبریزی کی کرامات دیکھ کر حیران ہوئے اور آپ کی بڑی تعظیم و توقیر کی ۔ آپ نے پنڈوہ میں ایک مسجد بنوائی ، باغ لگایا اور خانقاہ قائم کی ، جس میں ہزاروں مسافروں اور مفلسوں کو کھانا ملتا تھا ۔ اس زمانے کی لکھی ہوئی کتاب " شیخ شبھودیا " میں آپ کی کرامات اور تبلیغی جد و جہد کا تذکرہ ملتا ہے[۱] ۔

**خانقاہ کی تعمیر :** حضرت جلال تبریزی نے جس جگہ اپنی خانقاہ تعمیر کرائی ، اس کو بندر دیوہ محل بھی کہتے ہیں ، وہاں ایک بہت بڑا تالاب تھا ، جس کے قریب ایک ہندو راجا نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے ایک بُت خانہ تعمیر کرایا تھا ۔

**مقامی یوگیوں سے مناظرے :** شوسل ہسٹری آف دی ان بنگال میں ہے کہ بہت سے مقامی یوگیوں نے حضرت جلال تبریزی سے مناظرے کیے ، اور آخر میں یہ یوگی صداقت اسلام کے قائل ہو کر مسلمان ہو گئے ۔

ان کے علاوہ طالبانِ حق جوق در جوق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے ، اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوتے تھے ۔

**وفات :** آپ کے سنہ وفات اور جائے وفات میں اختلاف ہے ، خزینۃ الاصفیاء کی روایت کے مطابق آپ نے ۶۴۲ھ — ۱۲۴۴ء میں وفات پائی ، لیکن تذکرہ اولیائے ہند میں آپ کا سنہ وفات ۱۲۲۵ء — ۶۲۲ھ منقول ہے ۔

اسی طرح جائے وفات کے متعلق صاحب اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ آپ بنگال میں محو استراحت ہیں ۔ لیکن صاحبِ سیر العارفین کا بیان

---

۱۔ شیخ جلال تبریزی کے یہاں تک کے تمام حالات سیر العارفین ص ۱۴۶ تا ۱۷۱ ۔ اخبار الاخیار ۔ ص ۴۴ تا ۴۵ ۔ اردو ترجمہ گلزار ابرار ۔ ص ۶۶ ۔ خزینۃ الاصفیا جلد دوم ص ۲۷۸ تا ۳۸۳ ۔ نزہۃ الخواطر جلد ۲ ص ۲۰ سے ماخوذ ہیں ۔

ہے کہ جب حضرت شیخ جلال الدین بنگال آئے ، وہاں کی مخلوق آپ کی طرف رجوع ہوئی اور مرید ہو گئی ، حضرت شیخ جلال نے اس مقام پر ایک خانقاہ تعمیر کرائی ، اور لنگر خانہ قائم کیا ، اور چند باغ اور زمین خرید کر اس خانقاہ کے لیے وقف کی ، جس جگہ آپ نے قیام فرمایا تھا ، اُس بندر کو دیوہ محل کہتے ہیں ، وہاں ایک کنواں تھا ، اور ایک کافر نے بہت سا روپیہ خرچ کر کے وہاں ایک بُت خانہ بنوایا تھا ، حضرت شیخ جلال نے اُس بت خانے کو توڑ کر وہاں تکیہ بنایا ، اور اس جگہ بہت سے کافر آپ کے دستِ حق پرست پر مسلمان ہوئے ، اب بھی آپ کا مقبرہ اسی جگہ ہے جہاں پہلے بُت خانہ تھا ۔

**حضرت جلال تبریزی کے روحانی کمال کے اثرات :** حضرت جلال تبریزی کی روحانیت کا بنگال کے معاشرے پر بہت گہرا اثر پڑا ، پنڈوہ میں بہت سی عمارتیں خانقاہ جلال تبریزی کے نام سے مشہور ہیں ، ان کے علاوہ ایک جامع مسجد ، دو چلہ خانے ، ایک تنور خانہ ، ایک توشہ خانہ اور سلامی دروازہ ہے ۔

**خانقاہ کی تعمیر :** آپ کی خانقاہ شروع میں سلطان علاء الدین علی شاہ نے ۴۲ - ۱۳۴۱ء — ۴۲ - ۷۴۱ھ میں بنوائی تھی ، پھر اُس کی مرمت ایک شخص نعمت اللہ نامی نے ۱۲۶۴ء میں کرائی ۔

**آستانے کی مرمت :** آپ کے آستانے کی مرمت ۱۷۲۲ء — ۱۱۳۵ھ محمد علی برجی نے کرائی ، تنور خانہ سعد اللہ نامی ایک شخص نے بنوایا تھا ۔

**دیوتالہ کے چار کتبے :** سوشل ہسٹری بنگال میں ہے کہ حضرت جلال تبریزی کا چلہ خانہ جو دیوتالہ میں بنا ہوا ہے اس میں اب تک چار کتبے ملے ہیں ، ایک کتبہ سلطان رکن الدین باربک شاہ[1] (۱۴۶۴ء)

---

۱- سلطان ناصر شاہ کی وفات کے بعد سلطان باربک شاہ بنگال کے تخت پر بیٹھا ۔ وہ بہت متشرع اور دانشمند بادشاہ تھا ، اس نے ۷۷۹ھ ۱۳۷۷ میں وفات پائی ، اس کی مدت حکومت ۱۷ سال تھی ۔
(ماخوذ از ریاض السلاطین - ۱۱۸ - ۱۱۹)

کا ھے ، جس سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ جامع مسجد تبریز آباد الغ مرابط خاں نے بنوائی تھی ۔

دوسرا کتبہ بھی اسی سلطان کے زمانے کا ھے جس سے یہ معلوم ھوتا ھے کہ یۂ مسجد تبریز آباد میں بنی تھی جسے عام طور پر دیوتالہ کہتے ھیں ۔

تیسرا کتبہ سلطان ناصر الدین نصرت شاہ (۱۵۲۷ء — ۹۳۴ھ) کا ھے ، اس سے معلوم ھوتا ھے کہ یہ مسجد ایک شخص نے حضرت جلال تبریزی کے قصبے میں بنوائی تھی ۔

ایک اور کتبہ سلیمان کرانی(۱) (۱۵۷۱ء — ۹۷۹ھ کا ھے ، اس سے پتہ چلتا ھے کہ یہ مسجد تبریز آباد میں جو عرف عام میں دیوتالہ

---

۱ ۔ سلیمان کرانی شیر شاہ سوری کے امرا میں تھا ، شیر شاہ نے اس کو صوبۂ بہار کا صوبہ دار بنایا سلیم شاہ کے عہد میں بھی وہ اس خدمت پر مامور رہا ، سلیم شاہ کے بعد جب ہندوستان میں طوائف الملوکی ہوئی ، سلیمان خاں کرانی اپنے بھائی تاج خاں کی وفات کے بعد بنگال و بہار کا حاکم بن گیا ، اور شہر گوڑ کو چھوڑ کر اپنا پایۂ تخت ٹانڈے کو بنایا ۔ ۹۷۵ھ میں اس نے اوڑیسہ پر بھی قبضہ کر لیا ، اور وہاں اپنا نائب چھوڑ کر عازم تسخیر ملک کوچ ہوا ، ابھی وہ کوچ ھی میں تھا کہ اوڑیسہ میں بغاوت ھو گئی ، مجبوراً وہ ٹانڈے لوٹ آیا ۔ جب ھمایوں ایران سے ہندوستان لوٹا ، سلیمان خاں نے اپنی وفاداری کی ایک عرضداشت ھمایوں کو روانہ کی ۔ ھمایوں نے اس کے جواب میں اس کو تسلی و تشفی دی ۔ اس کے بعد اگرچہ بنگال میں اس کے نام کا سکہ و خطبہ جاری تھا ، لیکن وہ اپنے آپ کو حضرت اعلیٰ کہتا تھا اور شہنشاہ اکبر کا اتباع کرتا تھا ، بے حد تند مزاج تھا جفا پیشہ و سخت گیر تھا ، اس نے بنگال میں ۲۵ سال حکومت کی اور ۹۸۱ھ ۱۵۷۳ء میں وفات پائی ۔
(ریاض السلاطین ۔ ص ۱۵۳ - ۱۵۴)

کہلاتا ہے بنی تھی۱ -

**سلطان علاء الدین علی مبارک کا ایک خواب :** ریاض السلاطین میں ہے کہ علی مبارک ، ملک فیروز رجب کے ملازموں اور دوستوں میں تھا ، جب سلطان محمد شاہ تخت دھلی پر بیٹھا ، اس نے اپنے جلوس کے پہلے سال ملک فیروز کو نائب باربک بنایا ، اس زمانے میں حاجی الیاس کوکۂ علی مبارک سے کوئی خطا واقع ھوئی ، جس کی وجہ سے وہ دھلی سے بھاگ گیا ، ملک فیروز نے علی مبارک سے اسے طلب کیا ، علی مبارک نے ھر چند اسے تلاش کرایا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا ، آخر اس نے مجبور ھو کر حاجی الیاس کی فراری کی اطلاع ملک فیروز کو دی ، ملک فیروز نے اس پر اعتراض کیا ، اور علی مبارک پر اس کا عتاب ھوا ، اس بنا پر علی مبارک بنگال چلا گیا ، راستے میں اس نے خواب میں حضرت جلال تبریزی کو دیکھا ، اس نے خواب ھی میں آپ کے سامنے عاجزی و زاری کی ، حضرت مخدوم جلال تبریزی نے اس سے خوش ھو کر فرمایا کہ ھم نے تم کو صوبۂ بنگال کی حکومت دی ، لیکن جب تم بنگال کی حکومت پر فائز ھو تو ھمارے لیے مکان تیار کرانا ، علی مبارک نے اسے قبول کیا ، اور پوچھا کہ میں آپ کے لیے کہاں مکان بنواؤں ؟ فرمایا پنڈوہ میں جہاں تم تین اینٹیں ایک دوسرے پر رکھی دیکھو اور ایک پھول اور سو پتے ان اینٹوں کے نیچے تر و تازہ پاؤ ، تم اسی جگہ ھمارا مکان بنانا ، چناں چہ اس خواب کے بعد وہ بنگال پہنچ کر قدر خاں کا ملازم ھوا ، اور رفتہ رفتہ بخشی گری لشکر کی خدمت اس کے سپرد ھوئی ، جب ملک فخرالدین نے قدر خاں سے بغاوت کی ، اور اپنے آقائے ولی نعمت کو مار کر خود بادشاہ بننا چاھا تو علی مبارک نے بھی اپنے آپ کو سلطان علاء الدین کا خطاب دے کر فخرالدین پر لشکر کشی کی ، یہاں تک کہ مملکت بنگال کا بادشاہ بن گیا ، لیکن وہ سلطنت حاصل کرنے کے بعد عیش و نشاط میں پڑ گیا ، اور

---

۱ - یہ تمام تفصیل سوشل ھسٹری بنگال ص ۹۲ مولفہ عبدالکریم صاحب لکچرار ڈھاکہ سے ماخوذ ہے -

حضرت جلال تبریزی سے خواب میں جو اُس نے وعدہ کیا تھا اُسے بھول گیا ، ایک رات اُس نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مخدوم جلال تبریزی اس سے فرما رہے ہیں کہ علاء الدین ! سلطنت بنگال حاصل کرنے کے بعد تم ہمارے حکم کو بالکل بھول گئے ، علاء الدین نے دوسرے روز حضرت کے ارشاد کے مطابق وہ مقام ڈھونڈھ کر جس کی آپ نے خواب میں نشان دہی کی تھی بنایا ، جس کے آثار اب تک موجود ہیں[1] -

**دائرۂ شاہ جلال کے متعلق منشی شیام پرشاد کا ایک بیان :** منشی شیام پرشاد نے نومبر و دسمبر ۱۸۱۰ء — ۱۲۲۵ھ میں میجر ولیم فرنکلن کے ہمراہ علاقہ و مکانات قلعہ گوڑ ، لکھنوتی اور پنڈوہ کی مساجد و خانقاہ دیکھی تھیں ، پھر اُس نے ان مقامات و عمارات کا حال احوال گوڑہ و پنڈوہ کے نام سے لکھا ، مسٹر دانی نے اپنی کتاب مسلم آرکیٹک ان بنگال میں اس کا اصل رسالہ جو فارسی میں ہے شامل کیا ہے ، ہم اُس کتاب سے دائرۂ شاہ جلال تبریزی کے متعلق جو تفصیلات اس رسالے میں دی گئی ہیں اس کا ترجمہ ذیل میں دیتے ہیں :

دائرہ آستان فیض بنیان حضرت مخدوم شاہ جلال تبریزی قدس اللہ سرہ واقع قصبہ پنڈوہ مع مکانات و مساجد و خانقاہ و لنگر خانہ و تالاب و کھری خانہ تقریباً چار بیگھے پر ہو گا ، یہ مسجد نہایت عالیشان ، مستحکم اور مرتفع و ممتاز ہے ، کہتے ہیں کہ حضرت شاہ جلال تبریزی نے اس کو تعمیر کرایا تھا ، ایک روز وہ نماز کے لیے اپنی مسجد میں تشریف لائے انہوں نے (عالم کشف میں) دیکھا کہ اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نماز ادا فرما رہے ہیں ، شاہ جلال اس جگہ سے واپس لوٹنے لگے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا اے جلال ! کہاں جاتے ہو ، شاہ جلال نے سُوٴ ادب اور ترک تعظیم سمجھ کر اپنے لنگر خانے میں آکر نماز ادا کی ،

کہتے ہیں کہ آپ کا مزار کوہ روضہ دولت آباد میں ہے اور

---

۱ - یہ تمام تفصیل ریاض السلاطین ص ۹۳ تا ۹۵ سے ماخوذ ہے -

ماہ رجب میں ہر سال یکم رجب سے بائیس رجب تک آپ کا عرس ہوتا ہے ، جس میں فقراء و حاجت‌مند ، عبادت گزار ، اہل اللہ ، درویش ، اور بہت سے آپ کے حلقہ بگوش و معتقدین جمع ہوتے ہیں ، اور آپ کے مزار مبارک کی زیارت سے فیض حاصل کرتے ہیں ہر روز شام کے وقت لنگر خانے سے فقرا و مساکین اور حاجت مندوں کو کھانا ملتا ہے ، اور اپنے اوقات وہاں کے نان و نمک پر بسر کرتے ہیں ، مصارف لنگر خانے کے لیے بطریق التمغا دیہات و تعلقہ و مواضعات بقدر مداخل سولہ ہزار روپے کے تھے ، لیکن جنگل کے ویران ہونے کی وجہ سے اب تقریباً چھ ہزار روپے کے محاصل ہیں جو لنگر خانے کے صرف میں آتے ہیں ۔ شام کے وقت دائرے میں جو چراغاں ہوتا ہے اُسے دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک نور کی چادر تنی ہوئی ہے ، جس نے ستاروں کے بازار کی رونق کو لوٹ لیا ہے :

زہے از پرتو قدرت چراغ قدسیاں روشن
ز نور شمع اقبالش زمیں تا آسماں روشن

مرور زمانہ کی وجہ سے جو سائبان ٹوٹ گیا تھا ، شاہ نعمت اللہ ولی نے جو سلطان شاہ شجاع کے پیر و مرشد تھے اس کو از سر نو بنوایا ، حسب ذیل کتبہ اُس سائبان کی تاریخ ہے ۔

چو ایں عالی عمارت ترتیب شدہ تاریخ روشن آستاں باد ازیں سنہ یک ہزار ہفتاد و پنج (۱۰۷۵ھ — ۱۶۶۴ء) بر می آید ۔
اور اس کے برابر ہی دوسرے پتھر پر یہ عبارت منقوش ہے ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم یا اللہ یا اللہ دستگیر اللہ ایں عمارت شاہ جلال است آراست کنندہ حضرت شاہ نعمت اللہ ۔
اور لنگر خانے کے دروازے پر یہ عبارت مسطور ہے :

تمم بسم الله الرحمن الرحیم بالخیر یا مقیم یا مقیم

جلال الدین شہ تبریز تولد (؟)
کہ در مدحش زبانہا شد گہر ریز

برایش چاند خان کرد این عمارت
کہ او از عرض اخلاص است لبریز

اگر پرسند کہ بود جلوہ فرما
درین معمار بنیاد صفا خیز

جوابش در لباس سال تاریخ
بگو شاہ جلال الدین تبریز[۱]

۱۰۸۴ ھ

---

۱ - یہ تمام تفصیل رسالہ احوال گوڑہ و پنڈوہ تصنیف شیام پرشاد منشی جو دانی صاحب کی کتاب مسلم آرکیٹکٹ ان بنگال میں شامل ہے - اس کے صفحہ ۳۰ - ۳۱ - ۳۲ سے لی گئی ہے -

بعض کتب میں یہ کتبہ اس طرح منقول ہے :

یا منعم - و تمم - بسم‌الله الرحمن الرحیم - بالخیر - یامنتعم

جلال الدین شہ تبریز مولد
کہ از مدحش زبانہا شد گہر ریز

برایش چاند خان کرد این عمارت
کہ او از عرض اخلاص است لبریز

اگر پر سند کہ بود جلوہ فرما
درین معمار مینا و صفا خیز

جوابش در لباس سال تاریخ
بگو شاہ جلال الدین تبریز

۱۰۸۴

(۱۸)

## شیخ جلال الدین مجرد سلھٹی

**حالات :** شیخ جلال الدین مجرد سلھٹی بنگال کے آن عظیم المرتبت صوفیہ میں ھیں ، جن پر بنگال کی تاریخ تصوف کو ناز ھے ، انھوں نے سلطان شمس الدین فیروز شاہ والی بنگالہ کے سپہ سالار سکندر غازی کی مدد سے سلھٹ فتح کیا - کسی شاعر نے سلھٹ کی عظمت و شرف کو نظم کرتے ھوئے کہا ھے :

سلھٹ ز شرف فلک برابر باشد
ھر سنگ درو بہ تاب گوھر باشد

ھر قطرہ ازو بوسعت دریا ئیست
ھر ذرہ اش آفتاب دیگر باشد

ضلع سلھٹ کے سرکاری گزیٹیر میں ھے :

گوڑ یا سلھٹ کو مسلمانوں نے ۱۳۸۴ء — ۸۵ھ میں فتح کیا ، آخری ھندو راجا گوبند کو سکندر غازی کی فوجوں سے زیادہ شاہ جلال کی کرامات نے بے بس کر دیا ، شاہ صاحب کی وفات کے بعد یہ علاقہ صوبۂ بنگال میں داخل کیا گیا -

ڈھاکہ میوزیم میں ایک کتبہ موجود ھے ، جو پہلے درگاہ شاہ جلال میں لگا ھوا تھا ، یہ کتبہ ۹۱۸ھ ۱۵۱۲ء میں لگایا گیا تھا - اس میں تحریر ھے :

بعظمت شیخ المشائخ مخدوم شیخ جلال مجرد بن محمد اول فتح اسلام عرصہ سریھت (سلھٹ) بدست سکندر خاں غازی در عھد

سلطان فیروز شاہ دنوی ( کذا ) سنہ ثلث و سبع مایتہ[1] ۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ شیخ جلال الدین مجرد جس عظمت و شہرت کے مالک ہیں ، اسی قدر ہمارے تذکرہ نگاروں نے ان کے حالات میں بے اعتنائی برتی ہے ، قدیم تذکروں میں ہمیں ان کا حال صرف غوثی مانڈوی[2] کے تذکرے ''گلزار ابرار'' میں ملتا ہے ، اور ہم اس کتاب کی مدد سے ان کے حالات یہاں نقل کرتے ہیں ، گلزار ابرار میں ہے کہ :

---

۱ - انسکرپشن آف بنگال جلد ۴ ، صفحہ ۲۵

۲ - گلزار ابرار کے مصنف کا نام محمد غوثی ابن حسن ابن موسی شطاری ہے ، وہ ۹۶۲ھ—۱۵۵۴ء میں قصبہ مانڈو میں پیدا ہوئے ، اور اسی قصبے میں پرورش پائی ، علوم ظاہری کی تحصیل شیخ وجیہہ الدین احمد علوی احمدآبادی سے کی ، تاج العرفا شیخ سراج الدین خاں کے دست حق پرست پر بیعت کی ، پھر شیخ ظہور الدین محمود جلال سے روحانی تربیت حاصل کی ، ۹۹۰ھ—۱۵۸۲ء میں ستائیس سال کی عمر میں بقیہ علوم کی تحصیل کے لیے احمد آباد گئے ، اور شیخ وجیہہ الملت احمد آبادی کی خانقاہ میں علوم دینی کی تحصیل کی - اپنی عمر کے اکتیسویں سال حصول تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن لوٹے ، ۱۰۱۴ھ—۱۶۰۴ء اور ۱۰۲۲ھ—۱۶۱۳ء کے درمیان غوثی مانڈوی نے تذکرۂ گلزار ابرار فارسی میں تصنیف کیا ، یہ جہانگیر کا عہد حکومت تھا ، غوثی نے اس تذکرے کو جہانگیر کے نام سے معنون کیا، اس تذکرے کی تالیف کے دو سو برس بعد اس کا ایک قلمی نسخہ منشی اله یار خاں کے پاس تھا جو اجین کے رئیس تھے ، ان کے اصرار پر اس کا ترجمہ جناب فضل احمد نے ۱۳۲۶ھ میں شروع کیا ، اور اسی سال ختم کر دیا، اس ترجمے کا تاریخی نام اذکار ابرار ہے جو مطبع مفید عام آگرہ سے شائع ہوا تھا ، جو اب

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۳ پر)

''شیخ جلال الدین مجرد ترکستانی تھے ، مگر پیدائش بنگال کی ہے ، آپ خلیفہ ہیں سلطان سید احمد کے ۔ کہتے ہیں کہ ایک روز روشن ضمیر پیر کی خدمت میں عرض کیا ، میری آرزو ہے کہ جس طرح حضور کی رہ نمائی کی بدولت جہاد اکبر میں کسی قدر فتح مندی حاصل ہوئی ، اسی طرح حضور کی کام بخش ہمت کے طفیل میں جہاد اصغر سے بھی دل کی تمنا پوری کروں ، اور جو دارالحرب ہو اس کو فتح کرکے غازی یا شہید بنوں ، پیر بزرگوار نے التماس قبول فرما کر اپنے بزرگ خلفاء میں سات سو آدمی آپ کے ہمراہ کیے ۔ العزة لله ، جہاں کہیں بھی مخالفین سے لڑائی ہوئی فتح حاصل کی ، زیادہ تر تعجب کی بات یہ ہے کہ اس دور دراز بھاگ دوڑ میں روزی کا دار و مدار صرف غنیمت کے مال پر تھا ، اور تونگرانہ زندگانی بسر کرتے تھے ، جو گھاٹیاں اور مویشی فتح ہوتی تھیں ہمراہیوں میں سے کسی ایک کو دے کر وہاں اسلام کی اشاعت اور رہ نمائی اس کے سپرد کر دیتے تھے ۔

القصہ صوبۂ بنگال کے پرگنات میں ایک قصبہ ہے سریہتہ (سلہٹ) اس قصبے میں جب آپ پہنچے ہیں تو تین سو تیرہ آدمی ہمراہی میں باقی رہے تھے ، ایک لاکھ پیادہ اور کئی ہزار سوار کا مالک راجا گوڑ گوبند قصبۂ مذکور کا حاکم تھا ، وہ اس کم تعداد گروہ کے مقابلے میں بہت زیادہ تھا ، کیونکہ یہ گروہ اس بے انتہا لشکر کے مقابلے میں وہ نسبت بھی نہیں رکھتا تھا جو نمک کو کھانے کے ساتھ ہوتی ہے ، جب لڑائی آن پڑی تو تقدیر کے پردے سے کم من فئة قليلة غلبت فيئة كثيرة باذن الله کی کرامت ظاہر ہوئی ، اور وہ پیکر پرست بھاگ کر ملک عدم کی طرف سوائے تنہا جان کے نہ لے جا سکا ، اور تمام زمین غازیوں کے ہاتھ آئی شیخ مجرد نے تمام مفتوحہ زمین کا حصہ بانٹ کر اپنے

---

(صفحہ ۱۴۲ کا بقیہ حاشیہ)

نایاب ہے ۔ (یہ تمام حالات اذکار ابرار کے دیباچے صفحہ ۲ تا ۵ اور مصنف کے خود اس کتاب کے آخر میں اپنے قلمبند کیے ہوئے حالات سے ماخوذ ہیں ۔)

ہمراھیوں کو تنخواہ میں دے دی ، اور ہر ایک کو کد خدا ہونے کی بھی اجازت دی، اس تقسیم میں ایک قصبہ شیخ نور الھدیٰ ابوالکرامات سعیدی حسنی کے حصے میں بھی آیا ، وھاں پر آپ عیال مند ہو گئے اور اُن کے فرزند بھی ہوئے ، شیخ علی شیر[1] انھیں کی نسل سے ھیں ، شیخ علی شیر نے یہ بیان شرح نزھۃ الارواح کے مقدمے میں لکھا ھے ۔''

شیخ جلال الدین مجرد کے متعلق مولوی نصیرالدین حیدر منصف سلھٹ نے ۱۸۵۹ء — ۱۲۷۶ھ میں ایک کتاب ''سھیل یمن'' تالیف کی تھی ، اگرچہ اس میں بہت سی روایتیں غیر مستند ھیں اور ان کو کسی طرح

---

۱ - شیخ علی شیر تمام رسمی علوم سے مستفید اور کل عقلی فنون سے صاحب سرمایہ تھے ، آپ نورالھدیٰ ابوالکرامات کی نسل سے ھیں ، جو شیخ جلال الدین مجرد کے بزرگ خلیفہ تھے ، اور جو حربیوں کا ملک فتح کرنے کے لیے ترکستان سے ھندوستان آئے تھے ، اور جنھوں نے راجا گوڑ گوبند کے مار ڈالنے کے بعد قصبہ سرہیتہ جو صوبۂ بنگالہ میں ھے نورالھدیٰ کے حوالے کیا تھا ، ان کی تصنیف شرح نزھۃالارواح ھے ، صاحب گلزار ابرار نے مندرجۂ بالا حالات کے علاوہ ، شرح نزھۃالارواح کے خطبے سے بھی علی شیر کے کچھ حالات اخذ کر کے لکھے ھیں ، جنھیں ہم بجنسہ نقل کرتے ھیں ۔ علی شیر نے اپنی کتاب کے خطبے میں لکھا ھے کہ ،

،، یہ درویش جب آغاز شباب کو پہنچا تو خدا طلبی ، حق پرستی اور خدا شناسی کے درد نے دل کا گریبان ھاتھ سے پکڑ کر ایسے دانا کی جستجو میں وطن سے آوارہ کیا ، جو رہ نمائی کے ذریعہ سے علاج کرے ، اتفاق کی بات ھے جس شناسا کے سامنے اندرونی درد بیان کیا اس کی تلقین ......القصہ ایک رات قصبہ اودھ میں اسی اندیشہ کے اندر غنودگی...... ہوئی ، اور اس حالت میں غوث الاولیا قدس سرہ کی مثالی صورت مشاھدہ کی ، اس مشاھدے نے مجھ کو فریفتہ کر دیا ، اب ان آرزوں کا ھجوم

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۳۵ پر)

غوثی کے تذکرے گلزار ابرار پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ، لیکن ہم شیخ محمد اکرام کی مشہور کتاب رود کوثر اور تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول سے اپنے الفاظ میں اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں ۔

شاہ جلال قریشی تھے ، ان کے والد کا نام محمد تھا جو ایک بلند پایہ بزرگ تھے ، اور شیخ الشیوخ کے لقب سے ملقب تھے ، آن کے دادا کا

---

(صفحہ ۱۴۴ کا بقیہ حاشیہ)

ہوا کہ بیداری میں دولت ملازمت حاصل کی جائے ، اسی اثنا میں خبر ملی کہ غوث‌الاولیا آسودگان دھلی کی زیارت کے واسطے تشریف لائے ھیں ، میں بے تامل شہر دھلی کی طرف روانہ ہوا ، جب موضع کیلو کھڑی میں پہنچا تو یہاں پر عالم بیداری میں وھی صورت نظر آئی جو عالم مثال میں دیکھ چکا تھا ، جب مدارج بیعت طے ہوئے تو وہ مل گیا جس کی تلاش تھی اور وہ دیکھ لیا جو ملتا نہ تھا ، اس کے بعد میں نے چند سال آپ کے خدمت گزاروں میں کھڑے ہو کر بہت کچھ فیض حاصل کیا ، اتنے میں پیر بزرگوار نے افغانان سور کی بدباطنی دیکھ کر گجرات کی‌طرف ھجرت فرمائی ، درویش بھی آپ کے ھمرکاب بھڑوچ تک گیا تھا ، چند روز بعد احمد آباد میں رھنے کی اجازت ہوئی ، چنانچہ میں اس شہر اسلام میں پہنچا ، اور ملک عمادالملک رومی کی مسجد میں ایک گوشہ اختیار کیا ، چونکہ عالم باطن سے سفر مجاز کا اجازت نامہ نہیں ملا تھا ، لہذا چند روز بعد پیر بزرگوار بھی بھڑوچ سے واپس ہو کر احمد آباد تشریف لے آئے ، یہاں پر بعض کوتہ اندیش عالم اور سطحی نظر رکھنے والے خرقہ پوش آپ کے ساتھ دشمنی کا بہانہ ڈھونڈنے لگے اور نادانستہ اور نافہمیدہ باتیں آپ کی نسبت کہہ کر اس ذریعے سے آپ کے صاف اور شفاف دل کو اور زیادہ روشن کیا ، اس جگہ کا رھنا آپ کو ناگوار ھوا ، یک بارگی آسمان سے خوش خبری

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۶ پر)

اسم گرامی محمد ابراھیم تھا ، آن کی والدۂ ماجدہ خاندان سادات سے تھیں ، جن کی وفات شیخ جلال کی ولادت کے تین ماہ بعد ہوئی ، ان کے والد نے بھی جہاد میں شریک ھو کر شہادت پائی ۔ شیخ جلال کی تعلیم و تربیت آن کے والد کی وفات کے بعد ان کے ماموں سید احمد کبیر سہروردی نے اپنے ذمے لی ، جو ایک عظیم المرتبت درویش تھے اور شاہ جلال سرخ ۱ کے مرید تھے ۔

---

(صفحہ ۱۳۵ کا بقیہ حاشیہ)

ملی کہ ھجرت کا جو سبب تھا وہ دور ھوا ، اور معاودت کا باعث پیدا ھوگیا ، یہ سن کر آپ نے گوالیار کی طرف کوچ فرمایا مگر درویش کو اسی جگہ چھوڑا ، اور آپ کے ارشاد کے بموجب شرح نزھۃ کا تتمہ قلم تصنیف سے مرتب کیا گیا ۔

کہتے ھیں ھجری سن کچھ اوپر نو سو ستر میں شیخ علی شیر ناسوتی تنگ و تاریک کوچے سے لاھوتی نزھت آباد کو روانہ ھوئے ، خواب گاہ احمد آباد میں ھے ۔

(آردو ترجمہ گلزار ابرار — یاد علی شیر بنگالی ۔ صفحہ ۳۰۸—۳۰۹)

۱ ۔ حضرت جلال سرخ کا اسم گرامی جلال الدین ، لقب جلال سرخ تھا ، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ھے :

سید جلال الدین جلال سرخ بن ابی الموید علی بن جعفر بن محمود بن احمد عبداللہ بن علی اصغر بن عبداللہ جعفر بن امام علی نقی رض (بزم صوفیہ صفحہ ۳۹۵)

حضرت جلال سرخ بخارا سے بھکر تشریف لائے ، اور یہیں سکونت اختیار کی ، پھر آپ نے ملتان جا کر حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی سے بیعت کی ، اور مجاھدوں و ریاضتوں کے بعد خرقۂ خلافت حاصل کیا ، آپ کی جلالت شان کا اندازہ اس سے ھوتا ھے کہ سفینۃالاولیا میں ھے کہ :

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۴۷ پر)

تذکرہ اولیائے بنگالہ میں ہے کہ سید احمد کبیر نے ان کو مختلف علوم و فنون کی تعلیم دی تھی ، جوں جوں ان کی عمر زیادہ ہوتی جاتی تھی ، آپ علوم و فنون کے حقائق و معارف سے آگاہ ہوتے جاتے تھے، خصوصاً آپ نے معرفت و طریقت میں کامل دستگاہ حاصل کی......لوگ آپ کو مجرد کہا کرتے تھے ، اس کی دو وجہیں ہیں ۔ ایک تو یہ کہ

---

(صفحہ ۱۴۶ کا بقیہ حاشیہ)

از بزرگان صحیح است ، جلیل القدر و جامع علوم ظاہر و باطن بودند ۔ (سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۱)

بھکر کے دوران قیام ہی میں وہاں کے ایک مشہور امیر سید بدرالدین کی چھوٹی لڑکی سے آپ نے نکاح کیا ، اخبار الاخیار میں ہے کہ اس نکاح کی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے آپ کو دی تھی ، اور اس بشارت سے سید بدرالدین بھی نوازے گئے تھے ۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۶۱)

کچھ عرصے کے بعد خویش و اقارب کے رشک و حسد کی بنا پر آپ بھکر چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور ۶۴۲ھ — ۱۲۴۴ء میں آپ آچ تشریف لے گئے ، اور وہاں محلۂ بخاریاں آباد کیا ، آپ ہی کی بدولت آچ میں اسلام کی غیر معمولی اشاعت ہوئی ، اور یہ شہر اسلام کا مرکز بنا ، پھر آپ نے پنجاب میں شہر جھنگ سیالاں کی بنیاد ڈالی ، اور بہت دن تک مغربی پنجاب میں اعلاء کلمۃ الحق اور تبلیغ اسلام فرماتے رہے ، آپ کی سعی سے کئی قبیلوں نے اسلام قبول کیا ، آپ نے پچانوے سال کی عمر میں ۶۹۰ھ — ۱۲۹۱ء میں آچ میں وفات پائی ، وہیں آپ کا مزار مبارک ہے ۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۶۱ و آب کوثر صفحہ ۳۹۰ — ۳۹۱)

سید جلال سرخ کے چار صاحبزادے تھے ، سید علی ، سید جعفر ، سید محمد غوث ، اور سید احمد کبیر کے دو صاحبزادے مخدوم جلال الدین جہانیاں جہاں گشت اور سید راجو قتال آسمان ولایت پر آفتاب درخشاں بن کر چمکے (تحفۃ الکرام اردو ترجمہ ص ۲۶۷)

آپ نے دنیا کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھا ، اور اپنی جوانی میں جس وقت لوگ مستی اور نشے میں ڈوبے رہتے ھیں شادی اور نکاح کرنا تو درکنار کسی عورت کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ، بلکہ ہمیشہ عبادت و ریاضت اور مشاھدے و مراقبے میں مشغول رہے ۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ کے زمانے میں آپ کے ہم نام اور بھی تین بزرگ موجود تھے (۱) شاہ جلال بخاری (۲) شاہ جلال تبریزی (۳) شاہ جلال گنج روانی ۔ ان ناموں میں امتیاز کرنے کے لیے آپ کو مجرد کے نام سے یاد کرتے تھے ۔

تیس سال تک شاہ جلال نے ایک غار میں عبادت کی ، اس کے بعد آپ کے ماموں نے آپ کی ایک کرامت دیکھ کر ایک مٹھی خاک حجرے کے اندر سے لا کر دی ، اور فرمایا کہ اب تم دنیا کی سیاحت کرو ، اور جس سر زمین کی مٹی اس مٹی کی طرح بو باس ، رنگ اور ذائقہ رکھتی ہو ، وھیں یہ مٹی ڈال دینا ، اور اسی جگہ اقامت اختیار کر لینا[1] ۔

چنانچہ حضرت جلال اس ارادے سے روانہ ہوئے ، اور یمن کے ایک شہر اور دھلی ہوتے ہوئے جہاں آپ کی ملاقات حضرت سلطان المشائخ سے ہوئی ، اپنے رفقا درویشوں کے ساتھ سلھٹ پہنچے[2] ۔

اس میں اختلاف ہے کہ آپ کس سنہ میں سلھٹ پہنچے ، عبدالمالک چودھری نے جو آپ کی سوانح حیات لکھی ہے ، اس میں لکھا ہے کہ سرکاری محافظ خانہ کے رائٹر مسٹر ہنٹر کی تحریر ، اور آپ کے تابعین کی ولادت اور وفات کی تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سنہ ۷۵۰ھ مطابق ۱۳۵۴ء میں سلھٹ میں قدم رنجہ فرمایا ۔

---

۱ ۔ ماخوذ از آب کوثر صفحہ ۳۵۸ — ۳۵۹

۲ ۔ شیخ جلال مجرد یمنی کا وطن عام طور پر یمن مشہور ہے ، لیکن آپ کے مزار پر جو کتبہ لگا ہوا ہے اس میں آپ کا نام شیخ جلال مجرد کنیائی لکھا ہے ، کونیہ ترکستان میں واقع ہے ، اسی لحاظ سے صاحب گلزار ابرار نے آپ کی ولادت ترکستان میں لکھی ہے ۔

مگر سہیل یمن میں ہے کہ آپ سنہ ۸۶۱ھ مطابق سنہ ۱۴۵۶ء میں سلہٹ میں رونق افروز ہوئے۔

مولوی عبدالغفور نساخ نے آپ کی سلہٹ میں تشریف آوری کا قطعۂ تاریخ حسب ذیل لکھا ہے:

چوں پئے فتح ملک بنگالہ
ز عرب شاہ با کمال آمد

خاک سلہٹ ز کفر پاک ازو
بعنایات ذو الجلال آمد

لیک از نامہائے تاریخش
در قدوم اختلاف سال آمد

تا بتحقیق سال مقدم او
دل مشتاق را خیال آمد

بتواریخ و شجرۂ پیراں
آں چہ جستم بصدق دل آمد

الغرض سال مقدمش نساخ
قطب مشرق ''ولی جلال آمد''[۱] (۸۶۱ھ)

اسی زمانے میں سلہٹ میں ایک مسلمان جس کا نام برہان الدین تھا رہتا تھا، اس کے گھر ایک بیٹا پیدا ہوا، اس نے اس خوشی میں ایک گائے ذبح کی، اتفاق سے ایک چیل گوشت کا ایک ٹکڑا جھپٹا مار کر لے گئی، وہ بحالت پروزا ایک برہمن کے گھر میں گر پڑا، برہمن کو گائے کا گوشت دیکھ کر سخت غصہ آیا، اور وہ برہان الدین کی شکایت لے کر راجا گوڑ گوبند کے پاس گیا، راجا نے حکم دیا کہ اس کی تحقیقات کی جائے، تحقیقات کے بعد اس نے اس بچے کو قتل کروا دیا اور اس کے والد

---

۱ - ماخوذ از تذکرۂ اولیاء بنگالہ، تالیف مولانا محمد عبید الحق پرنسپل مدرسۂ عالیہ فینی، صفحہ ۱۲۳ -

کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا ۔ برہان الدین اس ظلم کی شکایت لے کر گوڑ پہنچا ، جہاں اس زمانے میں مسلمانوں کی حکومت تھی ، وہاں سے بادشاہ کے بھانجے سلطان سکندر غازی کی سپہ سالاری میں ایک لشکر اس ظلم کا بدلہ لینے کے لیے بھیجا گیا لیکن یہ لشکر ناکام ہو گیا ، سہیل یمن میں ہے کہ گوڑ گوبند ایک بڑا جادوگر تھا ، اس نے جنوں بھوتوں کا ایک لشکر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے بھیجا ، اور مسلمانوں کو شکست ہوئی ، سلطان سکندر غازی نے صورت حال سے اپنے ماموں کو واقف کرایا ، اس کے ماموں نے ایک اور فوج نصیرالدین سپہ سالار کی قیادت میں سلطان سکندر کی کمک کے لیے بھیجی ، لیکن ابھی تک مسلمانوں پر گوڑ گوبند کے جادو کا اثر باقی تھا ، دونوں سپہ سالاروں نے مل کر فیصلہ کیا کہ شاہ جلال مجرد کی خدمت میں حاضر ہو کر جو تین سو ساٹھ درویشوں کے ساتھ اس علاقے میں تبلیغ و ارشاد میں مصروف تھے دعا اور مدد کی درخواست کی جائے۔ چنانچہ یہ دونوں سپہ سالار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آپ نے ان کا دل بڑھانے کے لیے دعا کی اور فرمایا کہ میں‌اور میرے رفقا تمھاری فوج میں شامل ہو کر دشمن کا مقابلہ کریں گے ۔ پھر آپ نے اور آپ کے رفقاء نے شریک ہو کر دشمن کا مقابلہ کیا ، آپ کی شرکت کا یہ اثر تھا کہ اب مسلمان گوڑ گوبند کے جادو سے ڈرتے نہ تھے ، اور نہ ان پر اس کے جادو کا اثر ہوتا تھا ، چند ہی دن میں ۱۳۰۳ء — ۷۰۳ھ میں سلہٹ آسانی سے فتح ہو گیا ۔

شاہ جلال نے اسی زمانے میں دیکھا کہ سلہٹ کی مٹی خوش بو اور رنگ میں اس مٹی سے ملتی تھی جو آپ کے ماموں نے آپ کو دی تھی ۔ آخر آپ نے اپنے رفقاء کے ساتھ جو اس پر تیار تھے سلہٹ میں آباد ہونے کا فیصلہ کیا ۔

سہیل یمن کی ان میں سے بعض روایتیں ، خواہ کسی قدر بھی درایت سے بعید ہوں ، لیکن یہ ایک حقیقت بجائے خود مسلم ہے کہ سلہٹ کی فتح حضرت شاہ جلال مجرد کی برکت اور معیت سے ہوئی ۔

**رشد و ھدایت :** سلھٹ میں قیام فرمانے کے بعد سینتیس سال شاہ جلال مجرد حیات رھے ، اس مدت میں آپ کا ابتدائی زمانہ کچھ تو یہاں کے انتظامات کو درست کرنے میں گزرا ، باقی تمام وقت تبلیغ دین اور ارشاد و ھدایت میں بسر ھوا[1] -

**رفقاء کی آباد کاری :** مقامی روایات کے مطابق شاہ جلال نے اپنے رفقاء کو سلھٹ ، لاتو ، ھاپینہ ٹیلہ اور ھمنگ ٹیلے میں بسایا -

**ابن بطوطہ کی روایتیں :** ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامے میں جس بزرگ جلال الدین سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کیا ھے ، وہ یہی شاہ جلال مجرد سلھٹی ھیں ، ابن بطوطہ (۱۳۲۲ — ۱۳۱۱ء) بنگال سے گزرا تو شاہ جلال کی خدمت میں بھی حاضر ھوا ، وہ ۱۳۴۷ء — ۷۴۶ھ میں چین پہنچا تو اسے شاہ جلال کی وفات کی خبر ملی ، ابن بطوطہ نے لکھا ھے کہ وہ بدن کے ھلکے پھلکے تھے ، قد لانبا تھا ، اور رخسارے لگے ھوئے تھے ، ایک غار میں پڑے یاد الہی میں مستغرق رھتے تھے ، اور چالیس سال سے برابر روزے رکھتے تھے ، دس دن میں ایک دفعہ افطار کرتے تھے ، آن کے ھاتھ پر اس (پہاڑی) ملک کے اکثر باشندوں نے اسلام قبول کیا ھے ، اس ملک کے ھندو مسلمان سب شیخ کی زیارت کو آتے ھیں ، اور آن کے لیے تحفے اور نذر لاتے ھیں ، اس سے فقرا اور مساکین کھاتے ھیں ، اور شاہ جلال فقط اپنی گائے کے دودھ پر گزارہ کرتے ھیں - سلھٹ میں اب بھی لوگ شاہ جلال کے گن گاتے ھیں[2] - شمال مشرق بنگال اور سلھٹ میں اسلام کی اشاعت شاہ جلال ھی کی مرھون منت ھے -

---

۱ - سھیل یمن اور تاریخ جلالی (قلمی) تالیف مولوی مظھر الدین احمد صدیقی کی یہ تمام روایات آب کوثر صفحہ ۳۵۷ تا ۳۶۱ سے ماخوذ ھیں -

۲ - ابن بطوطہ کی یہ تمام روایات مسلم بنگالی ادب صفحہ ۳۰ اور آب کوثر صفحہ ۳۴۱ سے ماخوذ ھیں -

**وفات :** شیخ محمد اکرام نے آب کوثر میں آپ کی تاریخ وفات کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ۱۳۰۳ء میں سلہٹ فتح ہوا ، اور ۲۰ ذیقعدہ ۷۴۰ھ یعنی ۱۸ مئی ۱۳۴۰ء میں حضرت شاہ جلال نے وفات پائی ، تاریخ وفات ''شاہ جلال مجرد قطب بود'' کے جملے سے نکلتی ہے[۱] -

مولانا محمد عبیدالحق پرنسپل مدرسۂ عالیہ فینی نے اپنی تالیف ''تذکرۂ اولیائے بنگالہ'' کےصفحہ ۱۳۱ پر آپ کی تاریخ وفات کے اختلافات دیتے ہوئے لکھا کہ

مسٹر ہنٹر تاریخ نویس سرکاری کی رپورٹ اور اکثر کے قول سے سال وفات ۸۱۵ھ مطابق ۱۳۹۷ء ثابت ہوتا ہے، صاحب سہیل یمن لکھتے ہیں کہ آپ نے ۸۹۱ھ — ۱۴۸۶ء رحلت فرمائی ، چنانچہ مولوی عبدالغفور نساخ ڈیوٹی مجسٹریٹ ڈھا کہ نے سال وفات کو یوں نظم فرمایا ہے :

تاریخ وفات ذو البحرین
عارف حق حضرت شاہ جلال
نیر روشن دل انوار حق
غازئ دین ، والئ ملک ھدا
واصل حق شد پئے دیدار حق
.................................
ھاتف غیب آمدہ سالش بگفت
''گوھر یک دانۂ اسرار حق''
۸۹۱ھ

فخر المحدثین جمیل انصاری صاحب مدرس عالیہ کلکتہ نے تاریخ وفات یوں لکھی ہے :

بسلہٹ سبز شد چوں کشتِ اسلام
ز فیض آں ولیِ پاک مرتاض

---

۱ - آب کوثر صفحہ ۳۶۲
۲ - تاریخ اولیائے بنگالہ حصہ اول ، صفحہ ۱۳۱ - ۱۳۲

شد او خود فیضیاب از وصل یزداں
بتاریخی کہ دارد لفظ "فیاض"
۸۹۱ھ

ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی نے اپنی کتاب مسلم بنگالی ادب کے صفحہ ۳۱ پر شاہ جلال کا سن وفات ۱۳۴۷ء - ۷۴۸ھ بتایا ہے[۱] -

**مزار :** شاہ جلال کا مزار پر انوار سلہٹ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے -

مزار کے چاروں طرف قائمہ خشتی بلند واقع ہے ، مشرقی پہلو میں شہزادہ یمن شیخ علی کا مزار ہے ، اور آتر پچھم قائمہ کی بغل میں وزیر زادہ مقبول خاں کا مزار ہے ، اور اس سطح کے مغربی حصے پر مسجد کوچک ہے ، وہاں زائرین تلاوت کیا کرتے ہیں[۲] -

شاہ جلال کے ساتھیوں کی قبریں شہر سلہٹ کے مختلف مقامات پر جا بجا واقع ہیں - تذکرۂ اولیائے بنگالہ کے مؤلف مولانا محمد عبیدالحق صاحب نے اپنی کتاب کے حصۂ اول کے آخر میں تاریخ جلالی سے شاہ جلال کے ۳۲۲ رفقا، اور سوانح شاہ جلال سے آپ کے ۷۴ رفقاء کے ناموں کی فہرست دی ہے -

---

۱ - مسلم بنگالی ادب صفحہ ۳۱

۲ - تذکرۂ اولیائے بنگالہ حصہ اول ، صفحہ ۱۳۲ بحوالۂ تاریخ جلال مصنفہ منصور علی ، و سوانح عمری حضرت شاہ جلال مؤلفہ عبدالمالک چودھری -

## (۱۹)

# شاہ جلال

**حالات :** شاہ جلال شیخ پیارا[۱] کے مرید و خلیفہ ، صاحب تصرف و کرامت اور اپنے وقت کے صاحب کمال بزرگوں میں تھے ، ظاہر و باطن کے اعتبار سے عظیم المرتبت تھے ، وہ اگرچہ گجرات کے رہنے والے تھے لیکن بنگال کے شہر گوڑ میں بود و باش اختیار کر لی تھی ۔

معارج الولایت میں ہے کہ انھوں نے اپنی عالیشان خانقاہ میں بادشاھوں کی طرح تخت رکھا تھا ، اور اس پر بیٹھ کر اپنے مریدین اور معتقدین کے نام احکام جاری کرتے تھے ، بادشاھوں کی حکومت لوگوں کے جسموں پر تھی لیکن اُن کی حکومت لوگوں کے قلوب پر تھی ، ان کی ھر دلعزیزی اور مقبولیت کو دیکھ کر حاسدین نے بادشاہ کو بھڑکایا کہ اگر چند روز یہی حالت رہی تو آپ کو حکومت سے ھاتھ

---

۱ - شیخ پیارا اگرچہ سید یداللہ کے مرید تھے ، لیکن انھوں نے تربیت اور علوم باطنی کی تکمیل حضرت میر سید محمد خواجہ گیسو دراز سے کی تھی ، کہتے ھیں کہ جب وہ پہلی مرتبہ حضرت خواجہ گیسو دراز کی خدمت میں حاضر ھوئے تو انھوں نے پوچھا اے درویش ! کبھی تم عاشق بھی ھوئے ھو ، انھوں نے شرما کر اور محجوب ھو کر عرض کیا کہ بندہ تو عشق کی راھیں آپ سے سیکھنے کے لیے آیا ھے ، میں عشق کو کیا جانوں ، فرمایا کہ اس استفسار سے تمھارے حال کا امتحان اور تمھارے مشرب کا جاننا مقصود ھے ، اگر تم
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵۶ پر)

دھونے پڑیں گے ، بادشاہ یہ سن کر خوف محسوس کرنے لگا ، ارو اس نے شاہ جلال اور ان کے مریدوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا ، چنانچہ فوج ان کو اور ان کے مریدوں کو قتل کرنے کے لیے ان کی خانقاہ میں پہنچی ، اور شاہ جلال اور ان کے مریدوں کو بے دریغ شہید کر دیا ۔

کہتے ہیں کہ جب قاتل شیخ جلال کی خانقاہ میں داخل ہو کر ان کے مریدوں کو قتل کر رہے تھے ، ہر مرید کی شہادت کے وقت شاہ جلال کی زبان پر یا قہار یا قہار تھا ، جب انھوں نے خود شاہ جلال

---

(صفحہ ۱۵۵ کا بقیہ حاشیہ)

کہیں عاشق ہوئے ہو تو ظاہر کرو اور شرماؤ نہیں ، اس پر شیخ پیارا نے عرض کیا کہ میں ایک ہندو عورت پرعاشق ہوا تھا ، لیکن کسی صورت سے میں اس کی دولت دیدار کو حاصل نہ کر سکا ، آخر میں نے زنار گلے میں ڈالی اور اس بت خانے میں پہنچا جہاں وہ پوجا کے لیے آتی تھی تا کہ میں اس کے جمال سے اپنی آنکھوں کو سیراب کروں ، حضرت خواجہ گیسو دراز نے یہ سن کر ان کو گلے سے لگا لیا ، اور فرمایا کہ تم کس قدر بلند ہمت ہو ، تم جیسا مجھے کہاں ملے گا کہ میں اسے خدا کی محبت کے طریقے سکھاؤں ، یہ کام بڑے عالی ہمتوں کا ہے ، ایمان سے زیادہ تمھیں کون سی چیز عزیز ہو سکتی تھی ، لیکن تم نے اس کو بھی محبت کی راہ میں قربان کر دیا ، اب میں تمھیں عشق حقیقی کا درس دوں گا ، پھر آپ نے ان کو بیعت سے سرفراز فرمایا ، اور حضرت بابا فرید گنج شکر کے اس حجرے میں جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے روضۂ مبارک میں ہے چلے کھچوا کر انوار معرفت کو ان میں منعکس کر دیا ، پھر وہ حضرت خواجہ گیسو دراز کے حکم سے سید ید اللہ سے بیعت ہوئے۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار ۔ صفحہ ۱۷۲ — ۱۷۳ و خزینۃ الاصفیا جلد اول صفحہ ۳۹۷)

کے تلوار ماری تو ان کی زبان پر یا رحمٰن یا رحمٰن تھا ، اور یہی کلمہ پڑھتے ہوئے وہ رحمت حق سے پیوست ہو گئے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جب ان کا سر تن سے جدا ہو کر زمین پر گرا تو اللہ اللہ کی آواز آتی تھی[۱]۔

شاہ جلال کی شہادت کا واقعہ ۸۵۱ھ — ۱۴۷۶ء میں پیش آیا ، منشی رحمان علی طیش کے قول کے مطابق آن کا مزار موجودہ گورنمنٹ ہاؤس ڈھاکہ کی چار دیواری میں واقع ہے ، یہ علاقہ پہلے موتی جھیل کہلاتا تھا۔

---

۱ - اخبار الاخیار صفحہ ۱۷۳

(۲۰)

## شاہ چاند اولیاء

**حالات :** شاہ چاند اولیا چاٹگام کے مشہور بارہ اولیا اللہ میں ہیں جو آج سے پانچ سو سال قبل پندرھویں صدی عیسوی میں بنگال تشریف لائے۔ مشہور ہے کہ وہ دھلی کے نواح میں کسی مقام پر درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے ، اُسی زمانے میں خاندان شاھی کی ایک خاتون کو ایسے شوھر کی تلاش تھی جو اس کی مرضی کے مطابق ھو ، لیکن تلاش کے باوجود ایسا شوھر نہیں مل سکا ، اور وہ خاتون اپنی ناکامی پر اداس رھنے لگی ، آخر وہ آپ کی خانقاہ میں حاضر ھوئی ، اور اپنا سارا حال آپ سے بیان کیا ، لیکن شاہ چاند نے اس کو کشفی طور پر جواب دیا کہ تمھاری شادی نہیں ھو گی ، خاتون یہ جواب سن کر بے حد مایوس ھوئی ، اور اُس نے شاھی دباؤ ڈال کر اس کی کوشش شروع کی کہ کسی طرح خود شاہ چاند اس سے شادی کر لیں ۔

**بنگال میں تشریف آوری :** جب آپ پر شادی کے لیے دباؤ پڑا تو شاہ چاند مجبور ھو کر دھلی سے بنگال چلے آئے ، اور آپ نے چاند پور میں قیام کیا جو دریائے میگنا کے ساحل پر ھے ، لیکن کسی وجہ سے کچھ عرصے کے بعد آپ چاٹگام کے قریب دریائے سنکا کے ساحل پر ایک اور بستی جو چاند پور کے نام سے موسوم ھے تشریف لائے اور وھاں مقیم ھو گئے ، آخر اس بستی کو بھی کسی وجہ سے آپ نے چھوڑ دیا ، اور پٹیہ نامی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کی ۔

شاھی خاندان کی وہ خاتون جو آپ سے شادی کی خواھاں تھی ، آپ کو تلاش کرتی ھوئی پٹیہ پہنچی ، اُس کے پٹیہ میں پہنچنے کے کچھ

دن بعد شاہ چاند نے وفات پائی ، آپ کی وفات کے بعد وہ خاتون آپ کے مزار کی مجاورہ بن کر رہنے لگی -

آج بھی پٹیہ میں ایک خاندان ہے جو شکن قاضی کہلاتا ہے ، اس خاندان کے افراد اپنا سلسلۂ نسب شاہ چاند کی خانقاہ کے خدام سے ملاتے ہیں جو اس خاتون کے رشتے دار کی حیثیت سے پٹیہ میں آئے تھے -

**مزار:** شاہ چاند اولیاء کا مزار پُر انوار دریائے سری ماتی کے ساحل پر پٹیہ سے ڈیڑھ میل کے فاصلے پر واقع ہے[1] -

---

۱ - ہسٹری آف صوفیزم ان بنگال صفحہ ۲۶۲

( ۲۱ )

# شیخ حسین ڈھاکر پوش

**حالات :** شیخ حسین ڈھاکر پوش حضرت علاء الحق کے عظیم المرتبت خلفاء میں سے ہیں ، اپنی تعلیم اور روحانی تربیت کے بعد شیخ حسین نے پورینہ کو مرکز بنا کر ترویج اسلام کا کام شروع کیا یہیں شیخ حسین نے ایک خانقاہ بھی تعمیر کی ۔ جس زمانے میں کہ بنگال میں راجا گنیش کے مظالم کی چکی بڑی تیزی سے چل رہی تھی ، یہ بزرگ بھی اس کے مظالم سے نہ بچ سکے ، اس ظالم نے آپ کے صاحبزادے مخدوم شاہ حسین کو شہید کر دیا ۔ حضرت میر اشرف جہانگیر کو جب یہ معلوم ہوا تو انھوں نے آپ کو ایک ہمدردانہ اور تعزیتی خط لکھا ، اس خط میں تحریر فرمایا :

''جو لوگ اللہ کے راستے پر چلتے ہیں ، ان کو بہت سی آفات ارضی و سماوی کو سہنا پڑتا ہے ، اور مختلف تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے ............ امید ہے کہ انشا اللہ تعالیٰ سہروردیہ اور سابقہ صوفیائے کرام کے روحانی فیض سے بہت جلد یہ اسلامی قلمرو بد بخت کافروں سے آزاد ہو جائے گی ، شاہی فوج یہاں سے روانہ کی جا رہی ہے تاکہ وہ مسلمانوں کی مدد کر سکے اور جلد نتائج ظاہر ہوں ۔

میرے مخدوم زادے جو کہ گلستان علائی اور خالدیہ خاندان کے ایک مہکتے ہوئے پھول ہیں ، میں انھیں اس درویش کی حمایت کا مکمل یقین دلاتا ہوں ۔''

شیخ حسین کی بیوی ، بی بی کمال بھی ایک ولیہ خاتون تھیں ، اور موضع کاکو ضلع گیا کی رھنے والی تھیں ، بی بی کمال کے والد کا نام سلیمان لنگر زمین تھا ، اور ان کی والدہ بی بی جدہ مشہور جتولی صوفی مخدوم شہاب الدین پیر جگجوت کی صاحبزادی تھیں[1] -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سوشل ھسٹری آف مسلم ان بنگال صفحہ ۱۱۱ سے ماخوذ ہے -

( ۲۲ )

## مولانا شیخ حمید دانشمند

**حالات :** سرکار شریف آباد میں ، ضلع بردوان کے شمال میں ایک قصبہ منگل کوٹ ہے جو اپنی علمی خصوصیات کی بنا پر علمی اہمیت رکھتا ہے ، اسی قصبے میں مولانا شیخ حمید الدین قاضیوں کے خاندان میں پیدا ہوئے ، آپ کے جد اعلیٰ قاضی ضیاء الدین مشہور بہ احمد سالار شاہ صفی الدین کے ہمراہ بنگال تشریف لائے ، مولانا حمید الدین کو ان کے والدین نے تعلیم پانے کے لیے لاہور بھیجا جہاں انھوں نے علوم ظاہری کی تکمیل کی ، ظاھری علوم میں آپ کو صوفیہ مخالف بنا دیا اتفاق سے اسی زمانے میں حضرت مجدد الف ثانی[۱] بھی لاھور میں تھے ، لیکن صوفیہ کے بالطبع مخالف ھونے کی وجہ سے مولانا شیخ حمید کبھی حضرت مجدد صاحب

---

۱ - حضرت مجدد الف ثانی کا اسم گرامی احمد ، لقب بدر الدین ، کنیت ابوالبرکات اور عرف امام ربانی تھا ، آپ کے والد کا نام شیخ عبدالاحد تھا ، جو حضرت عبدالقدوس گنگوھی کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کے مرید و خلیفہ تھے ، حضرت مجدد الف ثانی کی ولادت با سعادت ۲۶- جون ۱۵۶۴ء —۹۷۲ھ کو سرھند میں ھوئی ، ابتداً حضرت مجدد الف ثانی نے اپنے والد ماجد سے تعلیم حاصل کی ، پھر سیالکوٹ میں مولانا کمال کشمیری سے تعلیم حاصل کی ، اور حدیث و تفسیر کی تعلیم قاضی بھلول بدخشانی سے حاصل کی ، حصول تعلیم کے بعد آپ اکبر آباد میں مقیم رھے ، اکبر آباد سے واپسی پر آپ کی شادی تھانیسر کے ایک رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے ھوئی ، ۱۰۰۸ھ — ۱۵۹۹ء میں آپ نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۴ پر)

سے نہ ملے ، علوم رسمیہ کی تکمیل کے بعد آپ دھلی تشریف لائے اور مفتیٔ لشکر مولانا عبدالرحمن کابلی[۱] کے مکان پر ٹھہرے ، یہاں اتفاقاً آپ کی ملاقات حضرت مجدد الف ثانی سے ہو گئی ، کچھ گفتگو اور بحث کے بعد آپ حضرت مجدد الف ثانی کے اس قدر معتقد ہوئے کہ سب کچھ تج کر ان کی خدمت میں رھنے لگے ، حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ایک سال تعلیم باطنی دینے کے بعد خلافت سے سرفراز فرمایا ، اور اپنے مرشد کی کھڑاویں اپنی دستار میں لپیٹ کر اپنے وطن منگل کوٹ واپس ہوئے اور ساری عمر منگل کوٹ میں رشد و ھدایت میں مصروف رھے ۔

**شاھجہاں کی عقیدت :** مشہور ھے کہ شاہ جہاں آپ کا بے حد معتقد تھا ، جب وہ منگل کوٹ آیا تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر

---

(صفحہ ۱۶۳ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ سے بیعت کی ، اور ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد خلافت سے سرفراز ھوئے ، خلافت کے بعد آپ اپنے شیخ کے ارشاد پر لاھور میں ارشاد و ھدایت کرتے رھے ، ۱۰۱۲ھ—۱۶۰۳ء میں اپنے شیخ کی وفات کے بعد آپ نے اپنے وطن سرھند میں ارشاد و ھدایت کا سلسلہ شروع کیا ۱۰۲۹ھ—۱۶۱۹ء میں آپ کے مجددانہ فیوض و برکات ھندوستان اور ھندوستان کے باھر پھیل چکے تھے ، جہانگیر نے آپ کو ظالمانہ طریقے پر ایک سال تک قلعۂ گوالیار میں قید رکھا ، آخر اپنی غلطی پر نادم ھو کر معافی کا خواھاں ھوا اور آپ کو رھا کر دیا ، آخر میں جہانگیر آپ کا بے حد معتقد ھو گیا تھا ، ۲۸ - صفر ۱۰۳۴ھ—۱۶۲۴ء کو آپ واصل الی اللہ ھوئے ۔

حضرت مجدد الف ثانی کی تصانیف میں رسالہ تہلیلیہ ، رسالہ اثبات النبوۃ ، رسالہ مبدء و معاد ، رسالہ آداب المریدین ، رسالہ معارف لدنیہ ، رسالہ ردالشیعہ ، تعلیقات العوارف ، شرح

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۵ پر)

۱ - حاشیہ صفحہ ۱۶۶ پر

مستفیض ھوا ، اور آپ کے مدرسے اور خانقاہ کے لیے اسّی ھزار سالانہ آمدنی کی وسیع اراضی کا فرمان جاری کیا ۔

**حضرت مجدد الف ثانی کے خطوط :** حضرت مجدد الف ثانی کی مکتوبات میں حضرت مجدد کے کئی خطوط مولانا شیخ حمید الدین کے نام ملتے ھیں ، پہلی جلد میں ایک مکتوب نمبر ۲۲۰ اور جلد ثانی میں ایک مکتوب نمبر ۳۶ آپ کے نام ہے ۔

حضرت مجدد الف ثانی کو آپ کا خاص خیال تھا ، ایک خط میں

---

(صفحہ ۱۶۴ کا بقیہ حاشیہ)

رباعیات حضرت خواجہ باقی باللہ ، مکتوبات امام ربانی (تین جلدیں) مشہور ھیں ، آپ کا مزار مبارک سرھند میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

آپ کے حالات حسب ذیل کتابوں میں ملتے ھیں

(۱) گلزار الاولیاء ، از مولوی مظفر حسین ، صفحہ ۳۳ - ۳۷ (۲) علماء ھند کا شاندار ماضی صفحہ ۱۶ - ۳۱۹ (۳) سفینۃ الاولیاء صفحہ ۲۲۷ - ۲۴۸ (۴) رود کوثر از شیخ محمد اکرام ، صفحہ ۲۰۹ - ۲۸۵ (۵) زبدۃ المقامات (۶) حضرات القدس جلد دوم (۷) مفتاح التواریخ ، صفحہ ۲۳۰ - ۲۳۱ (۸) حدائق الحنفیہ ، صفحہ ۴۰۵ - ۴۰۶ (۹) خزینۃ الاصفیاء جلد اول ، صفحہ ۶۰۷-۶۰۹ (۱۰) ابجد العلوم ، صفحہ ۸۹۸ - ۹۰۰ (۱۱) انوار العارفین ، صفحہ ۳۷۹ - ۳۸۷ (۱۲) توزک جہانگیری ، صفحہ ۲۷۴ - ۲۷۵ (۱۳) نزھۃ الخواطر جلد پنجم ، صفحہ ۴۱ - ۵۳ (۱۴) سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی از محمد احسان اللہ عباسی (۱۵) حیات مجدد از محمد قربان

(یہ تمام تفصیل تذکرۂ صوفیائے سندھ کے صفحہ ۵۳ سے ماخوذ ہے ، تصانیف کی تفصیل تذکرۂ علمائے ھند صفحہ ۹۰ و ۹۱ سے ماخوذ ہے ۔

شکایت کرتے ہوئے تحریر فرمایا :

''اخوی رشید میاں شیخ حمید ، عجب انزوا اختیار نمودند کہ سلام و پیام را ہم آنجا گنجایش کمتر است ، دریں ہفت و ہشت سال یک کتابت از جانب شما رسیدہ ، آنہم ناتمام و بے سر انجام کتابت ہا کہ ازیں جانب میرود معلوم نیست کہ بشما می رسد یا نہ ۔

اسی خط میں آگے چل کر تحریر فرمایا کہ میں شیخ عبدالحی۱ کو جو پانچ

---

(صفحہ ۱۶۴ کا حاشیہ)

۱ ۔ مفتی عبدالرحمن حنفی کابلی اپنے دور کے مشہور علماء میں تھے ، فقہ ، اصول فقہ اور ادب میں غیر معمولی شہرت رکھتے تھے ، وہ عہد شاہجہاں میں شہر آگرہ میں مفتیٔ عسکر مقرر ہوئے ، اور جب حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی آگرہ تشریف لائے تو آن کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے ۔ (نزہۃالخواطر جلد ۵ ، صفحہ ۲۱۴)

۱ ۔ شیخ عبدالحی حصاری بن خواجہ چاکر حنفی الحصاری علم و فضل کے اعتبار سے غیر معمولی شہرت رکھتے تھے ، ان کا اصل وطن حصار شادمان نواح اصفہان میں تھا ، وہ اپنے وطن سے ہندوستان آئے اور حضرت مجدد الف ثانی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے ، صاحب نزہۃ الخواطر کا بیان ہے کہ وہ جلیل القدر عالم اور صاحب مقامات عالیہ تھے ، اور اس زمانے میں تقوی اور تورع میں ان کی نظیر نہ تھی ، وہ اپنے طریقے پر مضبوطی سے مستقیم تھے ، آخر عمر میں وہ پٹنہ میں مقیم ہو گئے تھے ، ان کی تصانیف میں نور الخلائق ہے ، جس میں انھوں نے اپنے شیخ کے مکاتیب کو جمع کیا ہے ، اس میں ۹۹ مکتوب ہیں ، جو مکاتیب حضرت مجدد الف ثانی کی دوسری جلد ہے ، یہ مکتوبات انھوں نے ۱۰۲۸ھ — ۱۶۱۹ء میں جمع کیے تھے ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۶۷ پر)

سال میرے ساتھ رہے ہیں ، تمھارے پاس بھیج رہا ہوں تا کہ تمھارے حالات سے آگاہی حاصل کریں ، اور آیندہ کے لیے مناسب مشورے دیں ۔

**وفات :** مولانا حمید الدین دانشمند نے منگل کوٹ میں وفات پائی ، آن کا مزار اب شکستہ حالت میں ہے ، مزار کے قریب ایک مسجد ہے[1] ۔

---

(صفحہ ۱۶۶ کا بقیہ حاشیہ)

شیخ عبدالحی نے ۱۰۷۰ھ — ۱۶۵۹ء میں وفات پائی ۔

(نزھۃ الخواطر جلد ۵ ، صفحہ ۲۱۲ - ۲۱۳ و خزینۃ الاصفیاء جلداول ، صفحہ ۶۳۶ - ۶۳۸)

۱ - یہ تمام تفصیل حضرات القدس سے ماخوذ ہے ۔

(۲۳)

## خان جہاں

خان جہاں جو خان جہاں خان اور خان جہان عالی کے نام سے موسوم ہیں بنگال کے زبردست صوفی و مجاہد گزرے ہیں ۔ ترویج اسلام کے سلسلے میں ان کی خدمات ناقابل فراموش ہیں ۔ روایات کے مطابق موجودہ کھلنا کو ، جو اس زمانے میں ایک دشوار گزار مقام تھا ، خان جہان نے ہی فتح کیا تھا ۔ اور فتح کرنے کے بعد اس علاقے میں اسلام کی اشاعت بھی انھی کا کارنامہ ہے ۔ ان کے مزار کے کتبے سے پتا چلتا ہے کہ ترویج اسلام کے سلسلے میں ان کا نام سب سے پیش پیش ہے ۔ خان جہان کا مقبرہ ۸۶۳ھ — ۵۹-۱۴۵۸ء میں تعمیر کیا گیا تھا ۔ اس مقبرے کو ان کے ایک عقیدت مند مرید محمد طاہر نے، جو پیر علی کے نام سے موسوم ہیں ، تعمیر کرایا تھا ۔ پیر علی پہلے ایک برهمن تھے اور بعد میں خان جہان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے تھے ۔ ہر سال آپ کے مزار پر عرس ہوتا ہے اور ہندو مسلمان مل جل کر اس میں شرکت کرتے ہیں ۔

یہ عرس ہر سال چیت کے مہینے میں ہوتا ہے[۱] ۔

---

۱ ۔ سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال صفحہ ۱۳۳ — ۱۳۴ مصنفہ ڈاکٹر محمد عبدالرحیم

( ۲۴ )

# مخدوم شاہ دولہ شہید

**حالات :** حضرت مخدوم شاہ دولہ شہید ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے صحابی حضرت معاذ بن جبل کی اولاد سے ہیں ، وہ جب یمن سے عازم ہندوستان ہوئے تو راستے میں ان کی ملاقات حضرت جلال الدین بخاری سے ہوئی ، جنھوں نے ان کو دو کبوتر دیے ، ان کا جہاز مشرق کی طرف چلتا رہا یہاں تک کہ شہزاد پور ضلع پبنہ میں آ کر رکا ۔ شاہ دولہ اور ان کے رفقاء ، یہیں سکونت پذیر ہوگئے ۔ ایک مسجد تعمیر کی اور تبلیغی کاموں میں مصروف ہوگئے ۔ یہاں کا راجا جو کہ پورے بہار اور بنگال کا مالک تھا ، غیر ملکی لوگوں کی نوآبادی کے خلاف تھا ، اس نے آپ کے اس علاقے میں آباد ہونے پر مزاحمت کی ، حضرت شاہ دولہ اور آپ کے بیشتر رفقاء شہید ہوگئے ۔ شاہ دولہ کی ہمشیرہ نے ایک تالاب میں کود کر جان دےدی تاکہ وہ ہندوؤں کے مظالم سے اپنی عزت کو محفوظ رکھ سکیں ۔ اسی دن سے اس تالاب کا نام ''ستی ببر گھاٹ'' پڑ گیا ۔ آپ کا سر مبارک بہار لے جایا گیا اور راجا نے وہاں کے مسلمانوں پر اپنی رواداری اور انصاف کا سکہ جمانے کے لیے سر کو دفن کرا دیا اور ایک مسجد بھی تعمیر کرائی ۔

ادھر ان کے مریدوں نے جسم کے باقی حصے کو شہزاد پور میں دفن کر دیا اور وہاں ایک مسجد تعمیر کی ۔ آپ کا مزار مبارک آج بھی خاص و عام کی دلچسپی کا مرکز ہے ۔

**مزار :** حضرت شاہ دولہ کا مزار پر انوار اور ان کی خانقاہ شہزاد پور ضلع پبنہ میں واقع ہے ۔ شہزاد پور کی مسجد جس کے متصل

یہ خانقاہ ہے ، اس کو ۲۲۷ بیگھے معافی کی زمین وقف ہے [1] -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال سے ماخوذ ہے -

(۲۵)

## شاہ میر ڈھاکر علی

**حالات :** مقامی روایات کے مطابق شاہ میر ڈھاکر علی شیخ حمید دانشمند کی وفات کے کچھ سال بعد منگل کوٹ تشریف لائے، اور منگل کوٹ ہی میں رشد و ہدایت کی شمع روشن کی، اور یہیں وفات پائی۔

آپ سے بہت سی کرامتیں منسوب کی جاتی ہیں۔

(۲۶)

# سیدنا حضرت ذاکر علی

**حالات :** سیدنا ذاکر علی سلسلۂ قادریہ کے بزرگوں میں تھے ، وہ ۱۷۶۴ء — ۱۱۷۸ھ میں اپنے والد اور دوسرے عزیزوں کے ساتھ ایک غیبی اشارے کی بنا پر بنگال آئے ، اور منگل کوٹ ضلع بردوان میں سکونت پذیر ہوگئے ، چند روز کے بعد آپ کے والد اور دوسرے اعزاء تو بغداد واپس چلے گئے لیکن سیدنا ذاکر علی ، ان کے بھائی سیدنا روشن علی ، ان کے بھتیجے سیدنا طفیل علی یہیں رہ گئے ، پھر سیدنا روشن علی نے بہار کے ضلع پورینہ میں اقامت اختیار کی اور وہاں مقیم ہوکر سلسلۂ قادریہ کے فیوض و برکات کو عام کیا ، سیدنا حضرت ذاکر علی اور آن کے بھتیجے سیدنا طفیل علی نے منگل کوٹ میں رہ کر بنگال میں سلسلۂ قادریہ کی تعلیمات کو فروغ دیا ، وہیں انھوں نے ایک خانقاہ تعمیر کی ، اسی خانقاہ میں شمعِ معرفت کے پروانے ان کے گرد جمع ہوتے تھے اور وہ معرفت الہیٰ کی راہیں ان پر وا کرتے تھے ۔

سیدنا ذاکر علی اکیاسی سال کی عمر میں ۱۷۷۸ء — ۱۱۹۲ھ میں رحمت حق سے پیوست ہوگئے ۔ آن کے بعد آن کے بھتیجے سیدنا شاہ طفیل علی ، جو آن کے داماد بھی تھے ، ان کی جگہ رونق افزائے مسند رشد و ہدایت ہوئے ۔ سیدنا شاہ طفیل علی نے اپنی پہلی بیوی کی وفات کے بعد جو سیدنا ذاکر علی کی صاحبزادی تھیں دوسری شادی مولانا شہباز بھاگلپوری[۱] کے ممتاز خلیفہ دیوان سید رجی البلخی (مشہور بہ چندن

---

۱ ۔ مولانا شہباز محمد بھاگلپوری بن محمد بن خیر بن علی بن علی بن اسماعیل بن (باقی حاشیہ صفحہ ۱۷۶ پر)

شہید) کے خاندان میں کی ، اس کے بعد ان کا زیادہ وقت مدنا پور میں گزرا ، وفات سے کچھ دن پہلے وہ مدنا پور ہی میں تھے ، لیکن جب انھوں نے بیماری سے مایوسی محسوس کی تو اپنے مرشد کے قریب مدفون ہونے کے لیے منگل کوٹ روانہ ہوگئے ، ابھی منگل کوٹ پہنچنے بھی نہ پائے تھے کہ راستے ہی میں وفات ہوگئی ، نعش مبارک منگل کوٹ لائی گئی اور ۱۸۳۶ء — ۱۲۵۲ھ میں آپ وہیں مدفون ہوئے۔

سیدنا حضرت طفیل علی کے بعد ان کے صاحبزادے سیدنا مہر علی قادری نے جو حضرت اعلی حضور کے لقب سے مشہور تھے مسند ارشاد کو رونق بخشی ، ان کی ولادت با سعادت ۱۸۰۸ء — ۱۲۲۳ھ میں مدنا پور میں ہوئی ، اور وہیں انھوں نے ارشاد و تلقین کی محفل گرم کی ، وہ بردوان ، مرشد آباد ، بیر بھوم ، ہگلی بانکورا اور اطراف مدنا پور کا دورہ کر کے

---

(صفحہ ۱۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

اسحاق بن سعدی بن یعقوب بن محمد بن محمود بن مسعود بن احمد حسینی لاھوری ثم بھاگلپوری ، شیخ کمال الدین حسینی ترمذی کی اولاد میں سے تھے، یہ ۹۵۳ھ — ۱۵۴۶ء میں بہار کے ایک موضع دیورہ میں پیدا ہوئے ، اور شیخ شاہ محمد دیوری سے تعلیم حاصل کی ، پھر شیخ یسین سلہانوی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر بھاگلپور میں منتقل ہو گئے ، آس وقت آن کی عمر تیس سال کی تھی ، وہ ہمیشہ درس و تدریس میں مشغول رہتے ، درس و تدریس میں آنھیں اس قدر انہاک تھا کہ آنھوں نے مرض الموت میں بھی درس و تدریس کو نہ چھوڑا ، وفات سے کچھ پہلے وہ مشکوۃ شریف کا درس دے رہے تھے ، جیسے ھی درس سے فارغ ہوئے آن کی وفات ہو گئی ۔

مدر منثور میں ھے کہ مولانا شہباز بھاگلپوری نے ۱۶ صفر ۱۰۵۰ھ — ۱۶۴۰ء میں بھاگلپور میں وفات پائی اور وھیں مدفون ہوئے ، لیکن گنج ارشدی میں ان کا سنہ وفات ۱۰۶۰ھ — ۱۶۴۹ء منقول ھے ۔

(نزھۃ الخواطر جلد ۵ ، صفحہ ۱۶۹ بحوالہ مدر منثور و گنج ارشدی)

لوگوں تک اصلاح و ہدایت کا پیغام پہنچاتے رہے ، علوم ظاہری اور عرفان باطنی کو عام کرنے کے لیے اُنھوں نے مدنا پور میں ایک مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد رکھی -

۱۸۶۸ء — ۱۲۸۵ھ میں سیدنا مہر علی قادری واصل الی اللہ ہوئے ، ان کے بعد حضرت شاہ علی عبدالقادر شمس القادر مرشد علی القادری نے اس مسند کو زینت بخشی ، وہ ۱۸۵۲ء — ۱۲۶۹ھ میں پیدا ہوئے - ان کی عمر سولہ سال کی تھی کہ جب وہ مسند ارشاد کی زینت بنے ، آخر میں کلکتہ میں مقیم ہوگئے تھے ، لیکن ۱۹۰۱ء — ۱۳۱۰ھ میں اپنی وفات کے بعد مدنا پور میں مدفون ہوئے -

ان کے بعد اُن کے صاحبزادے حضرت سید شاہ ارشاد علی جو سیدنا حضور مولا کے لقب سے مشہور ہیں اُن کے جانشین ہوئے ، ان کی ولادت ۱۸۸۳ء — ۱۳۰۱ھ اور وفات ۱۹۵۳ء ۱۳۷۳ھ میں ہوئی[۱] -

---

۱ - یہ تمام حالات رود کوثر صفحہ ۴۷۰ — ۴۷۱ بحوالۂ گلستان قادری (انگریزی) اور مذاکرہ قطب العالمین سے ماخوذ ہیں -

(۲۷)

## قاضی رکن الدین سمرقندی

**حالات:** بنگال کے پہلے مسلم عالم و صوفی جن کے مکتوبات ہم تک پہنچے ہیں وہ قاضی رکن الدین سمرقندی[۱] ہیں ، آپ نے سنسکرت کتاب ''امرت کنڈ'' کا ، جو یوگی طرز زندگی پر ہے ، پہلے فارسی میں ترجمہ کیا ، پھر عربی میں ۔ اس کتاب کے ترجمے کی وجہ یہ تھی کہ اس زمانے میں یہ کتاب اہل علم اور فلسفیوں میں مستند مانی جاتی تھی ، جب مسلمانوں نے ہندوستان کے علاقے فتح کیے ، اور اسلام کی عظمت کا علم شمالی ہند میں نصب ہو گیا تو اس کی خبر کامروپ تک پہنچی جو کہ ہندوستان کی مشرقی سرحد ہے اور جہاں ہندوؤں کے بڑے بڑے پنڈت ، عالم اور فلسفی رہتے تھے ، ان میں سے ایک فلسفی جس کا نام بوجر برھمن تھا اسلامی مبلغین سے مناظرہ کرنے کے لیے روانہ ہوا ۔ جب وہ لکھنوتی پہنچا تو اس زمانے میں سلطان علی مردان شاہ[۲] کی حکومت تھی ، یہ

---

۱ ۔ یہ قاضی رکن الدین سمرقندی اغلباً قاضی رکن الدین ابو حامد بن محمود بن محمد العمیری سمرقندی ہیں جو کہ ایک مشہور حنفی، قاضی، صوفی اور ایک متبحر عالم اور کتاب الارشاد کے مصنف تھے ۔

۲ ۔ ملک عز الدین خلجی کو قتل کر کے علی مردان خلجی ملک بنگالہ پر قابض ہوا ، اور سلطان علاء الدین کا لقب اختیار کر کے اپنے نام کا خطبہ اور سکہ جاری کیا ، اور نخوت میں سرمست ہو کر ظلم و بدعت کو اپنا شعار بنایا ، دو سال حکومت کرنے پایا تھا کہ (باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۰ پر)

جمعہ کے دن لکھنوتی میں داخل ہوا ، اور اس نے وہاں لوگوں سے پوچھا کہ یہاں کوئی مسلمان صوفی رہتا ہے ؟ لوگوں نے اس کو قاضی رکن الدین کی جائے سکونت کا پتا دیا ، بوجر برھمن آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، اور اس نے آپ سے پوچھا کہ تمھارا پیغمبر کون ہے ؟ آپ نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہمارے پیغمبر ہیں - پھر اس نے پوچھا کہ کیا یہ وہی پیغمبر ہیں کہ جنھوں نے روح کے بارے میں کہا ہے کہ وہ میرے رب کے حکم سے ہے ؟ قاضی صاحب نے کہا ہاں یہ وہی پیغمبر ہیں - پھر اس نے کہا کہ ہم نے ان پیغمبر کے متعلق اور حضرت ابراھیم اور حضرت موسیٰ کے متعلق "برھمنہ" میں پڑھا ہے -

**بوجر برھمن کا قبول اسلام :** پھر بوجر برھمن نے تھوڑی سی گفتگو کے بعد اسلام قبول کر لیا ، اور اسلامی علوم کی قاضی رکن الدین سے تعلیم حاصل کی ، اور ان میں یہاں تک کمال حاصل کیا کہ وہاں کے مسلم علماء نے اس کو مفتی تسلیم کر لیا -

بوجر برھمن یوگی نے اسی زمانے میں 'امرت کنڈ' نامی کتاب قاضی رکن الدین کی خدمت میں پیش کی ، آپ نے اس کو نہ صرف پڑھا بلکہ اس میں لکھے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے یوگ کے آخری درجے تک پہنچ گئے ، اس کتاب کا مضمون فلسفۂ یوگ ہے ، اور اس میں مختلف طریقے بتائے گئے ہیں کہ کس طرح انسان نفس کشی کر کے روحانی بلندیوں تک پہنچ سکتا ہے ۔ اس کتاب کا فارسی ترجمہ اسی زمانے میں کیا گیا ، جس کا نام " حوض الحیاۃ " ہے ۔ پھر فارسی سے اس کتاب کا ترجمہ عربی میں ہوا ، جس کا نام صاحب کشف الظنون نے

---

(صفحہ ۱۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

افواج سلطانی دھلی سے پہنچیں ، اور خلجیوں نے افواج شاھی سے متفق ہو کر ملک عزالدین کا انتقام اس سے لیا ، پھر اس ملک کی حکومت ملک غیاث الدین خلجی کو ملی -

(ریاض السلاطین صفحہ ۶۹)

''مراۃ المعانی فی ادراک العالم انسانی'' لکھا ہے۱ اس کتاب کا تذکرہ شیر خان لودھی نے بھی تذکرۂ مراۃ الخیال میں کیا ہے، اور اس کے کچھ اقتباسات بھی دئے ہیں۲ -

امرت کنڈ کا فارسی ترجمہ بنگال و آسام میں فارسی کی سب سے پہلی کتاب ہے جو چھٹی صدی ہجری میں لکھی گئی -

ان واقعات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مسلم علماء و صوفیہ نے مقامی کلچر پر اسلام کا اثر پھیلانا شروع کر دیا تھا، پھر جیسے ہی بنگال میں اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں، انہوں نے غیر مسلم سادھوؤں اور پنڈتوں سے اسلام کے متعلق مناظرے کیے، اور انہیں دلائل سے قائل کر کے مشرف بہ اسلام بنایا، پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ ان مسلم علماء نے مقامی زبانوں کا علم حاصل کیا، اور دوسرے مذاہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا، چنانچہ اوپر گزر چکا ہے کہ قاضی رکن الدین سمرقندی نے نہ صرف امرت کنڈ نامی کتاب کا ترجمہ کیا بلکہ اس فلسفہ پر عمل کر کے بھی دیکھا، اور اس میں نمایاں مقام حاصل کیا -

**وفات :** قاضی رکن الدین سمرقندی، سلطان علاء الدین علی مردان کے عہد حکومت میں لکھنوتی میں رہے اور آپ حکومت کی طرف سے عہدۂ قضا پر فائز رہے، اس کے بعد آپ اپنے آبائی وطن چلے گئے -

---

۱ - اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ لیڈن کے کتب خانے میں موجود ہے، اس کا روٹو گراف عکس جناب قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے - (رسالہ اردو اکتوبر ۱۹۵۲ء)

۲ - اس کتاب کے فارسی اور عربی ترجمے کے متعلق تمام تفصیل ڈاکٹر نبی بخش خاں بلوچ، پروفیسر سندھ یونی ورسٹی کے مضمون '' مسلم بنگال کے فارسی ادب کی ایک اہم تصنیف'' شائع شدہ رسالہ اردو، اکتوبر ۱۹۵۲ء سے لی گئی ہے -

قاضی رکن الدین سمرقندی نے ۹ جمادی الثانی ۶۱۵ھ — ۱۲۱۸ء میں بخارا میں وفات پائی[۳] ۔

۳ - یہ تمام تفصیل سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال ، صفحہ ۶۳ سے بحوالۂ جرنل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی جلد اول ۵۳ء حصۂ اول ، صفحہ ۴۶ تا ۵۵ سے ماخوذ ہے ۔

( ۲۸ )

# شیخ رفقۃ الدین

**حالات :** شیخ رفقۃ الدین حضرت نور قطب عالم کے بڑے صاحبزادے تھے ، اپنی عظمت درویشانہ کے باوجود نہایت متواضع ، منکسر اور صاحب حال بزرگ تھے ۔

شیخ حسام الدین مانک پوری کا بیان ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ۔
" واللہ میں بازاری کتے سے بھی اپنے آپ کو کمتر پاتا ہوں ۔"

شیخ عبدالحق محدث دہلوی صاحب اخبار الاخیار کا بیان ہے کہ ایک دفعہ میں نے شیخ رفقۃ الدین کا یہ قول کہ "میں اپنے آپ کو بازاری کتے سے بھی کمتر پاتا ہوں" اپنے والد سے نقل کیا ، انھوں نے سن کر فرمایا کہ میں نے اپنی تمام عمر میں یہ کلمہ اپنے حسب حال پایا ہے[1] ۔

---

۱ ۔ اخبار الاخیار صفحہ ۱٦٥ — ۱٦٦

## (۲۹)

# روشن آرا

بشیر ہاٹ سب ڈویژن کے چوبیس پرگنے میں کتھولیا نامی گاؤں میں بی بی روشن آرا کا مزار واقع ہے ۔ مقامی روایت کے مطابق بی بی روشن آرا مکہ میں ۱۲۷۹ء میں پیدا ہوئیں ۔ ان کے والد محترم کا نام سید کریم اللہ تھا اور ان کی والدہ محترمہ کا نام مہرالنساء تھا ۔ روشن آرا کے بڑے بھائی عباس علی اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے مشہور تھے ۔ روشن آرا تعلیم یافتہ خاتون تھیں اور اپنے بھائی اور بھاوج کے ساتھ مکہ سے ۱۳۲۱ء میں شیخ حسن شاہ کے ہمراہ دھلی تشریف لے گئیں ۔ شیخ حسن شاہ نے اپنے ۱۶۵ مریدین تبلیغ اسلام کے لیے ہندوستان کے مختلف گوشوں میں بھیجے اور روشن آرا ، ان کے بھائی اور بھاوج اسی سلسلے میں بنگال تشریف لائے ۔

یہ دور غیاث الدین تغلق کا دور ہے ۔ اس علاقے میں روشن آرا اور ان کے بھائی کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے اسلام کی جڑیں مضبوط اور گہری ہو گئیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا زیادہ وقت عبادت اور رشد و ہدایت میں گزرتا تھا ۔ اس علاقے کی ساری عورتیں اپنے مسئلے مسائل کے لیے انہی سے رجوع کرتی تھیں اور ہدایت کی روشنی حاصل کرتی تھیں ۔ ۶۴ سال کی عمر میں انتقال فرمایا[۱] ۔

---

۱ ۔ سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال صفحہ ۱۲۶ ڈاکٹر محمد عبدالرحیم

(۳۰)

# شیخ راجا بیابانی

شمس الدین الیاس شاہ (۵۷ - ۱۳۴۲ء) کے دور حکومت میں دو بزرگ بہت مشہور ہوئے ہیں ۔ یہ دونوں بزرگ اس وقت دارالحکومت میں موجود تھے اور ان کی وجہ سے اس علاقے میں رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری تھا ۔ ایک بزرگ کا نام نامی اخی سراج الدین عثمان تھا اور دوسرے بزرگ کا نام شیخ راجا بیابانی تھا ۔ سلطان الیاس شاہ شیخ راجا بیابانی کی بڑی عزت کرتا تھا اور ان سے حد درجہ خلوص و عقیدت رکھتا تھا ۔ اس کی عقیدت یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ جب سلطان فیروز شاہ تغلق نے اس علاقے پر حملہ کیا اور الیاس شاہ ایک قلعے میں محصور تھا تو اسے شیخ راجا بیابانی کے وصال کی اطلاع ملی ۔ اس نے لباس فقیرانہ پہنا ، بھیس بدلا اور شیخ راجا بیابانی کے جنازے میں شرکت کی ۱ ۔

---

۱ - (بحوالہ ریاض السلاطین صفحہ ۹۷)

( ۳۱ )

## شیخ زاھد

**حالات :** شیخ زاھد حضرت شیخ رفقت الدین کے صاحبزادے اور حضرت نور قطب عالم کے پوتے تھے ، ان کو اپنے چچا شیخ انور کے ساتھ راجا کنس نے سنار گاؤں بھجوا دیا تھا ، اور یہ ظالموں کے ھاتھوں شہید ھونے سے بال بال بچے تھے ، جس کی تفصیل ھم آیندہ اوراق میں حضرت شیخ نور قطب عالم کے حالات میں پیش کریں گے۔

راجا کنس کے مرنے کے بعد جب دوبارہ زمام حکومت اس کے بیٹے جدو مسمیٰ جلال الدین[۱] نے سنبھالی تو اس نے شیخ زاھد کو نہایت عزت و احترام سے سنار گاؤں سے پنڈوہ واپس بلا لیا ، جلال الدین محمد شاہ آپ کی بے حد عزت و احترام کرتا تھا اور اکثر عقیدت مندانہ ان کی خدمت میں حاضر ھوتا تھا ، اس طرح حضرت شیخ نور قطب عالم کی

---

۱ ۔ سلطان جلال الدین اپنے باپ راجا کنس کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا ، امور مملکت و جہانبانی کو اس نے بہترین طریقے پر انجام دیا ، کہتے ھیں کہ آس کے زمانۂ حکومت میں شہر پنڈوہ اس قدر آباد ھو گیا تھا کہ اس کی مثال نہ ملتی تھی ، اس نے گوڑ میں حوض ، تالاب اور سرائیں بنوائیں ، اور اسی کے زمانے میں گوڑ نئے سرے سے آباد ھوا ، سلطان جلال الدین نے سترہ سال حکومت کی ، اس کا مزار پنڈوہ میں ایک بڑے گنبد کے نیچے ھے ، اور اس کے بیوی بچوں کی قبریں بھی اس کے پہلو میں ھیں ۔
(ریاض السلاطین صفحہ ۱۱۶ — ۱۱۷)

وہ پیشین گوئی پوری ہوئی جو آپ نے ان کے متعلق اپنے صاحبزادے شیخ انور سے فرمائی تھی کہ شیخ زاھد کی نیکیوں کا ڈنکا قیامت تک بجتا رہے گا -

**وفات :** شیخ زاھد نے ۱۷ ربیع الاول ۸۶۰ھ - ۱۴۵۵ء میں وفات پائی ، آن کی تاریخ وفات '' حب دنیا چیزے نداشت '' سے نکلتی ھے -

شیخ زاھد کا مزار پر انوار چھوٹی درگاہ کے حدود میں پنڈوہ میں ھے ۱ -

---

۱ - یہ تمام تفصیل سوشل ھسٹری آف مسلم اف بنگال - صفحہ ۱۰۵ تا ۱۰۹ اور ریاض السلاطین سے ماخوذ ھے -

## شاہ زید



**حالات :** شاہ زید چاٹگام کے ان بارہ مشہور اولیاء میں سے ایک ہیں جن کی عظمت و شہرت سے یہ ضلع گونجتا ہے۔ عام طور پر خیال ہے کہ وہ اب سے تین چار سو سال قبل حیات تھے۔

آن کا مقبرہ کندر ھاٹ ریلوے اسٹیشن شمال مغربی جانب دو میل پر تھانہ مرس واری میں واقع ہے۔

اس مقبرے کے لیے ایک بڑی جائداد وقف ہے جو بنگال کے نوابوں نے اس کے لیے وقف کی تھی ، اس جائداد کا ایک چھوٹا حصہ معافی کا ہے جو اس خانقاہ کے متولی کے لیے مختص ہے۱ -

---

۱ - ھسٹری آف صوفی‌ازم ان بنگال صفحہ ۲۶۰ — ۲۶۱

## ۳۳

# حضرت سراج الدین (اخی سراج)

**حالات :** بنگال میں جس بزرگ نے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کی ، وہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی[۱] کے خلیفہ سراج الدین اخی سراج تھے ، سیر الاولیاء میں ہے کہ سراج الدین اوائل شباب میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی

---

۱ - حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا اسم گرامی محمد ، آپ کے والد کا نام نامی احمد اور آپ کے دادا کا نام علی تھا ، جو بخارا کے رہنے والے تھے - سلطان المشائخ و نظام الاولیاء آپ کا لقب ہے ، آپ کے دادا علی بخاری اور نانا خواجہ عرب دونوں بخارا سے آکر کچھ دن لاھور میں مقیم رہے - پھر وہاں سے بدایوں میں سکونت پذیر ہوئے ، بدایوں ھی میں حضرت محبوب الٰہی ماہ صفر ۶۳۴ھ — ۱۲۳۸ء میں پیدا ہوئے ، جب آپ پانچ سال کے تھے تو والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ، آپ کی والدہ بی بی زلیخا نے باوجود غربت و افلاس کے آپ کو تعلیم دلوائی ، ابتدائی تعلیم بدایوں ھی میں ہوئی ، یہیں آپ نے مولانا علاء الدین اصولی سے قدوری ختم کی ، پھر آپ کی والدہ آپ کو تعلیم کے لیے دھلی لائیں ، جہاں آپ نے مولانا شمس الدین دامغانی سے مقامات حریری کے چالیس مقامات پڑھے ، پھر مولانا کمال الدین زاھد سے مشارق الانوار کی سند لی -

اسی زمانے میں جب کہ آپ بدایوں میں مولانا علاء الدین اصولی

( باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۴ پر )

کی خدمت میں لکھنوتی سے آئے ، اور اس شان سے آئے کہ اگرچہ علوم ظاہری سے بے بہرہ تھے مگر دل کی دنیا طلب و شوق سے آباد تھی ، آنے کے بعد حضرت محبوب الہیٰ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو کر آپ کے

---

(صفحہ ۱۹۳ کا بقیہ حاشیہ)

سے تعلیم حاصل کر رہے تھے ، اور اس وقت آپ کی عمر بارہ سال کی تھی کہ ابوبکر نامی قوال ملتان سے آپ کے استاد مولانا علاء الدین اصولی کی خدمت میں آیا ، اور وهاں کے بزرگوں کا تذکرہ کرنے لگا - اس نے حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے سامنے گا رہا تھا ، جب میں اس مصرعے پر پہنچا :

لقد لسعت حیة الهوی کبدی

تو اتفاق سے مجھے دوسرا مصرع یاد نہ آیا ، اُنھوں نے فوراً ھی مجھے دوسرا مصرع بتایا ، پھر وہ ان کی عبادت و ریاضت کی تعریف کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اُن کی ریاضت و عبادت حد سے باھر ھے ، یہاں تک کہ ان کی کنیزیں بھی چکی پیستے ہوئے ذکر اللہی کرتی ھیں ، اس طرح کی وہ بہت سی باتیں ان کے متعلق بہت دیر تک بیان کرتا رھا ، پھر اُس نے کہا کہ میں ملتان سے اجودھن (پاک پٹن) گیا ، میں نے وھاں ایک ماھتاب ولایت کو دیکھا ، جس نے اپنی تابانی اور درخشانی سے عالم کو منور کر رکھا ھے ، ابوبکر کی زبان سے بابا فرید گنج شکر کا ذکر سن کر حضرت خواجہ محبوب اللہی کے دل میں ان کی محبت کا چراغ روشن ہو گیا ، اور یہ کیفیت ہوئی کہ آپ چلتے پھرتے ، اُٹھتے بیٹھتے بابا فرید گنج شکر کا ذکر کرتے تھے-

جب سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب اللہی دھلی تشریف لائے تو ھلال طشت دار کی مسجد کے نیچے ایک حجرے میں رھتے تھے ، اُس کے قریب ھی بابا فرید گنج شکر کے چھوٹے بھائی شیخ نجیب الدین متوکل کا مکان تھا ، جن کی صحبت میں رہ کر آپ کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۵ پر)

ان دوستوں کے ساتھ رہنے لگے جو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں باریاب رہتے تھے۔ حضرت اخی سراج کا معمول تھا کہ جب سال ختم ہو جاتا تو لکھنوتی اپنی والدہ کی زیارت کے لیے ضرور جاتے، اور پھر

---

(صفحہ ۱۹۴ کا بقیہ حاشیہ)

قلب میں بابا فریدگنج شکر کی ملاقات اور دیدار کاشوق اور بھی بڑھا۔ آخر آپ ۱۵ رجب ۶۵۵ھ - ۱۲۵۷ء کو بابا فرید کی خدمت میں اجودھن (پاک پٹن) حاضر ہوئے، حضرت خواجہ محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ جب میں نے حضرت بابا فرید کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی تو بابا فرید نے مجھے دیکھ کر سب سے پہلے یہ شعر پڑھا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ
سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

اور اسی وقت کلاہ ''چہار ترکی'' سر سے اتار کر میرے سر پر رکھ دی، میں نے چاہا کہ میں بابا فرید سے کچھ عرض کروں لیکن میں خوف و دہشت کی وجہ سے کچھ کہہ نہ سکا، میری دہشت کو محسوس کر کے آپ نے مجھ سے فرمایا ہر داخل ہونے والے کے لیے دہشت ضروری ہے، میں اسی روز آپ کی بیعت سے مشرف ہوا، میں نے بیعت ہونے کے بعد عرض کیا کہ میرے متعلق کیا ارشاد ہوتا ہے، کیا میں تعلیم چھوڑ کر اوراد و وظائف میں مشغول ہو جاؤں؟ فرمایا ہم کسی کو تعلیم سے منع نہیں کرتے، تم اس کو بھی جاری رکھو؛ اور اوراد و وظائف کی بھی پابندی کرو۔

سلطان المشائخ ۱۳ ربیع الاول ۶۵۶ھ — ۱۲۵۸ء تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہ کر تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے، آپ نے چھ پارے تجوید سے بابا فرید سے پڑھے، اس کے علاوہ آپ سے عوارف کے چھ ابواب پڑھ کر سند حاصل کی، پھر تعلیم و تربیت اور ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر نے آپ کو

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۶ پر)

حضرت محبوب الہی کی خدمت میں واپس آ جاتے ، انہوں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ حضرت محبوب الہی کے جماعت خانے میں گزارا ۔

---

(صفحہ ۱۹۵ کا بقیہ حاشیہ)
سند خلافت سے سرفراز فرمایا ، اور دھلی جانے کی اجازت دی ، سند خلافت حاصل کرنے کے بعد آپ دھلی تشریف لائے ۔

سیر العارفین میں ہے کہ ابتداءً آپ نے غیاث پورہ میں سکونت اختیار کی ، اس زمانے میں آپ کی خانقاہ میں فقر و فاقے اور نہایت عسرت کے ساتھ بسر ھوتی تھی ، اسی زمانے میں مولانا برھان الدین غریب اور مولانا کمال الدین یعقوب پٹنی آپ کی خانقاہ میں مصروف ریاضت تھے ، ایک دفعہ چار روز کا فاقہ ھوگیا ، پڑوس کی ایک ضعیفہ خاتون نے یہ حال دیکھ کر کچھ آٹا بھیجا ، شیخ کمال الدین یعقوب نے آٹے کو مٹی کی ھنڈیا میں ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا ، اتنے میں ایک درویش گدڑی پوش آیا ، اور کچھ کھانے کو مانگا ، حضرت محبوب الہی نے وہ ھنڈیا اٹھا کر درویش کے سامنے رکھ دی ، اس نے اس ھنڈیا میں سے کچھ گرم گرم لقمے منہ میں رکھے ، اور ھنڈیا کو پٹک کر یہ کہتا ھوا چلا گیا :

> شیخ فرید الدین گنج شکر نعمت باطن شیخ نظام الدین اولیا ارزانی داشت ، و من دیگ فقر ظاھری او بشکستم ، حالا سلطان ظاھری و باطنی شدی

کہتے ھیں کہ اس کے بعد سے حضرت محبوب الٰہی کی عسرت اور تنگی جاتی رھی ۔

جب سلطان معزالدین کیقباد نے غیاث پورہ کے پاس کیلوکھڑی میں ایک نئے شہر کی بنیاد رکھی ، اور اپنا محل بنوایا تو وھاں امراء اور اراکین سلطنت کا ھجوم ھوگیا ، اور حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں لوگوں کا ھجوم رھنے لگا ، اس ھجوم کو دیکھ کر آپ
(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۷ پر)

**خلافت :** جب حضرت محبوب الٰہی اپنے بعض مریدوں کو خلافت سے سرفراز فرمانے لگے تو مقربان خاص میں سے کسی نے حضرت اخی

---

(صفحہ ۱۹۶ کا بقیہ حاشیہ)
گھبرانے لگے ، آپ نے غیاث پورہ کی سکونت ترک کرنے کا ارادہ کیا ، ابھی آپ اسی خیال میں تھے کہ ایک خوب صورت نوجوان آیا ، اور اس نے یہ دو شعر پڑھے :

روزے کہ تو مہ شدی نمی دانستی
کانگشت نمائے عالمے خواھد شد
امروز کہ زلفت دل خلقے بربود
در گوشہ نشست نمی دارد سود

یہ اشعار پڑھ کر اس نے کہا کہ اول تو آدمی کو مشہور نہ ہونا چاہیے ، اور جب وہ مشہور ہو جائے تو پھر اسے کوشش کرنی چاہیے کہ کل قیامت کے دن اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے شرمندگی نہ ہو ، مخلوق سے کنارہ کر کے حق کے ساتھ مشغول ہو جانا سہل ہے ، لیکن مردانگی اور مردوں کا کام یہ ہے کہ انجمن میں بھی اُن کی خلوت ہو ، اور مخلوق خدا کے ھجوم کے باوجود اُن کی مشغولی حق میں فرق نہ آئے ، حضرت محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میں نے اسی وقت نیت کی کہ اب میں یہاں سے کہیں نہ جاؤں گا ۔

سیرالاولیاء میں ہے کہ حضرت محبوب الٰہی کے مجاھدات اور ریاضتوں کا یہ عالم تھا کہ :

”جوانی میں تیس سال بڑے سخت مجاھدے کیے ، پھر جوانی کے بعد باقی زندگی اس سے بھی سخت مجاھدوں میں گزاری ، تمام عمر صائم الدھر رہے ، رات اور دن میں چار پانسو رکعتیں نماز پڑھا کرتے تھے ، اگرچہ خانقاہ میں آپ کا قیام کوٹھے پر

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۸ پر)

سراج کا بھی نام پیش کیا ، فرمایا اس کام میں اول درجہ علم کا ہے ، اور یہ علم سے بے بہرہ ھیں ، مولانا فخر الدین زرادی[۱] نے یہ سنا تو آن کو اخی سراج پر رحم آیا ، انھوں نے آن کو خلافت سے محروم ہوتے

---

(صفحہ ۱۹۷ کا بقیہ حاشیہ)

رھتا تھا ، مگر اسی سال کی عمر میں بھی کوٹھے سے آتر کر نماز باجماعت ادا کرتے تھے ، روزانہ کا طریقہ یہ تھا کہ فجر ، اشراق اور چاشت کی نمازوں کے بعد آپ جماعت خانے میں مسند رشد و ھدایت پر تشریف فرما ھوتے ، اس وقت اکابر علماء اور جلیل القدر صوفیہ کا اجتماع ھوتا ، اور آپ تصوف اور سلوک کے نہایت اھم نکات بیان فرماتے ، پھر شہر کے غرباء اور مساکین آتے ، اور آپ ان کو نقد ، غلہ اور دوسرے تحائف دیتے ، آپ کا ارشاد تھا کہ خانقاہ کی ساری چیزیں غرباء میں تقسیم کر دی جائیں ، کوئی چیز باقی رھنے نہ پائے ، ظہر کی نماز سے پہلے قیلولہ فرماتے ، ظہر کی نماز کے بعد مجلس منعقد ھوتی ، اس مجلس میں آپ زیادہ تر علمی مسائل بیان فرماتے ، کشاف اور دوسری کتابوں کا درس بھی ھوتا تھا ، عصر کی نماز کے بعد آپ کوٹھے پر واپس تشریف لے جاتے ، وھاں ایک علمی مجلس ھوتی اور حاضرین کی تواضع خشک اور تر میووں اور شربتوں سے کی جاتی ، عشاء کی نماز کے لیے پھر نیچے آتے ، اور نماز پڑھ کر پھر کوٹھے پر حجرے میں چلے جاتے ، اس وقت آپ کے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت امیر خسرو آتے ، اور کچھ حکایتیں سناتے ، جن کو آپ نہایت دلچسپی سے سنتے ، کبھی عزیزوں اور رشتے داروں کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی آ جاتے ، جب امیر خسرو چلے جاتے تو خادم خاص وضو کا پانی لا کر رکھتا ، پھر آپ آٹھ کر دروازہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۹ پر)

۱ - حاشیہ صفحہ ۲۰۱ پر

ہوئے دیکھ کر کہا کہ میں ان کو انشاء اللہ چھ ماہ میں عالم متبحر بنا دوں گا ، چنانچہ حضرت اخی سراج نے بڑی عمر میں مولانا فخرالدین

---

(صفحہ ۱۹۸ کا بقیہ حاشیہ)

بند کر دیتے ، پھر کیا ہوتا ، کسی کو خبر نہیں ، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے ، صبح ہونے سے پہلے خادم سحری لا کر پیش کرتا ، اس میں سے کچھ نوش فرما لیتے ، جو بچ جاتی اسے تقسیم کرنے کا حکم دیتے ''۔

حضرت محبوب الٰہی نے اپنی وفات سے کچھ دن پہلے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ عایہ و آلہ وسلم آن سے فرما رہے ہیں کہ نظام ! تم سے ملنے کا بڑا اشتیاق ہے ۔ اس خواب کے بعد سے آپ سفر آخرت کے لیے بیچین رہے ، وفات سے چالیس دن پہلے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا تھا ، جب لوگ کھانے کے لیے اصرار کرتے تو فرماتے کہ جو کہ حضرت رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مشتاق ہو ، وہ دنیا کا کھانا کیا کھائے ، بیماری کی شدت ہوئی تو دوا پینے کے لیے کہا گیا ، فرمایا :

درد مندے عشق را دارو بجز دیدار نیست

وفات کے روز لنگر خانے اور آپ کی ملکیت میں جتنی چیزیں تھیں غرباء اور مساکین میں تقسیم کر دیں ، تا کہ خدائے تعالیٰ کے یہاں کسی چیز کا مواخذہ نہ ہو ، خادم نے کچھ غلہ درویشوں کے لیے رکھ لیا تھا ، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا اس کو بھی لٹا دو ، اور ہر '' توشے خانے'' میں جھاڑو دے دو ، چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کی گئی ، نماز کا وقت آتا تو ایک نماز کئی کئی دفعہ پڑھتے ، اور فرماتے میرویم ، میرویم ، میرویم ۔

وفات سے پہلے کچھ تبرکات خاص سے مختلف چیزیں مختلف خلفاء کو دیں ، اور آن کو خاص خاص مقامات پر جانے کا حکم دیا ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۰ پر)

زرادی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ، مولانا فخرالدین زرادی نے آن کے لیے علم صرف میں ایک مختصر کتاب ''عثمانی'' بھی تالیف کی تھی ، اور

---

(صفحہ ۱۹۹ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت نصیرالدین چراغ دھلی کو بابا فرید کا دیا ہوا مصلیٰ ، خرقہ ، تسبیح اور لکڑی کا پیالہ دے کر فرمایا تمھیں دھلی میں رھنا چاھیے اور لوگوں کی جفا برداشت کرنی چاھیے ، پھر صبح کو نماز پڑھی ، طلوع آفتاب کے وقت ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ — ۱۳۲۴ء کو آپ نے وصال فرمایا ، مزار مبارک دھلی میں ھے ، آپ کے روضۂ مبارک کی عمارت سلطان محمد تغلق کی بنوائی ھوئی ھے۔

چونکہ آپ نے ساری عمر تجرد میں گزاری ، اس لیے کوئی اولاد نہیں تھی ، آپ کے مشہور خلفاء میں خواجہ نصیر الدین چراغ دھلی حضرت شیخ قطب الدین منور ھانسوی ، حضرت امیر خسرو ، حضرت شیخ حسام الدین ملتانی ، حضرت شیخ برھان الدین غریب ، حضرت شیخ حسام الدین سوختہ ، حضرت شیخ حسن دھلوی ، حضرت شیخ منتجب الدین خلد آبادی ، حضرت شیخ شرف الدین بو علی قلندر اور شیخ اخی سراج مشہور ھیں۔

حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کے چار مجموعے ھیں ، جن کے نام یہ ھیں :

(۱) فوائد الفواد : اس مجموعے کے مرتب خواجہ حسن سنجری ھیں ، یہ ۷۰۷ھ — ۱۳۰۷ء سے ۷۱۹ھ — ۱۳۱۹ء تک کے ملفوظات ھیں۔

(۲) افضل الفوائد : اس مجموعے کے جامع حضرت امیر خسرو ھیں۔

(۳) راحت المحبین : اس مجموعے میں آپ کے ایک نامعلوم مرید نے ۶۸۹ھ — ۱۲۹۰ء سے ۶۹۰ھ — ۱۲۹۱ء تک کے ملفوظات درج کیے ھیں۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۱ پر)

مولانا رکن الدین اندر پتی۱ سے کافیہ ، مفصل ، قدوری اور مجمع البحرین پڑھی ، تحصیل علم کے بعد وہ سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ آپ نے ان کو " آئینۂ ہند " کا خطاب دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا ۔

**صاحب روضۃ الاقطاب کا بیان :** صاحب روضۃ الاقطاب بلاق چشتی نے حضرت اخی سراج اور حضرت ' نصیرالدین چراغ دھلی'۲ کو سراھتے ہوئے لکھا ھے کہ

---

(صفحہ ۱۹۰ کا بقیہ حاشیہ)

(۳) سیر الاولیاء : سید مبارک امیر خورد کی تالیف ھے ، جو حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دھلی کے مرید تھے ، یہ کتاب اگرچہ حضرات چشت کے حالات میں ھے لیکن اس کے آخر میں حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات بھی ھیں ، امیر خورد نے اس کتاب کو ۸۰۰ھ — ۱۳۹۷ء میں مرتب کیا تھا ۔

(یہ تمام حالات خزینۃ الاصفیاء جلد اول ، سفینۃ الاولیاء ، سیر الاولیاء ، سیر العارفین اور بزم صوفیہ سے ماخوذ ھیں)

صفحہ ۱۹۸ کا حاشیہ

۱ - مولانا فخرالدین زرادی سامانوی ثم الدھلوی ، اصل میں سامانہ کے رہنے والے تھے ، بچپن ھی سے علم کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگئے ، پھر حصول علم کے لیے دھلی تشریف لائے ، اور مولانا فخرالدین ھانسوی سے تعلیم حاصل کی ، قاضی کمال الدین ھانسوی اور شیخ نصیر الدین محمود اودی بھی آپ کے ھمسبقوں میں تھے ، مولانا فخرالدین زرادی ابتداًء صوفیہ کے انکار کرنے والوں میں تھے - وہ عموماً سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی پر شیخ نصیر الدین محمود کے سامنے طعن و تشنیع کرتے اور شیخ نصیر الدین محمود ان کو ترغیب دلاتے کہ وہ حضرت سلطان المشائخ

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۲ پر)

۱ - حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر

۲ - حاشیہ صفحہ ۲۰۶ پر

الحق کہ وے ''آئینۂ ہند'' بود کہ تمام ہند از وے رونق ارشاد و ہدایت بیفزود و طریق معرفت و ولایت روئے نمود۔ اگرچہ جمیع خلفاء سلطان المشائخ صاحب مقامات عالی بودند ، اما از آنہا شیخ نصیر الدین محمود کہ چراغ دہلی و شیخ سراج الدین کہ

---

(صفحہ ۲۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

محبوب الٰہی کی مجلس میں حاضر ہوں ، چنانچہ وہ ایک مرتبہ حضرت محبوب الٰہی کی مجلس میں حاضر ہوئے ، اور ان پر جذبۂ ربانی اس قدر اثر انداز ہوا کہ نہ صرف انکار نے اقرار کی صورت اختیار کی بلکہ وہ حضرت محبوب الٰہی کے اس قدر والہ و فریفتہ ہوئے کہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر حلقۂ علماء سے نکل کر درویشوں کی سلک میں منسلک ہوگئے ، اور ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد آپ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ (نزھۃ الخواطر ۔ جلد ۲ ۔ صفحہ ۱۰۴)

صاحب اخبار الاخیار نے مولانا فخرالدین زرادی کے مناقب و محامد بیان کرتے ہوئے لکھا ھے کہ

وے از خلفاء شیخ نظام الدین اولیاء است ، بزرگ بود جامع علم و تقویٰ و ذوق و عشق ، در امر دین صلابتے تمام داشت ، و عظمتے وافر ۔

اخبار الاخیار میں ھے کہ انھوں نے حضرت محبوب الٰہی سے بیعت ہونے کے بعد غیاث پورہ سکونت اختیار کر لی تھی ، اور اپنے پیر کی وفات کے بعد بہت دن تک دریائے جمنا کے کنارے جہاں اب فیروز آباد و دھلی ھے ذکر الٰہی میں مشغول رھے ، اور ایک مدت تک ''بند بسینا'' میں کہ جو پہاڑوں کے درمیان واقع ھے اور شیروں اور وحشی جانوروں کا مسکن ھے عبادت الٰہی میں مشغول رھے ، پھر حضرت خواجہ بزرگ کی زیارت کے لیے اجمیر گئے ، اور اس کے بعد حضرت بابا فرید گنج شکر کی زیارت کے لیے اجودھن (پاک پٹن) گئے ، ان کا زیادہ وقت عبادت میں گزرتا تھا ، اور صحرا و بیابانوں میں خدا کی عبادت کرتے تھے ، اور ھمیشہ روزے سے رھتے تھے ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۳ پر)

(صفحہ ۲۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

ایک روز آنھوں نے اپنے پیر سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی سے سوال کیا کہ کلام اللہ کی تلاوت میں مشغول رھنا زیادہ مناسب ھے یا ذکر الٰہی میں؟ حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ذاکر اگرچہ جلد تر واصل ھو جاتا ھے، لیکن اس میں زوال کا خوف رھتا ھے، لیکن تلاوت کرنے والا اگرچہ جلد واصل نہیں ھوتا، لیکن اُس میں زوال کا خوف نہیں ھوتا۔

شیخ نصیر الدین محمود فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ ھم ایک یا دو ماہ میں حاصل کرتے ھیں، مولانا فخر الدین زرادی کو وہ ایک ساعت میں حاصل ھو جاتا ھے۔

جس زمانے میں کہ سلطان محمد تغلق لوگوں کو دیو گیری لے جا رھا تھا، مولانا فخرالدین زرادی بھی گئے، وھاں سے خانۂ کعبہ کی زیارت کے لیے گئے، وھاں سے بغداد آئے، بغداد سے اپنے قدیم وطن دھلی کے ارادے سے کشتی میں سوار ھوئے۔ راستے میں یہ کشتی غرق ھوگئی، اسی میں مولانا کی وفات ھوئی۔

مولانا فخرالدین زرادی بات کے پکے، حق کے معاملے میں کسی کی ملامت کی نہ پرواہ کرنے والے، اور ظالم سلاطین کے سامنے کلمۂ حق کہہ کر حق کو سر بلند کرنے والے تھے۔

اس زمانے میں کہ جب محمد تغلق لوگوں کو دھلی سے دیو گیری بھجوا رھا تھا، اس نے ارادہ کیا کہ وہ ترکستان اور خراسان پر بھی اپنا قبضہ جمائے، اس نے مولانا فخرالدین زرادی، شیخ شمس الدین یحیٰ اور خواجہ نصیر الدین محمود کو بلایا، خواجہ قطب الدین دبیر جو حضرت کے مریدوں میں تھے وہ بھی آپ کے ساتھ تھے، وہ ان دونوں بزرگوں سے پہلے مولانا زرادی کو سلطان محمد تغلق کے پاس لے گئے، جب مولانا سلطان محمد تغلق کے سامنے پہنچے تو خواجہ قطب الدین دبیر نے اُن کے جوتے اُٹھا کر بغل

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۴ پر)

(صفحہ ۲۰۳ کا بقیہ حاشیہ)

میں دبا لیے ، اور کھڑے ہوگئے ، بادشاہ نے یہ دیکھا اور کچھ نہ کہا ، پھر بادشاہ نے مولانا زرادی سے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ملعون چنگیزیوں کی اولاد کو شکست دیں ، آپ اس کام میں ہماری موافقت کریں گے؟ مولانا زرادی نے فرمایا انشاء اللہ ، بادشاہ نے کہا کہ یہ کلمۂ شک ہے ، مولانا نے فرمایا نہیں بلکہ مستقبل کے امر کے لیے یہی کلمہ بولا جاتا ہے ، بادشاہ کو اس پر سخت غصہ آیا مگر خاموش رہا ، پھر اس نے کہا کہ آپ مجھے کوئی نصیحت کیجیے ، تاکہ میں اس پر عمل کروں ۔ مولانا زرادی نے فرمایا کہ غصہ پیا کرو ، بادشاہ نے کہا کون سا غصہ ۔ فرمایا بہائم والا غصہ ، بادشاہ کو اس بات پر اور بھی غصہ آیا ، مگر پی گیا ، پھر بادشاہ نے حکم دیا کہ کھانا لایا جائے ، چنانچہ کھانا لایا گیا ، مولانا زرادی نے بہ اکراہ تھوڑا سا کھانا کھا لیا ، پھر بادشاہ نے دیناروں کی ایک تھیلی اور کچھ ریشمی کپڑے مولانا زرادی کو پیش کیے ، اس کی نیت یہ تھی کہ اگر انھوں نے یہ چیزیں نہ لیں تو میں ان کو سزا دوں گا ، چنانچہ باقی بزرگوں نے جو وہاں موجود تھے یہ شاہی تحفہ قبول کر لیا ، لیکن قبل اس کے کہ مولانا زرادی کی باری آئے ، خواجہ قطب الدین دبیر نے بڑھ کر ان کا یہ شاہی تحفہ لے لیا ، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ مولانا زرادی یہ تحفہ قبول نہیں کریں گے اور ان کا قبول نہ کرنا ، ان کی بے حرمتی کا باعث ہوگا ۔ جب یہ سب بزرگ لوٹ گئے تو سلطان محمد تغلق نے خواجہ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے بد بخت! آج تو نے یہ حرکت کر کے میری تلوار سے فخر زرادی کو چھٹکارا دلا دیا ، خواجہ قطب الدین نے جواب دیا کہ وہ میرے استاد ہیں ، اور میرے مخدوم کے خلیفہ ہیں ، میرے لیے مناسب یہی ہے کہ میں ان کے ادب کو ملحوظ رکھوں ، بادشاہ نے کہا ان کفر آمیز اعتقادات کو چھوڑو ورنہ میں تم کو بھی قتل کرا دوں گا ، خواجہ قطب الدین

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۵ پر)

''آئینۂ ہند'' است ، چاشنی دیگر داشتند ، و ازیں دو بزرگ بسے مردمان تکمیل و ارشاد پیدا آمدید[1] -

(ترجمہ) حق تو یہ ھے کہ وہ (حضرت اخی سراج) واقعی ''آئینۂ ہند'' تھے کہ تمام ہندوستان میں آن سے ارشاد و ہدایت کی رونق بڑھ گئی ، اور معرفت و ولایت کا طریقہ ظاہر ہوا ، اگرچہ سلطان المشائخ کے تمام خلفاء صاحبِ مقامات عالی تھے ، لیکن آن میں سے شیخ نصیر الدین محمود ''چراغ دھلی'' اور شیخ سراج الدین کہ ''آئینۂ ہند'' ہیں ، دوسری ہی چاشنی رکھتے تھے ، ان دو بزرگوں سے بہت سے لوگ صاحب تکمیل و ارشاد پیدا ہوئے۔

---

(صفحہ ۲۰۴ کا بقیہ حاشیہ)

نے جواب دیا کہ یہ میری بڑی خوش نصیبی ہوگی اگر میں اپنے مخدوم کے لیے مارا جاؤں - (اخبار الاخیار - صفحہ ۹۱ - ۹۲)

مولانا زرادی سلطان المشائخ حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے خلفاء میں فصاحتِ لسان ، لطافت کلام اور علوم و فنون میں ممتاز درجہ رکھتے تھے - ان کے تلامذہ میں شیخ سراج الدین عثمان اودی ، مولانا رکن الدین اور آن کے لڑکے صدرالدین اندر پتی ، محمد بن مبارک کرمانی اور ان کے چچا حسین بن محمود وغیرہ مشہور ہیں -

مولانا زرادی کی تصانیف میں حسب ذیل کتابوں کا پتہ چلتا ھے - (۱) رسالہ عثمانیہ - (۲) رسالہ خمسین - (۳) کشف القناع - (۴) اصول السماع - (نزھۃ الخواطر - جلد ۳ - صفحہ ۱۰۳)

حاشیہ صفحہ ۲۰۱ کا

۱- مولانا رکن الدین اندر پتی علوم عربیہ کے بہت بڑے عالم تھے ، انھوں نے مولانا شیخ فخرالدین زرادی سے تعلیم حاصل کی ، اور آن سے شیخ مبارک حسین کرمانی اور شیخ سراج الدین عثمان اودی نے اور دوسرے لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔

(نزھۃ الخواطر - جلد ۲ - صفحہ ۴۵)

۱ - روضۃ الاقطاب صفحہ ۴۹

حاشیہ صفحہ ۲۰۱ کا

۱- حضرت چراغ دھلی کا اسم گرامی نصیرالدین گنج اور ''چراغ دھلی'' لقب تھا ، آپ کے دادا شیخ عبد اللطیف یزدی خراسان سے لاھور تشریف لائے ، آپ کے والد شیخ محمود یحیٰی لاھور ھی میں پیدا ھوئے ، پھر وہ اودھ میں منتقل ھوگئے ، حضرت ''چراغ دھلی'' خطۂ اودھ ھی میں پیدا ھوئے ، بعض نے آپ کا مقام ولادت اجودھیا ، اور بعض نے بارہ بنکی لکھا ھے ، حضرت چراغ دھلی نسباً حسنی سادات میں سے تھے ، نو سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایۂ شفقت سر سے آٹھ گیا ، آپ کی تعلیم و تربیت آپ کی والدہ نے فرمائی ، والدہ کے زھد و تقوی کا اثر صاحبزادے پر بھی پڑا ، آپ شروع ھی سے نماز باجماعت کے اس قدر پابند تھے کہ جماعت کسی حال میں نہ چھوٹتی تھی ، اسی طرح آثار ولایت و بزرگی ابتدا ھی سے آپ کے چہرے سے عیاں تھے ، ابتداء آپ نے مولانا عبد الکریم شروانی سے تعلیم حاصل کی ، پھر مولانا محمد افتخار گیلانی سے علوم ظاھری کی تکمیل کی ، ۴۳ سال کی عمر میں سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ھوکر آن کی بیعت سے مشرف ھوئے - (خزینۃ الاصفیاء - جلد اول - صفحہ ۳۵۳ - ۳۵۴ و سیر العارفین جلد دوم - صفحہ ۴۰)

اخبار الأخیار میں ھے کہ جب خواجہ نصیرالدین سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں حاضر ھوئے تو انھوں نے پوچھا تمھارا کیا مقصد ھے، اور تمھارے باپ کیا کام کرتے تھے ؟ خواجہ نصیر الدین نے عرض کیا کہ میرا مقصد آپ کی درازی عمر کی دعا اور درویشوں کی جوتیاں سیدھی کرنا ھے، میرے والد چند غلاموں کے ذریعہ سے روئی کی تجارت کرتے تھے ، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا اچھا سنو ، جب میں اپنے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر کی خدمت میں رھتا تھا تو اجودھن (پاک پٹن) میں میرے ایک ھم سبق نے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۷ پر)

(صفحہ ۲۰۶ کا بقیہ حاشیہ)
میرے پھٹے ہوئے کپڑے دیکھ کر کہا کہ نظام الدین! تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے، اگر تم کچھ اور نہ کرتے، صرف اس شہر میں لڑکوں کو پڑھاتے، تب بھی ایک فارغ البال زندگی بسر کر سکتے تھے، میں نے اسے کوئی جواب نہ دیا، اور میں اپنے مرشد حضرت بابا فرید کی خدمت میں پہنچا، آنھوں نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا نظام الدین! اگر تمھارا کوئی دوست تمھیں اس حال میں دیکھ کر یہ پوچھے کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنایا ہے؟ اگر تم تعلیم دیتے تو تم کو فارغ البالی حاصل ہو جاتی تو تم اس کا کیا جواب دو گے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ آپ کا ارشاد ہوگا وہی جواب دوں گا، فرمایا اس کے جواب میں یہ شعر پڑھ دینا:

نہ همرهی تو مرا راہ خویش گیر و برو
ترا سعادتے با او، مرا نگونساری

اس کے بعد ایک خوان طلب فرمایا، اور مجھ سے ارشاد فرمایا، اسے سر پر رکھ کر وہاں لے جاؤ، جہاں تمھارا دوست مقیم ہے، میں نے فوراً ہی ارشاد کی تعمیل کی، میرے ہم سبق نے مجھے دیکھ کر کہا تمھیں یہ صحبت اور حالت مبارک ہو۔ حضرت چراغ دھلی کا بیان ہے کہ اس واقعہ کے بیان کرنے کے بعد حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی مجھے اس قسم کی بہت سی نصیحتیں فرماتے رہے۔ (اخبار الاخیار۔ صفحہ ۸۱)

سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی سے بیعت ہونے کے بعد ''حضرت چراغ دھلی'' ریاضتوں اور مجاھدوں میں مشغول ہوگئے، خود فرمایا کرتے تھے کہ کبھی متواتر دس روز گزر جاتے تھے، اور میں کچھ نہ کھاتا تھا، جب خواھشات کا غلبہ ہوتا تو لیموں کا عرق پی لیتا۔ (اخبارالاخیار۔ صفحہ ۸۱)

اس کے علاوہ اپنے شیخ حضرت محبوب الٰہی کی خدمت بڑی
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۸ پر)

(صفحہ ۲۰۷ کا بقیہ حاشیہ)
تندھی سے کرتے ، اسی لیے آپ کو تمام درویش " نصیرالدین محمود گنج " کہا کرتے تھے - (سیرالعارفین - جلد ۲ - صفحہ ۸۰)

کچھ دن اپنے شیخ کی خدمت میں رہنے کے بعد خواجہ نصیر الدین محمود " چراغ دھلی " اپنے وطن اپنی والدہ کے پاس چلے گئے ، لیکن وھاں سے اکثر دھلی حضرت محبوب الٰہی کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے ، وطن آنے کے بعد آپ کی خدمت میں لوگوں کا اس قدر ھجوم ھوا کہ یاد الٰہی میں فرق آنے لگا ، ایک دفعہ آپ جب حضرت محمود الٰہی کی خدمت میں دھلی حاضر ہوئے تو حضرت امیر خسرو کے ذریعہ سے حضرت محبوب الٰہی سے کہلایا کہ آپ کا یہ غلام اودھ میں پڑا ھوا ھے ، لوگوں کا اس قدر ھجوم ھوتا ھے کہ ذکر الٰہی میں خلل پڑنے لگا ھے ، اگر اجازت ھو تو کسی صحرا میں سکونت اختیار کر لوں ، تاکہ اطمینان سے عبادت الٰہی میں مشغول ھو سکوں ، حضرت امیر خسرو نے عشاء کے بعد ، جب وہ اپنے معمول کے مطابق حضرت محبوب الٰہی کی خدمت میں جاتے تھے ، حضرت چراغ دھلی کا یہ پیغام حضرت محبوب الٰہی سے عرض کیا ، حضرت محبوب الٰہی نے فرمایا آن سے کہو کہ وہ خلق اللہ کے درمیان رھیں ، اور لوگوں کی جفاؤں کو خندہ پیشانی سے برداشت کریں ، اور آس کا بدلہ لطف و عطا سے دیں - (اخبار الاخیار - صفحہ ۸۱)

اپنی والدہ کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دھلی نے اپنے وطن کی سکونت چھوڑ کر مستقل دھلی میں توطن اختیار فرمایا ، اور اپنے مرشد کے خاص حجرے میں ، جو جماعت خانے میں تھا رھائش اختیار فرمائی - (سیرالعارفین - جلد ۲ - صفحہ ۸۰)

حضرت محبوب الٰہی نے آپ کی بہترین صلاحیتوں کو دیکھ کر آپ کو دھلی میں اپنا جانشین مقرر فرمایا ، اور اپنی وفات کے وقت
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰۹ پر)

(صفحہ ۲۰۸ کا بقیہ حاشیہ)
جو تبرکات آن کو خواجگان چشت سے ملے تھے عطا کر کے دھلی کے لوگوں کی جفاؤں پر صبر کرنے کی وصیت فرمائی ۔

مسند رشد و ھدایت پر رونق افروز ہونے کے بعد حضرت چراغ دھلی کا تمام وقت طالبان حق کی تربیت و اصلاح میں صرف ھوتا تھا ، ھر طبقے اور مختلف شہروں کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ھوتے اور آپ آن کی ان کے حال کے مطابق تربیت فرماتے ۔

ایک طالب علم کو جو ھدایہ ، بزودی اور کشاف پڑھ چکے تھے ، بیعت لیتے وقت ارشاد فرمایا کہ جب کوئی حلقۂ طریقت میں داخل ھو ، اس کے لیے ضروری ھے کہ وہ آستین چھوٹی کرے ، دامن اونچا رکھے ، سر منڈائے ، آستین چھوٹی کرنے سے یہ مقصد ھے کہ گویا اس نے اپنا ھاتھ کاٹ ڈالا ھے ، تاکہ وہ مخلوق کے سامنے نہ پھیلایا جا سکے ، دامن کے اونچا کرنے کا یہ مطلب ھے کہ گویا اس نے اپنے پاؤں قطع کر لیے ھیں تاکہ وہ برائیوں اور اور گناھوں کی جگہ نہ جا سکے ، سر منڈانے کا یہ مطلب ھے کہ گویا اس نے حق کی راہ میں اپنا سر کاٹ لیا ھے ، اب اس سے کوئی خلاف شریعت بات سرزد نہ ھوگی ۔ (خیرالمجالس مجلس پانزدھم)

ایک درویش آپ کی خدمت میں حاضر ھوا ، اور اس نے کسی ظلم کی شکایت کی ، فرمایا برداشت کرو ، صبر سے کام لو ، اگر کوئی ظلم بھی کرے تو اسے معاف کر دو کہ ایک درویش کا یہی شیوہ ھونا چاھیے ۔ (خیر المجالس مجلس پنجاہ و دوم)

ایک مرتبہ عرب سے ایک عالم آئے ، آپ نے آن سے پوچھا کیا کرتے ھو ؟ آنھوں نے جواب دیا مقنع بنتا ھوں ، آپ نے فرمایا کہ شیخ احمد نہر والا بھی نور بافی کیا کرتے تھے ، پھر شیخ احمد نہر والا کے حالات بیان کرنے کےبعد فرمایا کسب و ھنر کا لقمہ پاک ھے ، اللہ کے ابدال جو پہاڑوں میں رھتے ھیں ، وہ پہاڑ سے لکڑی ،
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۰ پر)

(صفحہ ۲۰۹ کا بقیہ حاشیہ)
گھاس ، جڑی بوٹیاں اور پہاڑی میوے وغیرہ لا کر شہر میں فروخت کرتے ھیں اور آن کی قیمت سے کھانا خرید کر واپس جاتے ھیں -
(خیر المجالس - مجلس نوزدھم)

فرمایا کہ ایک مسلمان کے ایمان کی بنیاد دو چیزوں پر ھے ، جو اللہ اور رسولؐ نے فرمایا ھے آس کی پیروی کرے ، اور جس سے منع فرمایا ھے اس سے رک جائے - (خیرالمجالس - مجلس ھشتاد و یکم)

ایک دفعہ ایک لشکری آیا تو اسے مخاطب کر کے فرمایا اگر طلب دنیا میں نیت بخیر ھو تو وہ فی الحقیقت طلب آخرت ھے -
(خیر المجالس - مجلس ھشتاد و پنجم)

آپ کی خانقاہ میں طالبوں اور مریدوں کا اس قدر ھجوم ھوتا تھا کہ ذرا بھی آرام لینے کی فرصت نہ ملتی تھی ، ایک روز فرمایا :

اکنوں من بارے فرصت مشغولی و خلوت ندارم ، ھمہ روز با خلق می باید بود ، بلکہ قیلولہ نیز نمی شود ، قیلولہ میخواھم کہ بکنم ، برمی کنند کہ آیندہ آمدہ است برخیزند -
(خیرالمجالس - مجلس دوازدھم)

ترجمہ : اب مجھے فرصت مشغولی اور خلوت کی نہیں ھے ، تمام دن مخلوق کے ساتھ رھنا پڑتا ھے ، بلکہ اکثر قیلولہ بھی میسر نہیں ھوتا (بارھا) میں قیلولہ کرنا چاھتا ھوں ، لوگ جگا دیتے ھیں کہ فلاں آیا ھے ، آٹھئے -

سلطان محمد تغلق نے اگرچہ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، لیکن آپ اپنے مرشد کی وصیت کے مطابق آن تمام تکالیف کو سہتے رھے -

جب سلطان محمد تغلق کی وفات کے بعد ٹھٹھہ میں ۷۴۳ھ - ۱۳۴۳ء میں سلطان فیروز شاہ کی تاج پوشی ھوئی تو حضرت شیخ نصیرالدین
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۱ پر)

(صفحہ ۲۱۰ کا بقیہ حاشیہ)
محمود چراغ دہلی بھی ان اکابر علماء و مشائخ کے ساتھ شریک تھے جنھوں نے بالاتفاق فیروز شاہ کو محمد تغلق کا جانشین بنایا - (تاریخ فیروز شاہی - شمس سراج عفیف - صفحہ ۲۹ )

حضرت چراغ دہلی کی وفات کی تفصیلات تکملۂ خیر المجالس میں اس طرح بیان کی گئی ہیں کہ :

''ایک دن ظہر کی نماز کے بعد شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلی جماعت خانے سے حجرۂ خاص میں تشریف لائے، آپ دروازے پر کوئی دربان نہ رکھتے تھے ، آپ کے خادم خاص آپ کے بھانجے شیخ زین الدین علی تھے ، وہ کبھی آپ کے ساتھ خلوت میں ہوتے کبھی نہ ہوتے تھے ، شیخ چراغ دہلی ذکر میں مشغول تھے کہ ایک بیباک قلندر تراب نامی خلوت میں آ پہنچا ، اس کے پاس ایک چاقو تھا ، اس نے حضرت چراغ دہلی پر چاقو سے وار کرنے شروع کیے اور آپ کے جسم مبارک پر بارہ زخم لگائے ، آپ استغراق کی حالت میں تھے ، مطلقاً بچاؤ نہیں کیا ، وہاں ایک نالی تھی ، اس نالی سے خون بہنا شروع ہو گیا ، کچھ مریدوں نے خون بہتے دیکھا تو اندر آئے ، کیا دیکھتے ہیں وہ بے باک قلندر چاقو سے وار کرتا چلا جا رہا ہے ، اور آپ حرکت تک نہیں کرتے ، مریدوں نے چاہا کہ اس بد بخت کو سخت ایذا پہنچائیں ، لیکن آپ نے پسند نہیں کیا اور اسے نہ چھوڑا تا کہ کوئی کسی طرح اسے تکلیف نہ پہنچائے ، عبدالمقتدر تھانیسری ، شیخ صدر الدین طیب ، اور شیخ زین الدین علی کو ، جو آپ کے خاص مریدوں میں تھے ، اپنے پاس بلایا ، اور قسم دی کہ کوئی قلندر کو ضرر نہ پہنچائے ، اور بیس ٹنکے اس قلندر کو انعام دیے ، اور فرمایا کہ شاید چاقو مارنے میں اس کے ہاتھ کو تکلیف ہوئی ہو گی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۲ پر)

(صفحہ ۲۱۱ کا بقیہ حاشیہ)

سبحان اللہ! اھل بصیرت کو آپ کی حسن سیرت معلوم ھو کہ زندگی میں تسلیم و رضا میں کیا درجہ رکھتے تھے -
(تکملہ خیر المجالس صفحہ ۳۱۴ - ۳۱۵)

اس قاتلانہ حملے کے تین سال بعد ۱۸ رمضان المبارک شب جمعہ ۷۵۷ھ- ۱۳۵۶ء میں حضرت چراغ دھلی نے وصال فرمایا ، وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ حضرت محبوب الٰہی کا خرقۂ مبارک میرے سینے پر ، آن کا عصا میرے پہلو میں ، آن کی تسبیح میری شہادت کی آنگلی میں ، آن کی کھڑانویں میری بغل میں رکھ دی جائیں ، چنانچہ ایسا ھی کیا گیا -

حضرت خواجہ گیسو دراز نے آپ کو غسل دیا ،* اور جس پلنگ پر غسل دیا گیا ، اس کی ڈوریاں پلنگ سے نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیں ، اور کہا کہ میرے لیے یہی خرقہ ھے جو کافی ھے -
(سیر العارفین صفحہ ۱۳۵)

آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے ھیں -

(۱) خیر المجالس : اس کے جامع و مرتب حمید شاعر قلندر ھیں ، یہ ملفوظات انھوں نے ۷۵۵ھ — ۱۳۵۴ء میں ترتیب دینے شروع کیے تھے ، جس کی تکمیل ۷۵۶ھ — ۱۳۵۴ء میں کی -
(اخبار الأخیار صفحہ ۸۶)

(۲) مفتاح العاشقین : اس کے جامع و مرتب مولانا محب اللہ ھیں ، ان دونوں مجموعوں میں خیر المجالس زیادہ مقبول و مشہور ھوئی ، اور خیر المجالس کو حال ھی میں پروفیسر خلیق احمد نظامی نے ایڈیٹ کر کے شائع کیا ھے -

حضرت چراغ دھلی کے مشہور خلفاء یہ ھیں ، حضرت میر سید محمد گیسو دراز (گلبرگہ) خواجہ کمال الدین (احمد آباد) شیخ
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۳ پر)

**دھلی میں قیام :** حضرت شیخ اخی سراج اپنے مرشد سلطان المشائخ کی وفات کے بعد تین سال تک دھلی میں تعلیم حاصل کرتے رہے ، وہ خواجہ جہاں کے گنبد میں رھا کرتے تھے ، جب سلطان محمد بن تغلق ۱ نے مشائخ کو جبراً دیو گری بھیجنا شروع کیا تو وہ سلطان المشائخ کے

---

(صفحہ ۲۱۲ کا بقیہ حاشیہ)

دانیال ، شیخ سراج الدین ، شیخ صدر الدین ، شیخ یوسف حسینی ، شیخ احمد تھانیسری ، شیخ محمد متوکل کنتوری ، شیخ قوام الدین اور شیخ عبدالمقتدر ۔ (بزم صوفیہ صفحہ ۳۴۹)

۱ ۔ محمد تغلق کا اصلی نام فخر الدین جونا تھا ، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد ۷۲۵ھ — ۱۳۲۵ء میں تخت نشین ھوا ، وہ خود اعلیٰ درجہ کا فاضل ، معقول و منقول کا عالم ، شاعر و سخن سنج ، طبیب و مورخ ، انشاپرداز اور خوش نویس تھا ۔ اھل علم و ھنر کا بے حد قدردان تھا ، اس نے ممالکِ دکن پر قبضہ رکھنے کے لیے یہ تجویز سوچی کہ دیوگری میں ایک اسلامی شہر بلکہ دوسرا پایۂ تخت قائم کیا جائے ، چناں چہ اس نے پہاڑی قلعے کے باھر بہت وسیع فصیل بنوائی ، اس نئے شہر کا نام دولت آباد رکھا ، سرکاری عمارتوں کے علاوہ بازار و محلات تعمیر کرائے ، بازاروں میں سے ایک چوک ''طرب آباد'' کے نام سے گانا گانے اور سننے والوں کے لیے بنوایا ، دھلی سے یہاں تک راستے صاف کیے اور ھر منزل پر لوگوں کے قیام و طعام کا انتظام کیا ، عمائد و اُمرائے دھلی سے اُن کی منہ مانگی قیمتیں دے کر اُن کے دھلی کے مکانات خرید لیے ، پھر حکم دیا کہ وہ اپنے اھل و اعیال کے ساتھ دولت آباد میں جا کر مقیم ھوں ، سب سے پہلے سلطان محمد تغلق کے اس حکم پر اس کی ماں مخدومہ جہاں نے عمل کیا ، اور اس کے ھمراہ نوکر چاکر ، وظیفہ خوار ، متوسلین ، صوفیہ اور درویشوں کی فوج دھلی سے روانہ ھو کر دولت آباد پہنچی ، اور دوسرے امیر و امرا اپنے حشم و حذم کے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۴ پر)

(صفحہ ۲۱۳ کا بقیہ حاشیہ)
کے ساتھ روانہ ہوئے، یہاں تک کہ قریب قریب سارا شہر دھلی خالی ہو گیا۔

۷۴۸ھ — ۱۳۴۷ء میں سلطان محمد تغلق دھلی سے گجرات ایک باغی غلام طغی نامی کی سرکوبی کے لیے گیا۔ طغی وھاں سے فرار ہو کر کھنمبایت بھاگ گیا، محمد تغلق اس کا تعاقب کرتا ہوا کھنمبایت پہنچا، طغی نے وھاں سے بھاگ کر سندھ میں جاریجہ قوم کے لوگوں میں پناہ لی، سلطان محمد تغلق اس کا تعاقب کرتا ہوا ٹھٹھہ آیا، اور موضع تھری میں دریائے سندھ کے کنارے لشکر کے انتظار میں منزل انداز ہوا، یہیں اس کو بخار آنے لگا، جس کی وجہ سے اسے اس بیماری میں مسافرت محسوس ہوئی، پھر وہ تھری سے کوچ کر کے کنڈل آیا، اور وھاں مقیم ہو گیا۔ یہیں بحری راستے سے اس کی فوج اس سے آ کر ملی، طغی وھاں سے بھاگ کر ٹھٹھہ آیا، سلطان محمد تغلق اس کے تعاقب میں ٹھٹھے روانہ ہوا، جب وہ ٹھٹھے سے چودہ کوس کے فاصلے پر تھا، اتفاق سے وہ دن عاشورے کا تھا، سلطان نے وھیں ٹھہر کر روزہ رکھا، شام کو مچھلی سے روزہ افطار کیا، دوسرے دن اس کی طبیعت ایسی خراب ہوئی کہ ہر چند اطباء نے علاج و معالجہ کیا، لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا، یہاں تک کہ ۲۱ محرم ۷۵۲ھ کو سلطان محمد تغلق نے وفات پائی، مرض الموت میں یہ شعر کہے:

بسیار دریں جہاں چمیدیم
بسیار نعیم و ناز دیدیم
اسپانِ بلند برنشستیم
ترکانِ گراں بہا خریدیم
کردیم بسے نشاط آخر
چو قامتِ ماہ نو خریدیم

(ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ج ۱، باب دھم از ص ۳۰۷ تا ۳۱۹ و تاریخ معصومی از صفحہ ۴۷ تا ۴۹)

کتب خانے سے اپنے مطالعے کے لیے چند کتابیں اور جامۂ خلافت لے کر اپنے وطن لکھنوتی[1] چلے گئے -

**بنگال میں رشد و ہدایت :** اور بنگال میں سب سے پہلے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی بنیاد ڈالی ، اور اس کے فروغ و اشاعت کے لیے بڑا کام کیا - صاحب سیر الاولیاء امیر خورد نے بنگال میں آن کی تبلیغی جد و جہد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

آن دیار را بجمال ولایت خود بیاراست ، و خلق خدا را دست بیعت دادن گرفت ، چنانکه بادشاہان آن ملک داخل مریدان او آمدند ...... روضۂ او قبلۂ ہندوستان است ، و خلفاء او تا این غایت در آن دیار خلق خدا را دست میدھند[2] -

---

۱ - لکھنوتی بنگال کا مشہور شہر تھا ، جو ایک طویل عرصے تک بنگال کا دارالسلطنت رہا ہے ، مشہور ہے کہ اس کی بنیاد سنگلدیپ نامی ایک شخص نے رکھی تھی ، جس نے نواح کوچ سے نکل کر کیدار نامی برھمن پر جو آس زمانے میں بنگال کا حاکم تھا حملہ کیا اور تمام بنگال و بہار کو اپنے قبضے میں لے آیا ، سنگلدیپ نے اس شہر کو آباد کر کے اپنا پایۂ تخت بنایا ، اور تقریباً دو ہزار سال تک یہ شہر بنگال کا دارالحکومت رہا ، سلاطین چغتہ کے عہد میں یہ شہر ویران ہوگیا ، اور اس کے عوض ٹانڈہ دارالسلطنت بنا ، لکھنوتی کو گوڑ بھی کہا جاتا تھا ، صاحب ریاض السلاطین لکھتے ہیں کہ وہ یہ صحیح طور پر نہیں کہہ سکتے کہ اسے گوڑ کیوں کہتے ہیں ، لیکن خیال ہے کہ نوج گوڑیہ کے فرزندوں کی حکومت کے زمانے میں شاید اس کا نام گوڑ پڑا ہو ، ھمایوں نے گوڑ کی تجنیس کو نا خوشگوار دیکھ کر آس کا نام ''جنت آباد'' رکھا ، اب یہ شہر ویران اور درندوں کا مسکن ہے ، سوائے پرانی عمارتوں کے آثار اور قلعہ کے دروازے اور ٹوٹی ہوئی عمارتوں اور مسجد کے یہاں کچھ باقی نہیں (ماخوذ از ریاض السلاطین ص ۲۸ تا ۳۰ )

۲ - سیرالاولیاء - ص ۹۰ - ۹۱)

ترجمہ: آس دیار کو اپنے جمال ولایت سے آراستہ کیا ، اور خلق خدا آن سے بیعت ہوے لگی - یہاں تک کہ اس ملک کے بادشاہ بھی آن کے حلقۂ مریدین میں داخل ہو گئے ...... آن کا روضہ قبلۂ ہندوستان ہے ، اور آن کے خلفاء اب تک اس علاقے میں خلق خدا کی رہنمائی کرتے ہیں -

**وفات:** حضرت اخی سراج ۷۵۸ھ-۱۳۵۸ء میں واصل الی اللہ ہوئے ، وفات سے پہلے اپنی قبر کے لیے جگہ منتخب کی ، اور اس جگہ پہلے وہ کپڑے دفن کیے جو سلطان المشائخ نے ان کو عطا فرمائے تھے ، پھر وصیت فرمائی کہ مجھے میری وفات کے بعد ان کی پائینتی میں دفن کیا جائے ، چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی -

حضرت اخی سراج کا مزار پر انوار سعد اللہ پور میں زیارت گاہ خاص و عام ہے -

**روضۂ مبارک:** ریاض السلاطین میں ہے کہ آپ کے روضۂ مبارک کی تعمیر سلطان نصرت شاہ [1] ابن علاء الدین حسین شاہ نے کرائی ، صاحب ریاض السلاطین غلام حسین سلیم کا بیان ہے کہ آپ کے روضۂ مبارک

---

۱ - نصرت شاہ سلطان علاء الدین کا بیٹا تھا ، جو اپنے باپ کے مرنے کے بعد تخت نشین ہوا ، نصرت شاہ ، نصیب شاہ کے نام سے بھی مشہور تھا ، اس نے تخت سلطنت پر بیٹھتے ہی اپنے بھائیوں کے منصب کو اپنے باپ کے زمانے سے دو چند کر دیا ، راجا ترہت کو قید کر کے قتل کیا ، جب بابر سلطان ابراہیم لودھی کو قتل کر کے ہندوستان کے کثیر حصوں پر مسلط ہو گیا تو لودھی آمرا پریشان اور منتشر ہو کر نصرت شاہ کے پاس آئے ، یہاں تک کہ آخر میں سلطان ابراہیم لودھی کا بھائی سلطان محمود اپنی مملکت سے اکھڑ کر نصرت شاہ کے پاس بنگال آیا ، نصرت شاہ نے ہر آنے والے کی دل جوئی کی ، اور ہر ایک کو اس کی صلاحیتوں کے مطابق پرگنجات اور قصبات

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۷ پر)

میں میں نے نواب جعفر خاں کے ھاتھ کا لکھا ھوا ایک قرآن مجید دیکھا تھا ، جو خط جلی میں تھا اور جس کے پارے علاحدہ علحدہ تھے ۔

**کتبہ :** مخدوم اخی سراج کی درگاہ کے ایک دروازے پر یہ کتبہ موجود ھے

---

(صفحہ ۲۱۶ کا بقیہ حاشیہ)

میں رکھا ، سلطان ابراھیم لودھی کی لڑکی جو اتفاق سے بنگال مں آگئی تھی ، اُس سے شادی کی ، اور مغلوں کے مقابلے کے لئے قطب شاہ کو ایک فوج کے ساتھ نواح بہرائچ میں روانہ کیا ، جہاں اس کی کئی مرتبہ جھڑپیں ھوئیں ، لیکن جب ۹۳۵ھ میں بابر نے جون پور اور جون پور کے اطراف و جوانب کو فتح کر لیا تو اُس نے مال اندیشی کے پیش نظر نہایت قیمتی تحائف و ھدایا اپنے ایلچیوں کے ذریعہ سے بھیج کر عجز و زاری کی راہ اختیار کی ، جب ۹۳۷ھ میں ھمایوں تخت نشین ھوا تو مشہور ھوا کہ ھمایوں تسخیر بنگالہ کا عزم رکھتا ھے ، یہ سن کر نصرت شاہ نے ۹۳۹ھ میں اظہار اخلاص و محبت و عقیدت کے طور پر نہایت نفیس تحفے ملک مرجان خواجہ سرا کے ذریعہ سلطان بہادر گجراتی کو بھجوائے ۔ ملک مرجان قلعہ مندو میں سلطان بہادر سے ملا اور خلعت خاص سے سرفراز کیا گیا ، لیکن اس عرصے میں نصرت شاہ کے مظالم اور فسق و فساد بے حد بڑھ گیا ، یہاں تک کہ لوگ اُس کے ظلم سے پناہ مانگنے لگے ۔ ایک روز وہ شہر گوڑ میں بمقام اکناکہ اپنے والد کی قبر کی زیارت کے لئے گیا ، اتفاقاً اُس نے اُسی جگہ ایک خواجہ سرا کو اُس کے کسی قصور پر ڈانٹا ، جب وہ گھر لوٹا تو اُس خواجہ سرا نے دوسرے خواجہ سراؤں کو اپنے ساتھ ملا کر ۹۴۳ھ میں اُسے قتل کر دیا ۔

نصرت شاہ کی مدت حکومت سولہ سال تھی ، اُس کی تعمیر کی ھوئی عمارت "سونہ مسجد" آج بھی گوڑ کے خرابے میں اپنی کہنگی کے باوجود موجود ھے ۔ وہ کتبے جو اُس کے زمانے کے لگے ھیں ، ان میں اس کا

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۱۸ پر)

بنی ھذا الباب السلطان الحسینی السلطان المعظم علاء الدنیا و الدین بن اشرف الحسینی ۱ - خلد اللہ ملکہ و سلطانہ - فی سنۃ عشر و تسعمایۃ ۲ -

**خلفا:** شیخ اخی سراج کے خلفاء میں جس بزرگ نے سب سے زیادہ شہرت و مقبولیت حاصل کی و شیخ علاء الحق والدین بن اسعد بنگالی تھے -

---

(صفحہ ۲۱۷ کا بقیہ حاشیہ)
نام نصرت شاہ بن علاء الدین شاہ کندہ ھے ، تاریخوں میں اس کا نام نصیب شاہ بھی مندرج ھے لیکن کتبوں پر دوسرے اندراجات کو ترجیح نہیں دی جا سکتی -
(ماخوذ از ریاض السلاطین - ص ۱۳۶ تا ۱۳۹)

۱ - مظفر شاہ باشاہ کے بعد ۱۴۸۹ء میں حسین شاہ عرف سید علاء الدین والدنیا سلطان حسین شاہ بن سید اشرف حسینی متوطن شہر تبریز کہ اس کو بنگلہ بادشاہ بھی کہتے تھے (بنگال) کے تخت سلطنت پر بیٹھا ، اور اس کے نام کا خطبہ و سکہ جاری ھوا ، اس نے شہر گوڑھ میں نہر کے کنارے اور شہر میں ، جا بجا مسجدیں ، تالاب ، لنگر خانے ، امداد خانے اور پختہ سرائیں گوڑ ، راڈھ اور اڑیسہ وغیر میں بنوائیں ، چنانچہ شہر گوڑھ میں دروازہ قدم شریف ، اور دروازۂ مخدوم شاہ جہانیاں اسی کا بنوایا ھوا زیارت گاہ خلائق ھے سلطان حسین شاہ بن سید اشرف حسینی کی مدت حکومت ۸۶۸ھ سے ۹۱۲ھ تک ھے ماخوذ از احوال گوڑھ پنڈ وہ تالیف شیام پرشاد منشی ص ۱۳-۱۴ مشمولہ مسلم آرٹیکچر ان بنگال تالیف مسٹر احمد حسین دانی -

۲ - انسکرپشن آف بنگال - ص ۱۶۶ -

(۳۴)

## سید العارفین

**حالات :** سیدالعارفین کو ضلع باقر گنج کے نواح میں سب سے پہلا صوفی اور مبلغ اسلام سمجھا جاتا ہے ، جنھوں نے اس خطے کو اسلام کے نور سے منور اور تاباں بنایا ۔ ان کے متعلق ایک مشہور روایت یہ ہے کہ تیمور لنگ نے ان کو تبلیغ اسلام کے لئے بھیجا تھا ۔ وہ جب ہندوستان پہنچے تو انھوں نے اپنے دوران سفر میں دیکھا کہ اس ملک کے مختلف حصوں میں اسلام پھیلا ہوا ہے ، وہ ہندوستان کے مختلف علاقوں کا سفر کرتے رہے ، اور ایسے خطے کی تلاش میں رہے کہ وہ کسی ایسے علاقے کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنائیں جہاں اب تک اسلام نہ پھیلا ہو ، اسی تلاش و جستجو میں جب وہ باقر گنج ہوتے ہوئے کالی سندی گاؤں کے قریب پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک ہندو لڑکی کالی نامی جو سندی (مے فروش) کی لڑکی تھی صبح کو دریا کے کنارے اپنے چاول دھونے کے لئے دریا کی طرف آرہی ہے ۔ اس لڑکی کو دیکھ کر وہ رک گئے ، اور انھوں نے اس لڑکی سے فرمایا کہ یہ چاول میرے کھانے کے لیے پکا دو ، لڑکی آن کی شکل و شباہت دیکھ کر پہچان گئی کہ وہ مسلمان ہیں ، اس نے نہایت بے پروائی سے جواب دیا کہ ہم مسلمانوں کے لیے کھانا نہیں پکاتے ۔ یہ کہ کر وہ چاول دھونے میں مصروف ہو گئی ، سیدالعارفین خاموش ہو گئے ، لیکن وہ لڑکی اسی تھوڑے عرصے میں سیدالعارفین کی بعض کرامات کو دیکھ کر اس قدر متاثر ہوئی کہ فوراً مسلمان ہو گئی ، اور اس نے سیدالعارفین سے کہاکہ اس علاقے میں کوئی مسلمان نہیں ، یہ سارا علاقہ کفر و شرک سے بھرپور ہے، بہتر ہے کہ آپ اس علاقے میں تبلیغ اسلام

فرمائیں - چناں چہ حضرت سیدالعارفین نے اس لڑکی کے کہنے پر اس علاقے کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا ، اور ان کے اشاد و ھدایت سے اس خطے میں اسلام پھیلا ، یہی وجہ ھے کہ اس علاقے کے لوگ آج بھی آپ کو پہلا مسلمان مبلغ اور صوفی کہتے ھیں ان - بزرگ کے متعلق یہ روایت عوام کی زبان پر ھے - اگرچہ اس روایت کو تاریخی استناد حاصل نہیں ، لیکن بقول ڈاکٹر انعام الحق دوسرے تاریخی شواھد کے فقدان کی وجہ سے هم اس روایت سے اس نتیجے پر پہنچتے ھیں کہ یہ بزرگ تیمور لنگ کے عہد میں بنگال آئے ، اور تیمور کا دور حکومت (۱۳۶۱ء/۷۶۳ھ تا ۱۴۰۵ء/۸۰۸ھ) ھے ، اس لئے هم اس نتیجے پر پہنچتے ھیں کہ ان بزرگ کی بنگال میں آمد کا زمانہ چودھویں صدی عیسوی کا آخری زمانہ ہو گا -

**مزار :** حضرت سیدالعارفین کا مزار پرانوار آج بھی کالی سندی گاؤں میں جوباؤفل پولیس اسٹیشن کے تحت ضلع باقر گنج کے حدود میں واقع ھے اور زیارت گاہ خاص و عام ھے -

**عرس :** حضرت سید العارفین کا عرس پوس کے مہینے میں عیسوی ماہ دسمبر میں ھوتا ھے ، جس میں ھندو مسلم دونوں شریک ھوتے ھیں -

یہ عرس کالی سندی کے میلے کے نام سے بھی موسوم ھے اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ھے کہ کہا جاتا ھے کہ ایک دن اس لڑکی نے جو اس علاقے کی ھدایت کا سبب بنی حضرت سیدالعارفین سے عرض کیا کہ اس کی تمنا ھے کہ کسی طرح اس کے نام کو ثبت دوام حاصل ھو ، حضرت سید العارفین نے اس کے بعد سالانہ عرس کا حکم دیا جس کا نام کالی سندی کا میلہ پڑا ، اس طرح اس لڑکی کی تمنا پوری ھو گئی ، آج بھی اس عرس کی وجہ سے اس لڑکی کا نام زندۂ جاوید ھے -

## (۳۵)

# شاہ سلطان انصاری

**حالات :** شاہ سلطان انصاری ۹۰۰ھ—۱۴۹۴ء میں اپنے خاندان کے ساتھ ملتان اور گجرات میں قیام کرتے ہوئے منگل کوٹ تشریف لائے۔ آپ ایک متبحر عالم ، ایک مشہور درویش اور کامیاب مبلغ اسلام تھے ، آپ کے تین صاحبزادے تھے ، جن میں سے ایک صاحبزادے کی ولادت منگل کوٹ ھی میں ہوئی ، آج بھی آپ کی اولاد منگل کوٹ میں موجود ھے ، آپ کی اولاد میں سے ایک بزرگ مولنا مفیدالرحمن انصاری کچھ عرصہ پہلے تک مہاراجہ بردوان کی ملازمت میں منسلک تھے ، جن کا سلسلہ طریقت شاہ سلطان انصاری سے سترہ واسطوں کے بعد جا ملتا ھے[۱]۔

---

۱۔ یہ تمام تفصیل ھسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ص ۱۹۴-۱۹۵ سے ماخوذ ھے۔

## (۳٦)

# شاہ سلطان رومی

**حالات :** بنگال کے قدیم صوفیہ میں شاہ سلطان رومی کو بڑی عظمت و شہرت حاصل ہے۔ لیکن ان بزرگ کے حالات کہیں تفصیل سے نہیں ملتے ، سوشل ہسٹری آف دی مسلم ان بنگال میں ہے کہ شاہ سلطان رومی کی خانقاہ مدن پور تحصیل نترگونہ ضلع میمن سنگھ میں واقع ہے ، اس خانقاہ کے ایک متولی نے ۱۸۲۹ء میں انگریزی عہد حکومت میں ایک دستاویز پیش کی تھی ، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ سلطان رومی ۴۴۵ھ - ۱۸۵۳ء مدن پور تشریف لائے تھے ، یہ دستاویز ۱۰۸۲ھ - ۱٦٧١ء کی لکھی ہوئی ہے۔

**تبلیغ اسلام :** اس دستاویز سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ کوچ خاندان کے ایک راجا نے آپ کے دست حق پرست پر اسلام قبول کیا تھا ، اور یہ گاؤں آن کی خانقاہ کے لیے وقف کیا تھا۔

اگر اس دستاویز کی اطلاعات کو صحیح مان لیا جائے تو پھر یہ واقعہ بہت بعد کا قرار پاتا ہے ،کیونکہ کوچ خاندان کے راجا ، سین راجاؤں کے بہت عرصے بعد اس ملک میں حکمراں ہوئے[۱]۔

ہسٹری آف صوفیزم ان بنگال میں ڈاکٹر انعام الحق نے آپ کے حالات کے ضمن میں لکھا ہے کہ جب شاہ سلطان رومی میمن سنگھ تشریف

---

۱ - یہ تمام تفصیل سوشل ہسٹری آف دی مسلم ان بنگال - ص ۸۸ سے ماخوذ ہے۔

لائے اور مدن پور گاؤں میں سکونت پذیر ہوئے تو اس وقت یہ علاقہ راجا کوچ کے تحت تھا اور وہاں سوائے آپ کے اور آپ کے رفقاء کے کوئی مسلمان نہ تھا ، آپ نے جب یہاں سکونت اختیار کی تو آپ کے حسن اخلاق اور کرامات کو دیکھ کر لوگ آپ کے گرد پروانہ وار جمع ہونے لگے ، جو کوئی بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا ، آپ کے حسن اخلاق اور کرامات کو دیکھ کر فوراً مسلمان ہوجاتا ، اس طرح تھوڑے ھی عرصے میں مسلمانوں کی ایک جمیعت ہوگئی ، جب راجا کوچ کو اس کا علم ہوا تو وہ اپنے علاقے میں اسلام کے فروغ اور اشاعت اور آپ کے اثر و رسوخ کو دیکھ کر بو کھلا گیا ، راجا نے آپ کو بلوا بھیجا ، اور آپ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کو مسلمان بناتے ھیں ؟ آپ نے فرمایا میں جو کچھ کرتا ہوں خدا کے حکم سے کرتا ہوں ، اس نے آپ کا امتحان لینے کے لیے آپ کو ایک تیز مہلک قسم کا زہر دیا - آپ نے وہ زہر بسم اللہ کہہ کر پی لیا ، راجا کی حیرت نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس زہر کا آپ پر مطلقاً اثر نہیں ہوا ، آپ اسی طرح زندہ موجود ھیں ، آپ کی یہ کرامت دیکھ کر راجا اور اس کے سب مصاحب مسلمان ہوگئے -

راجا نے یہ تمام گاؤں آپ کے لئے وقف کر دیا ، یہ ایک بہت بڑی معافی کی جائداد ھے جو شاہ سلطان رومی کے مزار کے لئے وقف ھے -

اس مزار کے سلسلے میں ایک دستاویز دستیاب ہوئی ھے ، جس سے یہ معلوم ہوتا ھے کہ شاہ سلطان رومی اپنے بزرگ سید شاہ سرخ انتیہ کے ہمراہ مدن پور تشریف لائے اور ۴۴۵ھ — ۱۰۵۳ء میں یہاں سکونت اختیار کی[۱] -

---

۱ - ہسٹری آف صوفیزم ان بنگال از ڈاکٹر انعام الحق ص ۲۱۴—۲۱۵

(۳۷)

# شاہ سلطان ماہی سوار

**حالات :** شاہ سلطان ماہی سوار بنگال میں ابتدائی دور کے ان مسلم مبلغین میں سے ہیں ، جن کے حالات پردۂ خفا میں ہیں لیکن مہستنہ میں جو روایتیں اُن کے متعلق مشہور ہیں وہ یہ ہیں کہ شاہ سلطان ماہی سوار بلخ کے بادشاہ اصغر نامی کے صاحبزادے تھے ، اپنے والد کی وفات کے بعد تخت سلطنت پر متمکن ہوئے اور انتظام حکومت سے غافل ہوکر شاہانہ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگے ، ان کے عیش و عشرت کی وجہ سے ملک انتشار کا شکار ہوگیا - دولت کی فراوانی کی وجہ سے شاہ سلطان ماہی سوار کی زندگی بڑے عیش وآرام سے گزر رہی تھی کہ ایک اتفاق واقعے نے ان کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا ، ہوا یہ کہ ایک دن ایک باندی اُن کے پلنگ پر سوگئی - اُنھوں نے اُسے پلنگ پر سوتے دیکھا تو یہ بات انھیں نہایت ناگوار گزری ، حکم دیا کہ اُن کے سامنے باندی کے کوڑے لگائے جائیں ، باندی نے کوڑے کھاتے ہوئے ایک دفعہ کہا ، اس پلنگ پر ایک لمحہ آرام کرنے کی اگر یہ سزا ہے تو نہ معلوم جو اس پر ہمیشہ آرام کرتا ہے اُسے دوزخ میں کتنی سزا دی جائے گی - شاہ سلطان ماہی سوار کی چشم بصیرت کے لئے باندی کا یہ فقرہ بے حد باعث عبرت ہوا ، اور اس کے بعد ہی سے وہ اپنے افسوسناک ماضی پر غور کرنے لگے - یہاں تک کہ رفتہ رفتہ دل دنیا سے متنفر ہو کر زہد و ورع کی طرف مائل ہوگیا ، آخر تخت شاہی کو خیر باد کہہ کر وہ معرفت الٰہی کی طلب میں ایک غیر متعین سفر پر روانہ ہوگئے - ایک طویل سفر کے

بعد وہ دمشق پہنچے ، وہاں آن کی ملاقات ایک جلیل القدر صوفی شیخ توفیق نامی سے ہوئی -

**بیعت :** راہ سلوک کے اس راہی نے اپنے مقصد کو پا لیا ، اور شیخ توفیق کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر ریاضتوں اور مجاھدوں میں مشغول ہوگئے ، ۳۶ سال تک وہ اپنے شیخ کی خدمت میں رہے ، یہاں تک کہ عرفان و سلوک کے تمام منازل طے کر لیے -

**شیخ کا ارشاد :** آن کی صلاحیتوں کی پختگی کو دیکھ کر شیخ توفیق دمشقی نے ان کو حکم دیا کہ وہ بنگال جا کر تبلیغ اسلام کریں ، چنانچہ وہ بحری راستے سے سندویپ[1] پہنچے - وہاں کچھ عرصے قیام کیا -

**ماہی سوار کی وجہ تسمیہ :** شاہ سلطان محمود کو ماہی سوار اس لیے کہتے ہیں کہ وہ جس کشتی میں سوار ہو کر بنگال تشریف لائے تھے وہ مچھلی کی شکل کی طرح کی تھی اور آس پر مچھلی کا نشان بنا ہوا تھا -

**بنگال میں رشد و ہدایت :** وہاں سے آپ ہری رام نگر پہنچے ، یہ شہر گنجان آباد اور خوبصورت تھا اور ساحل سمندر پر واقع تھا ، آس زمانے میں اس شہر پر بالا رام نامی ایک راجا کی حکومت تھی جو کالی دیوی کا پجاری تھا ، آپ کی بعض کرامتوں کو دیکھ کر وہ اس قدر خائف ہوا کہ آس نے تہیہ کر لیا کہ وہ شاہ سلطان ماہی سوارکو اپنی حدود مملکت سے باہر نکال دے گا ، راجا نے آن کے مقابلے کے لیے فوجیں بھیجیں ، لیکن شاہ سلطان ماہی سوار نے آن کو شکست دے دی ، آخر راجا خود مقابلہ کرتے ہوئے مارا گیا ، راجا کے وزیر نے چونکہ اسلام قبول کر لیا تھا ، حضرت شاہ سلطان ماہی سوار نے اس وزیر کو تخت سلطنت پر بٹھایا -

**مہستنہ میں تشریف آوری :** ہری رام نگر سے فارغ ہونے کے بعد شاہ سلطان رومی نے راجا پرسو رام کی حکومت میں داخل ہونے کا ارادہ کیا ، جو آس زمانے میں ضلع بوگرہ میں مہستنہ پر حکمراں تھا ، تا کہ اس سرزمین کو بھی اسلام کے نور سے منور کریں ، چناں چہ جب آپ وہاں

---

[1] - یہ جگہ دریائے گنگا کے دہانے پر خلیج بنگال میں واقع ہے -

پہنچے تو آپ کا مقابلہ راجا پرسو رام اور اس کی بہن سلادیوی سے ہوا جو سحر اور جادو میں کمال رکھتی تھی ، راجا پرسو رام اپنی مادی طاقتوں سے اور سلادیوی اپنے سحر کے بل بوتے پر آپ سے مقابل ہوئی ، راجا پرسو رام جنگ میں مارا گیا ، اور اس کی بہن سلادیوی شاہ سلطان رومی کی روحانی عظمت و جلالت سے خوف کھا کر دریائے کارہ تویا میں ڈوب کر مری ۔

**مہستنہ میں ارشاد و تبلیغ :** اس طرح مہستنہ کا سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا ، حضرت شاہ سلطان رومی نے یہاں ایک مسجد اور خانقاہ تعمیر کرائی ، اس خانقاہ میں آپ ساری عمر تبلیغ و ارشاد میں مصروف رہے ۔

**وفات :** حضرت سلطان ماهی سوار نے مہستنہ ضلع بوگرہ میں وفات پائی ، وهیں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ھے[۱] ۔

سوشل هسٹری آف دی مسلم ان بنگال میں ھے کہ عہد اورنگ زیب[۲] میں اس درگاہ کے خدام سید محمد طاھر ، سید عبدالرحمن اور

---

۱ ۔ ڈاکٹر انعام الحق نے راجا پرسو رام اور سلادیوی سے حضرت شاہ سلطان ماهی سوار کے مقابلے کے تفصیلی حالات دیے هیں ، مگر هم نے یہاں اُن کو اختصار سے نقل کیا ھے ، تفصیل کے لیے دیکھئے هسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ــ مؤلفہ ڈاکٹر انعام الحق ــ باب هشتم ۔ ص ۲۰۰ تا ۲۱۳

۲ ۔ اورنگزیب عالمگیر، شاهجہان کا تیسرا بیٹا تھا ، ۱۰۲۷ھ ــ ۱۶۱۸ء میں مالوے قریب دوهد میں پیدا هوا ۔ دهلی کے قریب لشکر گاہ میں یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق جولائی ۱۶۵۸ء میں اس کی رسم تاج پوشی ادا هوئی ، احمد نگر میں جب کہ وہ مرهٹوں کے قلع قمع میں مصروف تھا ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ فروری ۱۷۰۷ء میں ایک خفیف سی علالت کے بعد عالم آخرت کی راہ لی ، وفات سے چند گھنٹے پہلے جب (باقی حاشیہ صفحہ ۲۲۸ پر)

سید رضا کو جو سند دی گئی تھی اس میں مندرج ہے کہ مکھی راج یعنی وہ زمین جو اس درگاہ کے متصل ہے ان کو اس لیے دی جاتی ہے کہ وہ درگاہ اور خانقاہ کا احترام باقی رکھیں ، اس سند میں گزشتہ سلاطین کا حوالہ بھی ہے ، جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ خانقاہ اور درگاہ بہت قدیم ہے لیکن اس کی قدامت کی مدت کا تعین نہیں کیا جا سکتا ۔

**ہندو اور مسلمانوں کا سنگھم :** یہ عجیب بات ہے کہ دریائے کارہ تویا کا وہ حصہ جہاں سلادیوی ڈوبی تھی آج بھی سلا دیوی کے گھاٹ کے نام سے مشہور ہے ، پوسنا رایانی یوگ کے زمانے میں دریائے کارہ تویا کے کنارے ایک میلہ لگتا ہے ، جہاں ہزارہا ہندو جاتری اشنان کے لیے جمع ہوتے ہیں ، ان کا عقیدہ ہے کہ جو پانی اس یادگار گھاٹ پر سے گزرتا ہے وہ انہیں پاک بنا دیتا ہے ۔

دوسری طرف مسلمان بھی اس میلے میں شریک ہوتے ہیں ، اور وہ اس دن وہاں شاہ سلطان ماہی سوار کی فتح کی یاد مناتے ہیں ، اور نماز شکرانہ اور دوسرے مذہبی رسوم بجا لاتے ہیں [۱] ، اس طرح مہاستنہ ہندو اور مسلمانوں کا سنگم ہے ۔

---

(صفحہ ۲۲۷ کا بقیہ حاشیہ)

کہ وہ دمے کے دورے میں مبتلا تھا ، ایک عرض داشت پر وصیت لکھی کہ میری تجہیز و تکفین میں خلاف سنت کوئی رسم نہ کی جائے ، خواجہ غریب الدین کے پائیں مجھے دفن کیا جائے ، اور میری قبر پکی یا اس کے اوپر کوئی سقف و گنبد نہ بنایا جائے ، اس کی وصیت کے مطابق جنازہ احمد نگر سے خلد آباد (دکن) لایا گیا ، تقریباً تمام راستے پر دو رویہ عام رعایا کے لوگ کھڑے آنسوؤں کے موتی نچھاور کر رہے تھے ، اور ہزارہا اہل لشکر ماتم کناں ساتھ تھے ۔ (ماخوذ از تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ۔ جلد اول ۔ ص ۵۲۴—۵۳۶ ۔ ۵۶۶—۵۶۷)

۱ ۔ ہسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ۔

( ۳۸ )

# سید سلطان

**حالات :** سید سلطان بنگالی زبان کے وہ عظیم المرتبت شاعر ادیب اور صوفی اور درویش ھیں کہ جنھوں نے بنگالی ادب و شاعری کو آسمان کی سی بلندی بخشی اور اپنے ادب و شاعری سے اسلامی تعلیمات کو عام کیا ، انھوں نے اس وقت بنگالی زبان کو اسلامی ادب سے مالا مال کیا ، جب کہ بنگالی زبان میں اسلامیات کو منتقل کرنا ایک شجر ممنوعہ سمجھا جاتا تھا ، بنگال میں تعمیری ادب اور اسلامی شاعری کے پیش رو سید سلطان تھے ، اور بنگالی کے شعری ادب اور بنگال میں اسلامی تعلیمات کو اپنی شاعری سے عام کرنے میں ان کا نام ھمیشہ بنگالی ادب کی تاریخ کا جلی عنوان رھے گا -

سید سلطان کے حالات ابھی تک پردۂ خفا میں ھیں ، ان کے حالات کی تفصیلات ابھی تک واضح طور پر ھمارے سامنے نہیں آئیں کہ جنھیں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت دی جا سکے ، بہر حال جو کچھ بھی ان کے حالات کے متعلق مبہم تفصیلات ملتی ھیں ، اس کا ذریعہ ھمارے لئے ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاھی ھیں ، ڈاکٹر انعام الحق بجائے خود ھماری تاریخ کا ایک جلی عنوان ھیں - ھم مغربی پاکستان کے رھنے والوں کے لیے ڈاکٹر انعام الحق کی ھی کتابیں وہ ذریعہ ھیں جن سے ھم مشرقی پاکستان اور مغربی بنگال کی اسلامی ، ثقافتی اور سوشل تاریخ کا کچھ سراغ پا لیتے ھیں ، ورنہ ھمارے لیے بزرگان ڈھاکہ تک رسائی بے حد مشکل تھی ، ضرورت ہے کہ مشرقی پاکستان کے اھل قلم ، ادیب اور مؤرخ کم از کم اپنی تاریخ اور تذکروں کو اردو میں منتقل کریں تاکہ

مغربی پاکستان کے لوگ مشرقی پاکستان کی عظیم علمی و ادبی و ثقافتی تاریخ سے صحیح طور پر مستفید ہو سکیں۔ ہمارا خیال ہے کہ ان کا یہ اقدام دونوں صوبوں کے ربط و ہم آہنگی میں بڑا ممد و معاون ثابت ہوگا، اسی طرح مغربی پاکستان کی تاریخ اور تذکروں کے ترجمے بنگالی میں ہونے چاہئیں۔

ڈاکٹر انعام الحق کا خیال ہے کہ سید سلطان چٹاگانگ پرگنہ چکرا شالا میں ۹۵۷ھ - ۱۵۵۰ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے، ان کے جانشین مقیم کا بیان ہے کہ وہ چکراشالا کے ایک پیرخاندان کے چشم و چراغ تھے، اور خود بھی ایک پیر تھے۔

مظفر صاحب، جنھوں نے مقتول حسین "حنیفر پترا پاٹھ" کے بارے میں ایک ٹکڑا لکھا ہے اپنے آپ کو سید سلطان کا پوتا اور چکرا شالا کا باشندہ بتاتے ہیں، اس میں شبہ کی بہت کم گنجائش ہے کہ سید سلطان چاٹگام کے تھانے پٹیا کے رہنے والے تھے، خود سید سلطان نے اپنے گاؤں کا نام لشکر پور بتایا ہے، جس کے معنی ہیں لشکر کا قصبہ یا اصل میں لشکر براگل خاں کا قصبہ ہیں، یا دوسرے لفظوں میں فی الحقیقت پراگل پور ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید سلطان نے اپنے مریدوں سے ملنے کے لیے عارضی طور پر وہاں قیام کیا ہوگا، اور اسی جگہ (اپنی کتاب) "شب معراج" تصنیف کی ہوگی، آنھوں نے "آچی" کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی ہیں ٹھہرا ہوا ہوں، وہ یہ نہیں کہتے کہ یہ ان کا اصل وطن تھا [1]۔

**سید سلطان کی تصانیف:** قبل اس کے کہ ہم سید سلطان کی تصانیف پر تبصرہ کریں، یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان محرکات اور ماحول کا ذکر کرتے چلیں جن سے متاثر ہو کر سید سلطان نے اپنی شاعری اور ادب کے رخ کو موڑا۔

---

۱ - مسلم بنگالی ادب ص ۱۶۴ - ۱۶۵

یہ وہ زمانہ تھا کہ چیتینہ کی ویشنو تحریک نے بنگالی زبان اور ادب کی ترقی ھی کو نہیں ، بلکہ بنگال میں اشاعت اسلام کو بالکل روک دیا تھا ، اور عام مسلمان اس سے بے حد متاثر ہو رہے تھے ، مشہور تو یہ ھے کہ ویشنو تحریک کا مقصد اسلام اور ہندو مذہب کو ملا کر ایک نئے مذہب کو جنم دینا تھا ، لیکن حقیقتاً یہ ایک پردہ تھا اس تحریک کا مقصد ہندو مذہب کو حیات نو بخشنا تھا ۔

اس تحریک کا بانی چیتینہ بنگال کے شہر ندیا میں ۸۹۱ھ—۱۴۸۶ء پیدا ھوا ، جو ابتداً ہندو راجاؤں کا دارالسلطنت تھا ، مسلمان فاتحین نے جب لکھنوتی کو اپنا دارالخلافہ بنایا تو یہ شہر ہندوؤں کی علمی اور مذہبی تحریکوں کا گڑھ بن گیا ، اس شہر میں چیتینہ نے آنکھ کھولی ، لیکن وہ مسلمانوں کے عقائد و تعلیم سے نابلد نہ تھا ۔ اس نے مسئلۂ توحید پر بعض مسلمان صوفیہ سے گفتگو کی ، اس کے وہ ساتھی جو اس کی تحریک سے متاثر تھے عربی فارسی سے واقف تھے ، اور بنگال کے مسلمان بادشاھوں کے دربار میں معزز عہدوں پر فائز تھے ، روپ اور سناتن دو برھمن بھائی تھے ، جن کا جد اعلیٰ کرناٹک میں کسی ریاست کا حاکم بن گیا تھا ، ۸۱۷ھ ۱۴۱۴ء میں اس کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا اس کا قائم مقام ھوا ۔ اگرچہ اس کے بیٹے کی وفات ۸۱۹ھ ۱۴۱۶ء میں ھوگئی ، لیکن مرنے سے پہلے اس کے تعلقات گوڑ کے ایک مسلمان حاکم سے قائم ھوگئے تھے ، جو اتفاق سے جنوبی ہندوستان آیا تھا ، ۸۱۹ھ — ۱۴۱۶ء میں جب اس نے وفات پائی تو اس کے بیٹوں میں اختلاف پیدا ھوا ، اور اس کے ایک بیٹے نے گوڑ آ کر اس مسلمان حاکم کے پاس قیام کیا جو اس کے باپ کا دوست تھا ، گوڑ کے مسلمان حاکم نے اس کا کسی معزز عہدے پر تقرر کر دیا ، ۸۳۷ھ ۱۴۳۳ء میں اس نے گوڑ میں وفات پائی ، اس کے بعد اس کا بیٹا پدما داس اس کا قائم مقام ھوا ، روپ اور سناتن اسی پدماداس کے پوتے تھے ، ان دونوں بھائیوں نے اسلام قبول کر لیا تھا ، اور عربی فارسی کی تعلیم ساتگاؤں کے مشہور عالم سید فخرالدین سے پائی تھی ، پھر یہ دونوں بھائی شاھی ملازمت میں منسلک ھوگئے ، سناتن بادشاہ بنگالہ کا دبیر خاص بنا ، اور روپ جسے شاکر ملک کا خطاب دیا گیا تھا عہدۂ وزارت پر سرفراز ھوا ،

لیکن ان دونوں بھائیوں کی دلچسپی سنسکرت سے برابر جاری تھی، اور انھوں نے اپنے گاؤں میں جو گوڑ کے قریب تھا کرناٹک سے کئی برھمنوں کو بلا کر آباد کیا تھا ، ۹۲۲ھ — ۱۵۱۶ء یہ دونوں بھائی چیتینہ سے ملے اور ویشنو مذہب اختیار کیا ، چیتینہ ھی نے ان کے یہ نام رکھے ، یہ دونوں بھائی چیتینہ کے اس قدر گرویدہ ہوئے کہ شاھی ملازمت تج کر انھوں نے اس تحریک کو فروغ دینے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیا ، چیتینہ نے انھیں حکم دیا کہ وہ بندرا بن جائیں اور پرانے تیرتھوں کا پتہ چلائیں ، ستاتن اور روپ اپنے ایک بھتیجے اور چیتینہ کے بعض چیلوں کو کو لے کر بندرا بن پہنچے ، شدہ شدہ ان کی شہرت اکبر تک پہنچی ، اور اس نے ۹۸۱ھ — ۱۵۷۳ء میں متھرا آ کر ان سے ملاقات کی ، اکبر کی اور ان کی ملاقات کی روایت اگرچہ محل نظر ھے ، لیکن یہ واقعہ ھے کہ بنگال کا صوبیدار مان سنگھ[1] ان دونوں بھائیوں کا بے حد معتقد تھا ۔

---

۱ ۔ راجا مان سنگھ شیخاوت ، شیخاوت ان کو اس وجہ سے کہتے ھیں کہ ان کے بزرگوں میں اولاد پیدا نہیں ھوتی تھی ، ایک درویش شیخ ولی شعار ان کے بڑوں میں سے کسی کے پاس پہنچا اور اس کے لیے دعا کی ، حق تعالیٰ نے اس کو اولاد دی ۔ اس کے بعد یہ خاندان شیخ کے نام سے موسوم ھو گیا ، اور یہ سب شیخاوت کہلانے لگے ، راجا مان سنگھ کے باپ کا نام بھگوان داس تھا ۔

راجا مان سنگھ کی بہن شہزادہ سلیم سے بیاھی تھی ، شہنشاہ اکبر نے راجا مان سنگھ کو اس کے باپ کی زندگی ھی میں منصب عالی سے مفتخر کر کے طائفہ روشنائی کی سرکوبی کے لیے جنھوں نے ھندوستان اور کابل کا راستہ مسدود کر دیا تھا بھیجا تھا ، اور کابل اس کی جاگیر میں دیا تھا ، راجا مان سنگھ نے اس گروہ کی اچھی طرح سرکوبی کی ۔

۱۰۰۰ھ — ۱۵۹۱ء میں راجا مان سنگھ کو مع اس کے لڑکے ، بھائیوں اور عزیزوں کے قتلو افغان کے مقابلے میں جو ولایت (باقی حاشیہ صفحہ ۲۳۳ پر)

چتینیہ نے ۹۴۱ھ — ۱۵۳۴ء میں وفات پائی ، لیکن اس کے بعد اس تحریک نے کھلم کھلا ایک جارحانہ صورت اختیار کر لی ، اس تحریک نے بنگال سے باھر اور بنگال کے اندر خصوصاً ، اسلام کی ترقی کو نہ صرف روک دیا ، بلکہ بعض مسلمانوں کو مرتد بنایا ، چتینیہ کا ایک مقرب خاص ھری داس قاضیوں کے خاندان سے تھا اور پہلے مسلمان تھا ، اسی طرح بجلی خاں افغان نے ویشنومت قبول کیا ، مسلمانوں کو ویشنو بنانے کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے گئے ، ویشنو تحریک کے متوالوں نے ادب کو بھی اپنی تبلیغ کا ذریعہ بنایا ، اور انھوں نے کرشن بھگتی کے جذبات کو شعر کے سانچے ڈھال کر نئے ڈھنگ سے پیش کیا ، جس کا نتیجہ یہ ھوا کہ یہ تحریک غیر شعوری طریقے پر بنگالی ادب کا جزو بنتی گئی ، دوسرے کرشن بھگتی کے اشعار نے بنگال کے ان شعرا اور ادیبوں کو بھی جو ویشنو نہ تھے اس طرح لبھایا کہ انھوں نے اس موضوع پر نظمیں لکھیں ، یہاں تک کہ چشتیہ صوفیہ کی مجلس سماع میں ویشنو گیت سر مستی و کیف کا سبب بننے لگے ۔

ان حالات نے جن اھل دل کو متاثر کیا ، ان میں سے ایک سید سلطان بھی تھے جنھوں نے اپنی شاعری کے رخ کو اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کی طرف موڑ دیا ، انھوں نے اسلامی موضوعات پر نظمیں اور کتابیں لکھیں اور بنگالی ادب میں صالح اور تعمیری ادب کا اضافہ کیا ۔

---

(صفحہ ۲۳۲ کا بقیہ حاشیہ)

اوڑیسہ پر متصرف تھا بھیجا گیا ، اس مہم میں راجا مان سنگھ کے لڑکے جگت سنگھ نے بہادری کے جوھر دکھائے ، اس لڑائی میں راجا کے بہت سے رشتے دار مارے گئے آخر فتح راجہ مان سنگھ کی ھوئی ۔ راجا مان سنگھ نے صوبہ داریٔ اوڑیسہ و بنگالہ کے زمانے میں خوب ترقی کی ۔

راجا مان سنگھ نے دکن میں اجل طبعی سے وفات پائی ، چھ مرد اور عورتیں اس کے ساتھ ستی ھوئے

(ماخوذ از ذخیرۃ الخوانین صفحہ ۱۰۳ تا ۱۱۱)

سید سلطان کی تصانیف کو ہم دو شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ، ایک شعبہ تو وہ ہے جن میں ان کی وہ تصانیف آتی ہیں کہ جن میں انھوں نے اسلامی سیرت و تعلیمات کو بنگالی میں منتقل کیا ہے ، دوسرے شعبے میں آن کی وہ تصانیف ہیں جس میں انھوں نے فلسفۂ شریعت یا فلسفۂ تصوف کو بنگالی زبان میں منتقل کیا ہے ۔

اپنے تصنیفی محرکات کو نظم کرتے ہوئے وہ اپنی کتاب وفات رسولﷺ کی ابتدا میں کہتے ہیں ۔

سب بنگالی عربی نہیں جانتے ۔
کوئی اپنے دین کی بات نہیں سمجھتا ۔
ہر کوئی کتھا کہانیوں سے دل بہلاتا ہے ۔
میں گنہگار اور راندۂ مخلوق ان لوگوں کے درمیان ہوں ۔
مجھے معلوم نہیں کہ روز جزا مجھ سے باری تعالیٰ کیا پوچھے گا ۔
لیکن اگر اس نے پوچھا کہ ان لوگوں کے درمیان رہ کر ان کو دین کی باتیں نہیں بتائیں ۔
اور مجھے اس قصور کے لیے ملزم قرار دیا تو میں کیا جواب دوں گا ۔
یہی سوچ کر میں نے نبی دمسا (خاندان نبوی) کی تاریخ لکھی ہے اور اس لیے کتنے ہی لوگ کہتے ہیں کہ میں نے دین کی کتاب کو ناپاک کر دیا ۔
اگر پڑھے لکھے لوگ عربی میں کتابیں پڑھیں ، اور ان کا ہندوانہ (بنگالی) میں ترجمہ نہ کریں تو یہ چیزیں لوگوں کی سمجھ کیسے آئیں گی ۔
جس زبان کے (خطے) میں خدا نے کسی کو پیدا کیا ہے، وہی اس کا بڑا خزانہ ہے ۔
آگے چل کر وہ اپنے تصنیفی عوامل و محرکات کی اور بھی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :
اگر پڑھے لکھے عام لوگوں کو تعلیم نہ دیں گے تو وہ بے چارے

ضرور دوزخ میں جائیں گے ۔
اور اگر عام لوگ ناواقفیت کی وجه سے گنه کریں گے تو اللہ تعالیٰ
اهل علم کو اس کا ذمے دار سمجھے گا ۔
چونکه میں بھی ان میں سے هوں ، اس لیے اهل علم کو صاف صاف
کہتا هوں (روزقیامت) خدا کہے گا تم لوگ اهل علم تھے، تم نے گناہ
سے لوگوں کو کیوں نه روکا ۔
پس اهل علم روز قیامت اپنا فرض ادا نه کرنے کے مجرم ٹھیریں گے
جب خدائے تعالیٰ لوگوں کے نیک و بد کا حساب کرے گا تو وہ
کہیں گے۔
همیں ایک اهل علم ملا تھا ، لیکن اس نے همیں سکھایا نہیں ۔
تو خدا هم اهل علم کو اور بھی ملزم قرار دے گا ۔
اس ڈر سے اور نبی کی عظمت کا خیال کر کے میں تمھیں بتاتا هوں ،
تاکه تم گناهوں میں نه پڑو ۔
اللہ نے مجھے کتاب شریف کا علم دیا هے ، تاکه لوگوں کو بتاؤں
اس لیے میں نے یه پچالی تصنیف کی هے ۔
علماء مجھے منافق کہتے هیں ، اور کہتے هیں که میں نے هندوانی
زبان میں لکھ کر دین کو ناپاک کر دیا هے ، لیکن خدا کا ارشاد
هے که میں نے نبی بھیجا ۔
اس ملک کی زبان میں تعلیم دینے کے لیے ، جن میں وہ پیدا هوا[1]

مندرجۂ بالا اقتباسات سے یه حقیقت سامنے آتی هے که اس دور کے بگڑے هوئے ماحول نے ، ان کے حساس دل کو کس قدر متاثر کیا تھا ، ان کی تمام تصانیف میں ایک هی جذبه کارفرما نظر آتا هے ، وہ یه هے که انسان کے رشتے کو خدا سے جوڑا جائے ، قلوب میں رسول اکرم صلی اللہ علیه و آله وسلم کی محبت کے چراغ کو روشن کیا جائے ، بگڑی هوئی زندگی کو حسن اخلاق اور اسلامی کردار سے آراسته کیا جائے ۔

---

۱ ۔ وفات رسول کے ترجمے کے اقتباسات رود کوثر صفحه ۳۵۱ تا ۳۵۳ سے ماخوذ هیں ۔

سید سلطان کی حسب ذیل تصانیف کا اب تک پتہ چل سکا ہے :

(۱) نبی بنگشا

(۲) شب معراج

(۳) رسول وجے

(۴) وفات رسول

(۵) "جیکم" راجر لڑائی

(٦) ابلیس نامہ

(۷) جنن چوتیشا

۸ جنن پرادیب

۹ معرفتی گان

۱۰ پداولی

(۱) **نبی بنگشا :** سید سلطان کا وہ ادبی شاہکار ہے کہ جو بقول ڈاکٹر انعام الحق ضخامت ، وسعت اور تنوع میں رامائن بھی اس کتاب کا مقابلہ نہیں کر سکتی ، اگرچہ اس کتاب میں اس دور کے مقامی اثرات پائے جاتے ہیں ، یہاں تک کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لیے انہوں نے اوتار کا لفظ استعمال کیا ہے ، اسی طرح انہوں نے برہما ، وشنو ، مہشور اور ہری یا کرشن کو بھی اوتار کہا ہے جنہیں خدا کی طرف سے شام وید ، یجروید ، رگ وید اور اتھر وید آسمانی صحائف عطا ہوئے تھے -

اس کتاب کے متعلق مذہبی نقطۂ نظر سے خواہ کچھ بھی کہا جائے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کتاب توحید کے پیغام کو عام کرنے کے لیے لکھی گئی تھی چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

اے مرد و زن !

سید سلطان کی بات سنو اور اس کی ھندی نبی بنگشا کی طرف متوجہ ہو ، جو عربی میں تھی ، لیکن اس نے تمھارے استفادے کے لیے اسے ھندی کا جامہ پہنایا ہے -

اور ایسے اسلوب میں بیان کیا ہے کہ جسے اہل بنگال آسانی سے

سمجھ سکیں ، جو کم علمی کے باعث مقدس عربی زبان کو
نہیں سمجھتے
اور ایک ھندو زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے باعث ھندو رسوم
سیکھ جاتے ھیں (نبی بنگشا)

تخلیق کائنات کے متعلق ایک خیالی بیان سے اس کتاب کی ابتدا ھوتی ھے ، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ولادت پر یہ کتاب ختم ھوتی ھے ، اس میں برھما ، وشنو ، مہشور ، نرسنھا ، بامن ، رام ، کرشن ، حضرت آدم ، حضرت شیث ، حضرت نوح ، حضرت ابراھیم ، حضرت موسیٰ ، حضرت عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کے واقعات جا بجا بیان کئے ھیں ۔

نبی بنگشا میں جہاں ھمیں قرون وسطیٰ کی شاعری کا ایک بہترین نمونہ ملتا ھے وھیں اس میں ھمیں علوئے تخیل ، اور شاعرانہ لطافتوں کی بہترین مثالیں ملتی ھیں ۔

(۲) شب معراج :۔ سید سلطان نے ۱۵۸۵ء ۹۹۳ھ میں تصنیف کی ھے ، یہ ایک ضخیم کتاب ھے ، اس کا موضوع رسول اکرم کی شب معراج ھے ، اس کے ضمن میں شاعر نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سیرت طیبہ کے اور بھی واقعات بیان کئے ھیں ۔

(۳) ''رسول وجے'' یہ رسالہ منظوم ۱۰۸ صفحات پر مشتمل ھے ، اس میں شاعر نے غزوات رسولؐ کو اپنا موضوع بنایا ھے ۔

(۴) وفات رسولؐ :۔ یہ سید سلطان کی سب سے مختصر تصنیف ھے ، جو غالباً ۲۵ اوراق پر مشتمل ھے ، اور سید سلطان کی آخر تصنیف ھے ، جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم حالات وفات کو نظم کیا گیا ھے ۔

(۵) جیکم راجر لڑائی :۔ یہ اٹھارہ صفحے کی ایک نظم ھے ، جس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علیؓ کی جیکم نامی ایک کافر بادشاہ سے جنگ کا حال لکھا ھے ، لیکن سیرت و تاریخ میں ھمیں اس قسم کی لڑائی کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔

(۶) ابلیس نامہ یا نور فراموش :۔ یہ شب معراج کے بعد کی تصنیف ہے ، نبی بنگشا میں ، اس تصنیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سید سلطان نے کہا ہے کہ :

''میں انبیاء کی مدح سرائی کر چکا ہوں ، اور شیطان کی رسوائی اور ذلت کا بیان بھی''

(۷) چنن پرادیب (چراغ زندگی) :۔ یہ سید سلطان کے آخری زمانے کی تصنیف ہے ، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سید سلطان اس کے لکھنے سے پہلے پیر شاہ حسین سے مرید ہو چکے تھے ، اور مسائل تصوف سے کماحقہ واقفیت حاصل کر لی تھی ، اس کتاب میں ہندو اور اسلامی تصوف کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے ، تصوف کے جن طریقوں کی تعلیم انہوں نے اپنے پیر سے حاصل کی ہے ، اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''پیر شاہ حسین ایک سمندر کی مانند ہیں ۔
میں نے عقل کی یہ دولت انہیں سے حاصل کی ہے''

(۸) جیون پرادیب (چراغ روح):۔ اس کتاب میں انہوں نے روحانی کمالات ، لاھوت ، ناسوت ، جبروت و ملکوت کو بیان کیا ہے ، پھر ذکر رابطہ ، مراقبہ ، اور دوسرے صوفیانہ مسائل کو اپنا موضوع بنایا ہے ۔

(۹) معرفتی راگ :۔ یہ ان کی صوفیانہ نظمیں ہیں ، جو سید سلطان کی مختلف بیاضوں اور شاعرانہ مجموعوں میں شامل ہیں ۔

(۱۰) پداولی :۔ سید سلطان نے پداولیاں بھی لکھیں تھیں ، ان میں سے ان کے کچھ گیت راگ مالا میں محفوظ ہیں ۔

ان کی ان تمام کتابوں کے مطالعہ سے ایک قاری اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ انہوں نے اگرچہ اپنے اشعار میں ہندو مسلم خیالات کو ملا کر پیش کیا ہے ، لیکن ان کا حقیقی مقصد اسلامی تعلیمات کی اشاعت ہے ، ایک

موقع پر وہ بنگال کے مسلمانوں کی بد قسمتی پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ بنگال میں پیدا ہوئے، جہاں ان کے لیے عربی تعلیم حاصل کرنے کا کوئی موقع نہیں۔

شاید ہندو مسلم خیالات کو امتزاج کر کے پیش کرنے ہی کا یہ نتیجہ تھا کہ وہ خالص اسلامی مذہبی طبقے میں مقبول نہ ہو سکے، وہ ایک جگہ اپنی عدم مقبولیت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''لوگ مجھے پنچالیاں (پنج بیتیاں) لکھنے کا مجرم قرار دیتے ہیں۔
وہ مجھے غدار کہہ کر پکارتے ہیں۔
اور کہتے ہیں کہ میں نے اسلامی صحیفوں کو ہندوؤں کے عقائد کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔''

پھر بھی وہ اپنی کشت ویراں سے مایوس نہیں ہوتے، اور حقیقت کو واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''خدائے ذوالجلال جانتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ بھلائی کے لیے کیا ہے، میں صرف اسی ایک ذات کے سامنے جواب دہ ہوں۔''

**وفات :** سید سلطان نے ۱۶۴۶ء ۱۰۵۶ھ کے لگ بھگ ۹۸ سال کی عمر میں وفات پائی۔

**مرید :** سید سلطان کے مریدوں میں جس نے شہرت حاصل کی وہ محمد خاں تھے، محمد خاں ۱۶۳۵ء ۱۰۴۵ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد خاں نے ۱۶۴۶ء ۱۰۵۶ھ میں قیامت نامہ لکھا، ان کا بیان ہے کہ نبی بنگشا (خانوادۂ نبی) ایک مشہور شخصیت نے تصنیف کی تھی، لیکن وہ کسی وجہ سے اس کی تکمیل نہ کر سکے، اور انہیں (محمد خاں) کو حکم دیا گیا کہ وہ رسولراوفات (وفات رسول) کا بیان لکھ کر اسے مکمل کریں، وہ لکھتے ہیں کہ

''پیر شاہ سلطان استادوں میں سب سے زیادہ مہربان ہیں وہ اپنے

شاگردوں سے محبت کرتے ہیں ، وہ نیکیوں کے موتیوں کا بڑا گنجینہ ہیں -

ان کے حکم کا سہرا اپنے سر پر باندھتے ہوئے محمد خاں پنچالی (مقتول حسین) میں گفتگو کرتا ہے''۱

۱ - یہ تمام تفصیل ڈاکٹر انعام الحق کی کتاب مسلم بنگالی ادب - ص ۱٦۰ تا ۱۷۹ سے ماخوذ ہے -

( ۳۹ )

# مولانا شرف الدین ابو توامه

**حالات :** مولانا شرف الدین ابوتوامه ، شیخ شرف الدین یحیٰ منیری کے خسر اور مرشد تھے ، وہ دھلی میں ۱۲۶۰ء ۶۵۸ھ میں مفتی تھے ، اور حدیث کے مشہور عالم اور علم کیمیا کے ماھر تھے ، سائنس کے علوم سے بھی واقف تھے ، دھلی میں آن کے معتقدین کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی اور ان کی مقبولیت کو دیکھ کر بادشاہ دھلی اپنی حکومت کے لیے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا ، بادشاہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ سنار گاؤں چلے جائیں ، چنانچہ وہ سنار گاؤں چلے گئے ، ان کے سنار گاؤں تشریف لانے کی تاریخ میں اختلاف ھے ۔ ڈاکٹر محمد اسحاق نے بحوالۂ نزھتہ الخواطر لکھا ھے کہ وہ سلطان شمس الدین التمش[۱] کے

---

۱ ۔ سلطان قطب ایبک کی وفات کے بعد ، سپہ سالار علی اسماعیل کی تحریک پر ۶۰۷ھ ۱۲۱۰ء میں سلطان شمس الدین التمش تخت نشین ھوا ، جو سلطان قطب الدین ایبک کا داماد اور ان دنوں بدایوں کا صوبہ‌دار تھا ، یہ ایک ترک امیر زادہ تھا ، جسے اس کے سوتیلے بھائیوں نے بچپن میں کسی سوداگر کے ھاتھ بیچ دیا تھا، اور بخارا کے ایک قاضی نے خرید کر اس کی پرورش کی تھی ، جوان ھوا تو سلطان قطب‌الدین ایبک کے پاس لایا گیا ، اس نے اس کے حسن صورت و حسن سیرت سے متاثر ھو کر منہ مانگی قیمت دے کر آسے خرید لیا ، یہاں تک کہ وہ ترقی کرتے کرتے بدایوں کا صوبہ دار بنا وہ نہایت نیک ، خدا ترس،
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۲ پر)

عہد حکومت میں سنار گاؤں تشریف لائے تھے[۱] لیکن ڈاکٹر صغیر حسین معصومی پروفیسر سندھ یونی ورسٹی کا خیال ہے کہ وہ ۶۶۸ھ ۱۲۶۸ء یا ۶۶۹ھ ۱۲۷۱ء میں سلطان غیاث الدین بلبن[۲] کے زمانے میں سنارگاؤں پہنچے، وہ اپنے اس قول کی تائید میں مناقب اصفیاء مصنفہ شاہ شعیب کو پیش کرتے ہیں ، اور کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین یحی منیری جن کی ولادت ۶۶۱ھ ۱۲۶۳ء میں ہوئی ہے وہ اپنے مرشد مولانا شرف الدین ابو توامہ کے ساتھ جب کہ ان کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی سنار گاؤں تشریف لائے تھے ،

---

(صفحہ ۲۴۱ کا بقیہ حاشیہ)

اور مدبر بادشاہ تھا ، اس کی دین داری اور نیکی کی وجہ سے صوفیہ کے تذکرہ نگاروں نے اس کا شمار اولیاء اللہ میں کیا ہے ۔

سلطان شمس الدین المتش نے ۲۶ برس حکومت کر کے ۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء میں وفات پائی ۔

(تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت جلد اول ص ۱۸۱ و آب کوثر ص ۱۱۲ )

۱ - نزھۃ الخواطر جلد ۱ ص ۱۶۳

۲ - سلطان غیاث الدین بلبن کو سلطان ناصر الدین محمود نے اپنی زندگی میں بادشاہی کے تمام اختیارات دے دئے تھے ، مگر وہ باقاعدہ بادشاہ سلطان ناصر الدین محمود کی وفات کے بعد ۱۳۶۶ء ۶۶۴ھ میں بنا ، کہتے ہیں کہ بلبن بھی ایک ترک زادہ تھا ، چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہو کر بغداد میں ایک غلام کی حیثیت سے بکا ، بغداد کے ایک بزرگ جمال الدین بصری نے اسے خریدا اور تربیت کی ، پھر دھلی میں فروخت ہونے کے لیے آیا ، ابتداً بہشتی اور فراش کا کام کیا پھر آھستہ آھستہ میر شکار اور ”ترکان چھل گانی“ کے زمرے میں شامل ہو گیا ، پھر تو یہاں تک ترقی کی کہ سلطان ناصر الدین محمود کے بعد وہ بادشاہ ہوا ، وہ نہایت ھوش مند اور مستعد فرمانروا تھا ۔ اس نے ۶۸۶ھ ۱۲۸۷ء میں وفات پائی (تاریخ ھندو پاکستان جلد اول ۔ ص ۱۹۷ و سیرالمتاخرین ص ۱۱۱

ڈاکٹر معصومی کی بنائے استدلال جس کتاب پر ہے ، اگرچہ اس کا زمانۂ تالیف نزھۃالخواطر سے مقدم ہے ، لیکن پھر بھی اس واقعے کے کئی پہلو ہیں ، جن سے ہمیں مولانا شرف الدین ابو توامہ کے سنار گاؤں کے تشریف لانے کی تاریخ متعین کرنے میں مدد ملتی ہے ، اسی مناقب الاصفیاء میں ہے کہ سنار گاؤں جاتے ہوئے مولانا شرف الدین ابو توامہ نے منیر میں قیام کیا ، شیخ شرف الدین منیری ان کی ملاقات کے لیے آئے جو اس وقت سن بلوغ کو پہنچ چکے تھے ، انھوں نے مذہبی علوم کا درس مولانا ابو توامہ سے حاصل کیا - اور وہ مولانا ابو توامہ کے علم سے بے حد متاثر ہوئے ، شیخ شرف الدین کا خیال تھا کہ مذہبی علوم ایسے ہی جلیل القدر عالم سے حاصل کرنے چاہیں ، یہ سب واقعات ڈاکٹر معصومی کے اس خیال کی تردید کرتے ہیں کہ جب مولانا ابو توامہ سنار گاؤں تشریف لائے تو شیخ شرف الدین یحیٰی منیری کی عمر سات یا آٹھ سال کی تھی ، ظاہر ہے کہ سات ، آٹھ سال کا بچہ اپنے اساتذہ کے متعلق اس قسم کا اظہار خیال نہیں کر سکتا ، لہذا ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جب شیخ شرف الدین یحیٰی منیری نے ان سے تعلیم شروع کی ہو گی تو اس وقت ان کی عمر پندرہ بیس سال کی ہو گی -

دوسرے اس بات سے بھی کہ بنگال ، آن کے تشریف لانے کے وقت ، سلاطین دھلی کے ماتحت تھا ، اس سے بھی ہم یہ متعین کر سکتے ہیں کہ مولانا شرف الدین ابو توامہ کے سنارگاؤں میں تشریف لانے کا زمانہ ۱۲۸۳ء — ۶۸۲ھ کے بعد ہونا چاہیے ، کیونکہ جس زمانے میں سلطان غیاث الدین بلبن نے سلطان الدین طغرل[1] کے خلاف لکھنوتی پر حملہ

---

۱ - سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے عہد حکومت میں بنگال کا سب سے پہلا گورنر ، ۱۲۷۷ء ۶۷۷ھ میں سلطان الدین طغرل کو مقرر کیا ، جس کی سکونت بکرم پور میں تھی ، سلطان الدین طغرل نے ۱۲۷۹ء ۶۷۸ھ میں ضلع پترہ کو تاخت کر کے وھاں سے بہت سا مال و متاع ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۴۴ پر)

کیا ، اس وقت سنارگاؤں راجا دنوج رائے کے ماتحت تھا ۔ جس سے بلبن نے ایک معاہدہ کر لیا تھا ۔ بنگال چھوڑنے سے قبل سلطان غیاث الدین نے اپنے بیٹے بغرا خاں[۱] کو لکھنوتی کا گورنر مقرر کیا اور ہدایت کی کہ وہ مشرقی بنگال کو فتح کر لے ، جس میں سنارگاؤں بھی شامل تھا ، اس سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۱۲۸۲ء تک جب کہ بلبن بنگال میں آیا سنارگاؤں پر سلاطین دھلی کا قبضہ نہیں تھا ۔

اس کے علاوہ ہمیں اس خیال کی تائید میں یہ دلیل بھی ملتی ہے کہ پہلا مسلم سکہ جو مشرقی بنگال میں جاری ہوا وہ سلطان رکن الدین کیکاؤس نے ۶۹۰ھ — ۱۲۹۱ء میں جاری کیا ، اور پہلا مسلم سکہ جو سنارگاؤں سے جاری ہوا وہ سلطان شمس الدین فیروز شاہ نے ۷۰۵ھ — ۱۳۰۵ء میں جاری کیا ۔

ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ۱۲۸۲ء — ۶۸۱ھ اور ۱۲۹۱ء — ۶۹۱ھ کے درمیان کسی سال میں جب کہ مسلمانوں نے بنگال فتح کیا مولانا شرف الدین ابو توامہ سنارگاؤں آئے ہوں گے ۔

---

(صفحہ ۲۴۳ کا بقیہ حاشیہ)

نقد و جنس لوٹ کر شاہ بلبن سے جس کا وہ غلام تھا بغاوت اختیار کی اور سنار گاؤں بھاگ گیا ، یہاں سے ہزیمت پا کر اڑیسہ کی طرف چلا گیا ، وھاں بلبن کے سپہ سالار محمد شاہ کے ھاتھوں مارا گیا ۔ (تواریخ ڈھاکہ ۔ ص ۳۱)

۱ ۔ بغرا خاں ، سلطان بلبن کا دوسرا لڑکا تھا ، جو ۱۲۸۲ء میں بنگال کا گورنر مقرر ھوا ۔ اپنے بڑے بیٹے خان شہید کی شہادت کے بعد سلطان غیاث الدین بلبن نے اسے بنگال بلا بھیجا کہ اب تمہارے سوا تخت کا کوئی وارث نہیں ، تم یہاں آ کر آمور سلطنت میں میرا ھاتھ بٹاؤ ، بغرا خاں بنگال سے دھلی آیا ، لیکن یہاں آنے کے بعد اسے اندازہ ہؤا کہ اس کا باپ ابھی اور جئے گا ، وہ لکھنوتی واپس چلا گیا ۔
(آب کوثر ۔ ص ۱۲۴)

**درس و تدریس :** مولانا شرف الدین ابو توامہ سنارگاؤں میں تشریف لانے کے بعد رشد و ہدایت اور درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، ان سے بہت سے طلبا نے تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور بنگال میں ان کی وجہ سے خوب علم کی اشاعت ہوئی -

**تصانیف :** مولانا ابو توامہ صاحب تصانیف تھے، ان کی تصانیف کے متعلق تفصیل سے کچھ لکھنا مشکل ہے - ایک قلمی مخطوطے میں جس کا نام دراس العین ملکی ہے، دو خطوط ہیں جن میں سے ایک سید نصیرالدین کے نام ہے جو لاهور کے مقطعہ دار تھے، اس خط میں ان سے ابو توامہ کے مقامات کا نسخہ مانگا گیا ہے، اور دوسرے خط میں اس کے وصول کی رسید ہے -

ڈاکٹر معصومی کا خیال ہے کہ نام حق جو فقہ کی ایک منظوم کتاب ہے، اس کے مصنف بھی ابو توامہ ہیں، لیکن اس کتاب پر ایک تحقیقی نظر ڈالنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے ایک شاگرد نے لکھی تھی، البتہ یہ ضرور ہے کہ اس کتاب کے مضامین ابو توامہ کی تعلیمات پر مبنی ہیں[1]

**وفات :** مولانا ابو توامہ نے ۷۰۰ھ — ۱۳۰۰ء میں انتقال کیا اور سنارگاؤں میں دفن کیے گئے -

---

۱ - مولانا ابوتوامہ کے حالات کی یہ تمام تفصیل سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال سے ماخوذ ہے -

( ۴۰ )

## شاہ صفی الدین

**حالات :** شاہ صفی الدین ، برخوردار جی کے صاحبزادے ، اور سلطان فیروز شاہ شمس الدین ۱ (بنگال) کے برادر نسبتی تھے ، اور دربار دھلی کے امراء میں تھے -

**بنگال میں تشریف آوری :** آپ بنگال میں تبلیغ اسلام کے لیے تشریف لائے ، مشہور ھے کہ بنگال میں تشریف لانے کے بعد ایک مقامی راجا پنڈو نامی سے ، جو کہ بہت طاقتور اور اسلام کا دشمن تھا ، ایک بچے کی ختنہ کی تقریب پر گائے کے ذبیحے کے سلسلے میں آپ کا اختلاف ہو گیا ، راجا نے اس بچے کو شہید کرا دیا -

شاہ صفی الدین سے یہ ظلم دیکھ کر ضبط نہ ہو سکا ، اور انہوں نے اس راجا سے مقابلے کے لیے سلطان فیروز شاہ سے کمک طلب کی ،

---

۱ - سلطان فیروز شاہ نام کے تین بادشاہ گزرے ھیں ، ایک فیروز شاہ رکن الدین - مدت حکومت ایک سال (۱۲۳۵ء — ۶۳۳ھ تا ۱۲۳۶ء — ۶۳۴ھ) - دوسرے جلال الدین فیروز شاہ خلجی - دور حکومت پانچ سال (۱۲۹۰ء — ۶۸۹ھ تا ۱۲۹۵ — ۶۹۵ ھ) - تیسرے فیروز شاہ تغلق مدت حکومت ۳۷ سال ، عہد حکومت (۱۳۵۱ء — ۷۵۲ھ تا ۱۳۸۸ء — ۷۹۰ھ) - ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاھی یونی ورسٹی کا خیال ھے کہ یہ فیروز شاہ ، جلال الدین فیروز شاہ خلجی ھے ، اور ان کی دلیل یہ ھے کہ اس واقعہ میں شاہ بو علی قلندر پانی پتی کا ذکر ھے اور وہ جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے ہم عصر ھیں -

سلطان نے آپ کی مدد کے لیے ایک بڑا فوجی دستہ جہاد کے لیے بھیجا ، اور شاہ بو علی قلندر[1] پانی پتی نے بھی آپ کی فتح کے لیے دعا کی ، اس جہاد میں راجا کو شکست ہوئی ۔

کہا جاتا ہے کہ اس جہاد میں دو مشہور ہستیاں شریک تھیں ، ایک ظفر خاں غازی[2] ، اور دوسرے بہرام سقہ بردوانی ۔

---

۱ - شیخ بو علی قلندر کا نام شرف الدین اور لقب بو علی قلندر تھا ، ان کے والد کا نام سالار فخر الدین اور والدہ کا نام بی بی حافظہ جمال تھا ، ان کا سلسلۂ نسب حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے ۔ شیخ بو علی قلندر کی ولادت ۶۰۵ھ—۱۲۰۸ء میں پانی پت میں ہوئی ، آپ نے اوائل عمر ھی میں علوم ظاھری کی تکمیل کی ، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بیس برس تک دھلی میں قطب مینار کے پاس درس و تدریس میں مشغول رہے ، اس دور کے جلیل القدر علماء آن کے علم و فضل کے معترف تھے ، لیکن جب تصوف کی راہ میں قدم رکھا تو آپ پر جذب و سکر کی کیفیت غالب آئی ، اسی عالم جذب و سرمستی میں تمام کتابوں کو دریا میں ڈال کر جنگل کی راہ لی ، پھر پانی پت کے قریب موضع بڈھا کھیڑہ میں مقیم ہو گئے ۔

صاحب خزینۃ الاصفیاء نے حضرت قطب الدین بختیار کاکی کا خلیفہ اور صاحب اخبار الاخیار نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا مرید و خلیفہ لکھا ہے ۔

سلطان جلال الدین خلجی اور علاء الدین خلجی آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ، ۱۳ رمضان ۷۲۴ھ— ۱۳۲۴ء کو شیخ بو علی قلندر واصل الی اللہ ہوئے ۔ آپ کی تصانیف میں (۱) مکتوبات بنام اختیار الدین (۲) حکم نامہ شرف الدین (۳) مثنوی کنز الاسرار (۴) رسالہ عشقیہ مشہور ہیں ۔

(ماخوذ از بزم صوفیہ بحوالہ سیر الاقطاب صفحہ ۲۳۵ — ۲۶۰)

۲ - الغ اعظم ظفر خاں غازی بہرام اتاگین جس نے رکن الدین کیکاؤس شاہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۹۷ پر)

**وفات :** شاہ صفی الدین نے تیرھویں صدی عیسوی کے آخر میں وفات پائی - آپ کا مزار مبارک چھوٹا پنڈوہ ضلع ھگلی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے - ۱

(صفحہ ۱۹٦ کا بقیہ حاشیہ)

کے عہد حکومت (۱۲۹۱ء - ۱۳۰۲ء) میں سبتگرام کو فتح کیا ، اور ٦۹۸ھ - ۱۲۹۸ء میں وھاں ایک مسجد تعمیر کی اور ۷۱۳ھ - ۱۳۱۳ء میں شہر سبتگرام میں تربینی کے قریب ایک دارالعلوم قائم کیا -

قیاس غالب یہ ہے کہ اس نے پنڈوہ کو ۹۵ - ۱۲۹۰ء کے دوران میں فتح کیا ہو گا ، اور سبتگرام کو ۱۲۹۸ء میں فتح کیا ہو گا -

ظفر خاں کو اس کی وفات کے بعد دریائے گنگا سرسوتی کا سنگم جو تربینی کہلاتا ہے وھاں ایک مندر میں دفن کیا گیا ، اور ۱۳۱۳ء میں اس مندر میں اس کا مقبرہ تعمیر کیا گیا -

۱- ماخوذ از ھسٹری آف صوفی ازم ان بنگال، باب ھشتم، ص ۱۹۷-۱۹۸

(۴۱)

# ظفر خاں غازی

تربینی کے مقام پر ضلع ھگلی میں ظفر خان غازی کا مزار آج بھی واقع ھے - ظفر خاں غازی کی قبر کے قریب ان کے دو بیٹوں ، اگوان خان اور بار خان غازی کی قبریں بھی واقع ھیں - مزار کے ایک کتبے سے پتہ چلتا ھے کہ '' دارالخیرات '' کے نام سے ایک مدرسہ بھی یہاں قائم کیا گیا تھا - اس کتبے پر ۷۱۳ھ مطابق ۱۳۱۳ء کا سن پڑا ہوا ھے - یہ مدرسہ بنگال کے بادشاہ سلطان فیروز شاہ کے زمانے میں قائم کیا گیا تھا - تربینی کے مقام پر بھی ایک کتبہ ملتا ھے جس سے پتہ چلتا ھے کہ ظفر خان کی گورنری کے زمانے میں سلطان کیکاؤس نے ایک مدرسہ قائم کیا تھا - اس کتبے میں ظفر خان کو ''شیروں کا شیر'' لکھا ھے - جس نے ہندوستان کے شہروں کو ختم کیا اور کافروں کو تلوار اور نیزے سے ہلاک کر دیا - یہ کتبہ اس بات کی بھی گواھی دیتا ھے کہ ظفر خان مذھب اسلام سے بے حد وابستہ تھا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کے لیے جہاد کرتا تھا - کرسی نامہ ، جو اس مزار کے مجاوروں کے پاس محفوظ ھے ، سے پتہ چلتا ھے کہ ظفر خان غازی اپنے بھانجے شاہ صوفی کے ساتھ تبلیغ اسلام کے لیے بنگال تشریف لائے - انھوں نے راجہ مان کو مشرف بہ اسلام کیا لیکن ھگلی کے راجہ بھودیو سے جنگ کرتے ہوئے میدان جنگ میں شہید ہوئے - آگوان خان نے آخرکار راجہ کو شکست دی اور اس کی لڑکی سے عقد کر لیا -

مقامی روایت کے مطابق راجا بھو دیو نے ایک مسلمان کو عقیقہ

کی رسم ادا کرنے کے سلسلے میں سزا کے طور پر قتل کرا دیا - مسلمانوں نے اس امر کی شکایت جلال الدین فیروز شاہ خلجی سے کی - فیروز شاہ نے ظفر خاں کو روانہ کیا - ان کے بھانجے صوفی شاہ بھی ان کے ساتھ تھے - انھوں نے بھو دیو کو شکست دی اور غازی کہلائے[1] -

---

۱ - سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال ص ۱۲۵-۱۲۶- ڈاکٹر محمد عبدالرحیم

(۴۲)

## مخدوم شاہ ظہیر الدین

مخدوم شاہ ظہیر الدین سولہویں صدی کے ایک بزرگ تھے ۔ ان کا مزار ضلع بیربھوم میں مخدوم نگر کے علاقے میں آج بھی موجود ہے اس سے زیادہ حالات نہیں ملتے[۱] ۔

---

۱ سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال ۔

(۴۳)

## شاہ عبداللہ گجراتی

**حالات :** مخدوم شاہ عبداللہ گجراتی غالباً چھٹی صدی ھجری میں گجرات سے منگل کوٹ تشریف لائے ، آپ کے حالات زندگی اور منگل کوٹ کی آمد کے سلسلے میں افسوس ھے کہ تذکروں میں کوئی تفصیل نہیں ملتی ۔

**وفات :** شاہ عبداللہ نے منگل کوٹ میں وفات پائی ، آپ کا مزار منگل کوٹ میں واقع ھے ، مزار سے متصل ایک مسجد ھے ، جس کے متعلق خیال ھے کہ یہ مسجد شاہ عبداللہ کے انتقال کے بہت عرصے کے بعد تعمیر ھوئی ۔

**کتبہ :** مسجد پر ایک فارسی کتبہ ھے ، جس کا ترجمہ یہ ھے :

''جب یہ مسجد تعمیر کی گئی ، عنایت کے حکم سے پھر یہ کعبے کی شکل میں تبدیل کر دی گئی یہ اسلام کی ایک قابل احترام جگہ ھے ۔ یہ ایک روحانی آواز ھے ، روحانی انسان کی طرف سے جو آج تک قائم ھے ۔ یہ مخلوق خدا کی بندگی کا مقام ھے[۱] ۔

---

۱ - یہ تمام تفصیل ھسٹری آف صوفی ازم ان بنگال - مؤلفہ ڈاکٹر انعام الحق ص ۱۹۴ سے ماخوذ ھے ۔

(۴۴)

## شیخ عبداللہ کرمانی

شیخ عبداللہ کرمانی سلسلۂ چشتیہ کے ابتدائی صوفیوں میں سے ایک ہیں ۔ شیخ کرمانی خواجہ معین الدین چشتی (۱۲۳۵—۱۱۴۲ء) کے مرید تھے ۔ یہ اُن چند لوگوں میں سے ایک ہیں جنھوں نے سلسلۂ چشتیہ کو بنگال میں مروج کیا ان کے بارے میں تاریخ خاموش ہے اور زیادہ حالات نہیں ملتے ۔ اُن کا مزار آج بھی بیربھوم کے ضلع میں کھستی گیری گاؤں میں واقع ہے[۱] ۔

---

۱ ۔ بنگے صوفی پربھاوا ، ۱۰ ڈاکٹر انعام الحق ۔

(۴۵)

## مولانا عطا

**حالات:** بنگال کے قدیم صوفی اور مشہور عالم مولانا عطا ۱۳۰۰ء — ۷۰۰ھ اور ۱۳۵۰ء — ۷۵۰ھ دیناج پور میں تبلیغ اسلام کرتے تھے[۱] بنگال کی اسلامی تصوف اور علماء کی تاریخ میں خاص عظمت و شہرت کے مالک ہیں، افسوس ہے کہ ان کا تفصیلی تذکرہ ہمیں کہیں نہیں ملتا، صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ اس خطے میں تقریباً نصف صدی تک اسلامی تعلیمات کو عام کرتے رہے۔

**مدفن:** مولانا عطا موضع گنگا رام، ضلع دیناج پور میں محو استراحت ہیں، اور آج بھی آپ کی درگاہ لوگوں کی عقیدت و محبت کا مرکز ہے، اور آپ کے مزار پر زائرین کا ہجوم رہتا ہے۔

**کتبے:** آپ کے مزار اور اس کے قرب و جوار میں جو کتبے اب تک ملے ہیں ان کی تعداد چار ہے۔

ان میں سے ایک کتبہ سلطان سکندر شاہ کے زمانے ۱۳۶۳ء — ۷۶۵ھ کا، ہے اس کتبے میں آپ کے القاب اس طرح مندرج ہیں:

"قطب الاولیاء وحیـد المحققین، سراج الحق و الشرع والـدین مولانا عطا۔"

دوسرا کتبہ سلطان جلال الدین فتح شاہ کے زمانے ۱۴۸۲ء — ۸۸۷ھ کا ہے، اس کتبے میں مندرج ہے:

---

۱۔ مسلم بنگالی ادب صفحہ ۳۱ - ۳۲ -

مخدوم مولانا عطا وحید الدین ۔،،

تیسرا کتبہ سلطان شمس الدین مظفر شاہ کے دور ۸۹۶ھ — ۱۴۹۱ء کا ہے ، اس میں مندرج ہے :

،، مخدوم المشہور قطب اولیاء مولانا عطا ۔،،

چوتھا کتبہ جو مسجد سے متصل ہے ، اور مولانا عطا کے مزار کے قریب ہے ، وہ سلطان علاء الدین حسین شاہ کے زمانے کا ہے ، اس کتبے میں آپ کو ''شیخ المشائخ شیخ عطا،، لکھا ہے ۔

ان تمام کتبوں سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مولانا عطا سلطان سکندر شاہ کے عہد حکومت میں واصل الی اللہ ہوئے ۔

خیال کیا جاتا ہے کہ آپ حضرات اخی سراج کے ہم عصر ہیں ۔۱

---

۱ ۔ سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال صفحہ ۱۱۹ - ۱۲۰ بحوالہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۷۲ء - ۷۳ء ۔

(۴٦)

# حضرت شاہ علی بغدادی

**حالات :** شاہ علی بغدادی بنگال کے قدیم صوفیہء میں ہیں ، آن کے تفصیلی حالات کے متعلق ہمارے مؤرخ اور تذکرہ نگار بالکل خاموش ہیں ، البتہ تواریخ ڈھاکہ میں ہے کہ وہ بغداد کے شہزادے تھے ، اور سلطنت اسلامیہ سے قبل آن چالیس اولیائے کرام کے ساتھ بنگال تشریف لائے تھے جنھوں نے اس خطے کو اسلام کے نور سے منور و تابان بنایا ۔ ان بزرگوں میں سے شاہ علی نے ڈھاکے میں اور شاہ جلال مجرد نے سلھٹ میں سکونت اختیار کی ۔ ڈھاکے میں تشریف لانے کے بعد حضرت شاہ علی نے اپنے چار مریدوں کے ساتھ اس جگہ سکونت اختیار کی جہاں اب آن کا مزار ہے ، یہاں ایک مسجد تھی ۔ اسی مسجد میں آپ قیام پذیر ہوئے ، اور رشد و ہدایت اور اعلاء کلمة الحق میں مصروف ہو گئے ۔

**وفات :** حضرت شاہ علی نے ۹۸۵ھ — ۱۵۷۷ء میں وفات پائی ، اور اسی مسجد میں مدفون ہوئے ، کہتے ہیں کہ انتقال سے قبل آپ نے چلہ کھینچ کر مسجد کا دروازہ بند کر لیا تھا ، اور مریدوں سے فرما دیا تھا کہ چالیس دن تک کوئی دروازہ نہ کھولے ۔

**مسجد :** یہ مسجد جہاں آپ کا مزار شریف واقع ہے سب سے پہلے ۸۸۵ھ — ۱۴۸۰ء میں تعمیر ہوئی ، مگر ابتداءً اس مسجد کو کس نے تعمیر کرایا تھا اس کا پتہ نہیں چلتا ، حضرت شاہ علی کی وفات کے کچھ دن بعد یہ مسجد شکستہ ہو گئی اور ایک طویل عرصے تک شکستہ اور ویران رہی ، یہاں تک کہ ۱۸۰٦ھ — ۱۲۲۱ء میں نائب ناظم نصرت الملک

نواب نصرت جنگ[۱] کے زمانے میں حضرت شاہ مہدی قدس سرہ نے از سر نو اس مسجد کو تعمیر کرا کر آباد کیا ، جو ابھی تک قائم ہے بعد میں اس کے احاطے کے مکانات نواب سر احسن اللہ[۲] نے بنوائے اور مزار مبارک کی مرمت کرائی ۔

**کتبہ :** اس مسجد پر جو کتبہ نصب ہے وہ حسب ذیل ہے :

این خاک چو شد نخست مسجود
سال تاریخ آں ''ضفہ'' بود
۸۸۵ھ

---

۱ ۔ نواب نصرت جنگ المخاطب بہ انتظام الدولہ نصیر الملک سید علی خاں بہادر نصرت جنگ ۲ فروری ۱۷۹۶ء — ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۱۹۲ بنگلہ ۲۳ ماگھ کو گورنر جنرل کے حکم سے اپنے بھائی نواب حشمت جنگ بہادر کے جانشین ہوئے ۔ وہ نہایت عقل مند اور صاحب اقبال تھے ۔ امیر و غریب سب سے خندہ دلی سے پیش آتے تھے ، اگرچہ مذہب امامیہ رکھتے تھے ، مگر حضرت شاہ مہدی قدس سرہ سجادہ نشین خانقاہ دائرۂ مگ بازار سے نہایت عقیدت رکھتے تھے نواب نصرت جنگ نے ۳۷ سال کی نوابی کے بعد ۱۰ ذیقعد ۱۲۳۷ھ — ۱۸۲۳ء کو بعارضۂ اسہال خونی وفات پائی ۔
(ماخوذ از تواریخ ڈھاکہ ۔ صفحہ ۱۵۷ تا ۱۵۹)

۲ ۔ نواب احسن اللہ نواب عبد الغنی کے صاحبزادے تھے ، نواب عبد الغنی نے ان کو اپنی حیات میں اپنا جانشین اور کل املاک کا مالک قرار دیا تھا ، وہ نہایت دانشمند ، اور سلیم الطبع انسان تھے ، انھوں نے ریاست کے کاروبار بحسن و خوبی انجام دیے ، اور ضلع ڈھاکہ میں پرگنہ گوبند پور کو خریدا ۔ گورنر جنرل کی کونسل کے ممبر مقرر ہوئے ، اور اسٹار آف انڈیا اور نائٹ کا خطاب ملا ، باری سال میں ایک زنانہ ہسپتال انھوں ہی نے قائم کیا ، ان کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے نواب سلیم اللہ ان کے جانشین ہوئے ۔
(ماخوذ از تواریخ ڈھاکہ ۔ صفحہ ۲۵۱ - ۲۵۲)

در سال ''ضفه'' ۸۸۵ ز دور گردون
شد بار دگر خرابی آلود
پس شاه علی ز ارض بغداد
تشریف بخاک هند فرمود
به نشست در و بست در را
بر خود ره خلق کرد مسدود
تا آنکه جهان فانی را کرد
آن واصل حق نمود پدرود
کردند به نو عمارت اورا
شد مرقدش مقام مقام مسعود
شد باز بهار او خزان را
از گردش چرخ دست فرسود
اکنوں بعهد نصیر ملک نواب
غرکاسن هجری است معدود
۱۲۲۱ھ
هاتف گفتا که یا الٰهی
همسایه بود ز ظل ممدود
۱۲۲۱ھ

**مزار :** حضرت شاہ علی کا مزار ڈھاکہ شہر سے آٹھ میل دور میر پور کے قریب واقع ہے ، ہزاروں آدمی شہر اور اطراف و اکناف سے برسات کے زمانے میں کشتیوں پر اس مزار کی زیارت کے لیے آتے ہیں ، یہ مزار بہت مستحکم بنا ہوا ہے ، طول و عرض دونوں ۳۶ فیٹ کے برابر ہے ، دیواریں ۷ فیٹ چوڑی ہیں اور ایک بہت بڑا گنبد ہے جو دور سے نظر آتا ہے ، اس کے احاطے میں بہت سی زمین اور مکانات ہیں -[1]

---

۱ - حضرت سید شاہ علی کے حالات کی یہ تمام تفصیل تواریخ ڈھاکہ صفحہ ۲۸۰ تا ۲۸۲ ماخوذ ہے -

## (۴۷)

# شیخ علاء الدین علاء الحق بنگالی

**نام و نسب:** بنگال میں حضرت شیخ اخی سراج کے بعد سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو جس نے سب سے زیادہ فروغ بخشا وہ شیخ علاء الحق والدین بن اسعد لاہوری تھے ، معارج الولایت میں ھے کہ وہ صحیح النسب ہاشمی تھے ، ان کا سلسلۂ نسب حضرت خالد بن ولید سے جا ملتا ھے ، وہ ایک متمول اور مالدار خاندان میں پیدا ھوئے ، اور خود بھی امراء اور اراکین سلطنت میں شمار ھوتے تھے ، انھوں نے اپنے لیے 'گنج نبات' لقب اختیار کیا تھا ، جس پر حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی آن سے خفا ھوگئے تھے ، اس لیے کہ یہ لقب آپ کے پیر حضرت بابا فرید[۱] کے لقب گنج شکر سے بڑھا ھوا تھا ، صاحب

---

۱ - آپ کا اسم گرامی مسعود ، لقب فرید الدین تھا ، مگر آپ 'گنج شکر' کے لقب سے مشہور ھوئے ، 'گنج شکر' کی وجہ تسمیہ صاحب سیر الاقطاب نے یہ بیان کی ھے کہ ایک بار آپ نے متواتر روزے رکھے ، ایک دن افطار کے لیے کچھ نہ ملا ، رات کو آپ نے بھوک کی شدت میں سنگ ریزے منہ میں ڈال لیے ، یہ سنگ ریزے شکر ھوگئے ، آپ کے مرشد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کو جب یہ معلوم ھوا تو فرمایا فرید 'گنج شکر' ھے ، آسی وقت سے آپ اس لقب سے مشہور ھوئے ، بابا فرید گنج شکر کی ولادت ۵۸۴ھ — ۱۱۸۸ء میں قصبہ کھنی وال (کھوتوال) ضلع ملتان میں
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶۶ پر)

(صفحہ ۲٦۵ کا بقیہ حاشیہ)

ھوئی ، آپ کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروقؓ سے جا ملتا ھے ، بابا فرید نے ابتدائی تعلیم کھوتوال میں پائی ، پھر حصول تعلیم کے لیے ملتان تشریف لائے ، ملتان میں ایک مسجد میں قیام فرمایا ، اسی مسجد میں کتاب نافع مولٰنا منہاج الدین ترمذی سے پڑھی ، اسی زمانے میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ملتان تشریف لائے ، ایک روز حضرت خواجہ قطب الدین اس مسجد میں نماز کے لیے تشریف لے گئے ، جس میں بابا فرید مقیم تھے ، بابا فرید آپ کو دیکھ کر اس قدر متاثر ھوئے کہ آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اس وقت آپ کی عمر اٹھارہ سال کی تھی ، حضرت خواجہ قطب الدین جب ملتان سے واپس ھونے لگے تو آپ نے بابا فرید کو مزید تعلیم و تلقین فرمائی ، اس کے بعد بابا فرید ھندوستان سے نکل کر بغداد ، غزنی ، سیوستان اور بدخشاں میں ظاھری اور باطنی علوم کی تعلیم حاصل کرتے رھے ، طویل سیاحت کے بعد آپ اپنے مرشد خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں دھلی حاضر ھوئے ، اور آپ کی خدمت میں رہ کر روحانی نعمتوں سے مالا مال ھوئے ، اسی زمانے میں جب کہ آپ دھلی میں مقیم تھے حضرت خواجہ بزرگ خواجہ معین الدین اجمیری اجمیر سے دھلی تشریف لائے ، اور خواجہ بزرگ کی توجہ سے بابا فرید بھی مستفیض ھوئے ، خواجہ بزرگ نے بابا فرید کی غیر معمولی صلاحیتوں کا اندازہ کر کے اپنے مرید خواجہ بختیار سے فرمایا

بابا بختیار ! شہباز عظیم بقید آوردہ کہ جزبہ سدرۃ المنتھی آشیاں نگیرد ، ایں فرید شمعے است کہ خانوادۂ درویشاں منور سازد ۔

ایک عرصے تک بابا فرید اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاھدے کرتے رھے ، جب تعلیم باطنی ختم کر چکے تو اپنے مرشد کے حکم سے دھلی سے ھانسی تشریف لائے ، آپ ھانسی

(باقی حاشیہ صفحہ ۲٦۷ پر)

(صفحہ ۲۶۶ کا بقیہ حاشیہ)
ہی میں تھے کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ کے مرشد کا وصال ہوگیا ھے ، اس خواب سے پریشان ہو کر دھلی تشریف لائے ، جب دھلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ تین روز ہوئے کہ حضرت خواجہ قطب الدین وصال فرما چکے ھیں ۔

سیرالاولیاء میں ھے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے جب آخری مرتبہ بابا فرید رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان کو مصلیٰ خاص ، اور عصا عنایت کیا ، اور فرمایا کہ میں تمھاری امانت ، یعنی سجادہ ، خرقہ ، دستار اور کھڑاویں قاضی حمید الدین ناگوری کو دے دوں گا ، (وہ میری وفات) کے پانچویں روز تم کو پہنچا دیں گے ، ان آثار کو حفاظت سے اپنے پاس رکھنا ، ھمارا مقام تمھارا مقام ھے'' ۔ (سیرالاولیاء ۔ صفحہ ۷۳)

چنانچہ قاضی حمید الدین ناگوری نے پانچویں روز یہ تمام امانتیں بابا فرید کے حوالے کیں تین روز کے بعد بابا فرید نے دھلی سے روانہ ہونے کا ارادہ کیا ، لیکن دھلی کے لوگوں نے اصرار کیا کہ آپ دھلی ھی میں قیام فرمائیں ، مگر آپ نے دھلی میں ٹھہرنا پسند نہ کیا ، اور ھانسی واپس تشریف لائے ، جب ھانسی میں لوگوں کا ھجوم بڑھا تو آپ اجودھن (پاک پٹن) تشریف لے آئے اور اپنی وفات تک اجودھن (پاک پٹن) ھی میں مقیم رھے ۔

اخبار الاخیار میں ھے کہ اجودھن کے باشندے نہایت درشت ، ظاھر پرست اور درویشوں کے منکر تھے ، جب آپ اجودھن پہنچے تو فرمایا یہ جگہ میرے رھنے کے لیے خوب ھے ، وھاں کے لوگوں نے آپ کی طرف مطلق توجہ نہ کی ، آپ نے قصبے کے باھر درختوں کے نیچے قیام فرمایا ، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر رشد و ہدایت اور عبادت الٰہی میں مصروف ہوگئے ۔ جب آپ کی عبادت و ریاضت کی شہرت ہوئی تو دور دور سے لوگ اس شمع معرفت کے گرد
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶۸ پر)

(صفحہ ۲۶۷ کا بقیہ حاشیہ)

پروانہ وار جمع ہونے لگے ، اُس وقت دہلی میں سلطان ناصرالدین محمود کی حکومت تھی ، وہ اپنے لشکر کے ساتھ اجودھن سے گزرا ، اُس نے اپنے نائب السلطنت الغ خاں کو آپ کی خدمت میں بھیجا ، اور چار گاؤں بطور جاگیر اور کچھ نقد آپ کی خدمت میں نذر کرنا چاہا ، الغ خاں نے جاگیر کا فرمان اور زر نقد بابا فرید کی خدمت میں رکھا ، آپ نے پوچھا یہ کیا ہے ؟ الغ خاں نے عرض کیا کہ یہ نقد رقم آپ کے درویشوں کے اخراجات کے لیے ہے ، اور یہ چار گاؤں کا فرمان آپ کی اولاد کے لیے ہے ، بابا فرید نے نقدی کو قبول فرما کر ارشاد فرمایا کہ یہ رقم درویشوں میں تقسیم کر دی جائے ، اور گاؤں کے فرمان کو واپس کرتے ہوئے فرمایا یہ واپس لے جاؤ ، اس کے طلب گار بہت ہیں ۔

(اخبارالاخیار ۔ صفحہ ۵۲)

اسی طرح ایک دفعہ اجودھن کے والی نے کچھ گاؤں اور زر نقد آپ کو بطور نذر دینا چاہا ، فرمایا اگر میں یہ گاؤں اور روپیہ لے لوں تو لوگ مجھے درویش نہ سمجھیں گے ، بلکہ دیہہ دار کہیں گے ، اور دیہہ دار میرا لقب ہو جائے گا ، پھر یہ منہ درویشوں کے دکھانے کے قابل نہ رہے گا ، اور میں اُن میں کھڑا نہ ہو سکوں گا ۔

(راحت القلوب ۔ صفحہ ۱۲۲ و فوائد الفواد ۔ صفحہ ۵۹)

حضرت بابا فرید کی ساری زندگی فقیرانہ عسرت اور درویشانہ استغنا کے ساتھ گزری ۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ ایک دن آپ کی بیوی نے عرض کیا کہ فلاں بچہ بھوک سے ہلاکت کے قریب ہے ، فرمایا فرید کیا کرے ، اگر تقدیر الٰہی یہی ہے تو یہی ہوگا ۔

(اخبار الاخیار ۔ صفحہ ۵۲)

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۶۹

(صفحہ ۲٦۸ کا بقیہ حاشیہ)ء

ایک دفعہ آپ کا کرتا پرانا ہو گیا ، ایک شخص نے نیا کرتا پیش کیا ، تھوڑی دیر وہ کرتا پہن کر آپ نے شیخ نجیب الدین متوکل کو دے دیا ، فرمایا مجھے جو ذوق اس پرانے کرتے میں حاصل ہوتا تھا ، وہ اس نئے کرتے میں نہیں ۔

(اخبار الاخیار ۔ صفحہ ۵۲)

ایک دفعہ آپ کے ایک خادم نے ایک درم کا نمک دکان دار سے قرض لے کر کھانا پکایا ، جب یہ کھانا افطار کے وقت بابا فرید کے سامنے لایا گیا تو آپ نے ہاتھ کھینچ لیا ، اور فرمایا میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا کہ اس کھانے سے اسراف کی بو آتی ہے ۔

(اخبار الاخیار ۔ صفحہ ۵۲ - ۵۳)

سیرالعارفین میں ہے کہ یہ کھانا آپ کے مرید خاص حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے تیار کیا تھا ، آپ نے اُن سے پوچھا کہ اس کھانے میں نمک کہاں سے لا کر ڈالا گیا ہے ، انھوں نے جواب دیا کہ نمک گھر میں موجود نہ تھا ، میں نے قرض لا کر ڈالا ہے ، فرمایا کہ درویشوں کے لیے فاقے سے مر جانا کہیں زیادہ بہتر ہے کہ وہ نفس کی لذتوں کے لیے مقروض ہوں قرض اور توکل میں زمین و آسمان کا فرق ہے ، اگر کسی درویش کو قرض کی حالت میں موت آ جائے تو اُس کی گردن قرض کے بوجھ سے جھکی رہے گی ۔

(سیر العارفین)

ایک دفعہ خانقاہ میں کچھ درویش آئے ، گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہ تھا ، حضرت بابا فرید نے خود اُن کے لیے ''جو'' پیسے اور روٹیاں پکا کر درویشوں کے سامنے رکھیں ۔

(بزم صوفیہ ۔ صفحہ ۱۳۷)

آپ کی تبلیغ سے مغربی پنجاب کے کئی قبیلوں سیال ، راج پوت ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۰ پر)

(صفحہ ۲۶۹ کا بقیہ حاشیہ)

اور وٹو وغیرہ نے اسلام قبول کیا۔

(موج کوثر صفحہ ۲۵۱ بحوالۂ گزیٹیر ضلع ملتان و منٹگمری)

آپ کے رشد و ہدایت سے نہ صرف پنجاب بلکہ شمالی ہندوستان کا گوشہ گوشہ منور ہوگیا اور دور دور سے لوگ آ کر آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے۔

بابا فرید کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ عقیدت مندوں کا ہجوم آپ کو گھیرے رہتا، آدھی رات تک خانقاہ کا دروازہ کھلا رہتا، اور ہر قسم کے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، عوام و خواص، شہری اور لشکری سب کے سب آپ کے بے حد معتقد تھے، ناصر الدین محمود کا لشکر جب اجودھن سے گزرا تو ان لشکریوں نے بابا فرید سے جس عقیدت کا اظہار کیا ہے اس کا تذکرہ تفصیل سے خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فوائد الفواد میں فرمایا ہے۔

(دیکھئے فوائد الفواد صفحہ ۱۴۵ - ۱۴۶)

علم و فضل کے اعتبار سے بھی حضرت بابا فرید کا مرتبہ بہت بلند ہے، آپ کے مرید اور خلیفۂ خاص حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کا بیان ہے کہ میرے مرشد حضرت بابا فرید گنج شکر حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی تصنیف "عوارف المعارف" کو نہایت عمدگی سے پڑھاتے تھے، جب آپ درس دیتے تو سننے والوں کے ہوش ٹھکانے نہ رہتے تھے، میں نے بھی اس کتاب کے پانچ باب آپ ہی سے پڑھے تھے۔

(فوائد الفواد۔ صفحہ ۷۵۔ سیر العارفین۔ صفحہ ۵۷)

حضرت بابا فرید کی تصانیف میں آپ کے ملفوظات کے دو مجموعے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۱ پر)

(صفحہ ۲۷۰ کا بقیہ حاشیہ)

ایک راحت القلوب اور دوسرا اسرار الاولیاء ھے ، راحت القلوب کو حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے ، اور اسرار الاولیاء کو حضرت بدرالدین اسحاق نے مرتب کیا ھے ، یہ دونوں آپ کے مرید و خلیفہ تھے -

اخبار الاخیار کی روایت کے مطابق حضرت بابا فرید ۹۵ سال کی عمر میں ۵ محرم ۶۶۴ھ — ۱۲۶۵ء کو واصل الی اللہ ہوئے -

بنگال کے محقق ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاھی یونی ورسٹی کا قیاس ھے کہ حضرت بابا فرید گنج شکر ایک مرتبہ بنگال تشریف لائے تھے ، ان کے خیال میں اس کا ثبوت اس چشمے سے ملتا ھے جو چاٹگام کے قریب شیخ فرید کے چشمے سے موسوم ھے ، حالانکہ اس علاقے میں بہت سے چشمے ھیں ، لیکن کسی کو شیخ فرید سے منسوب نہیں کیا جاتا ، ان کا بیان ھے کہ فرید پور (مشرق بنگال) کے ضلع میں یہ روایت عام طور پر مشہور ھے کہ اس ضلع کا نام حضرت بابا فرید گنج شکر کے نام پر رکھا گیا ، جب آپ اس علاقے میں آئے تو آپ نے بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ، ان کا یہ بھی بیان ھے کہ ایک چھوٹا سا قبہ شہر فرید پور میں آج بھی موجود ھے جو کہ ان بزرگ کے آنے کی یادگار کے طور پر اور آپ کے مجاھدات کے سلسلے میں تعمیر کیا گیا'' -
(ھسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ، باب ششم)

مندرجۂ بالا روایات خواہ کتنی ھی شہرت کیوں نہ رکھتی ھوں ، لیکن تاریخی حیثیت سے حضرت بابا فرید گنج شکر کا بنگال جانا ثابت نہیں اور نہ ھمیں کسی تذکرے میں اس کا ذکر ملتا ھے کہ آپ نے کبھی بنگال کا کوئی سفر کیا تھا -

آپ کے خلفاء میں سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۲ پر)

خزینۃ الاصفیاء نے اس واقعے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شیخ علاء الحق نے اپنے وطن میں خود کو امارت و ثروت، پندار و تکبر کی بنا پر گنج نبات لقب اختیار کیا تھا، جب یہ خبر حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کو پہنچی تو وہ سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ ہمارے پیر ''گنج شکر'' ہیں اور اس نے گنج نبات لقب اختیار کر کے آن سے بھی زیادہ اپنے آپ کو اعلیٰ شمار کیا ہے، الٰہی! اس کی زبان گونگی کر دے، آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ حضرت شیخ علاء الحق گونگے ہوگئے، جب وہ حضرت شیخ سراجی اخی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے تو ان کی زبان کھلی -۱

**بیعت:** جب حضرت اخی سراج کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور وہ اپنے وطن بنگال جانے لگے تو انھوں نے عرض کیا کہ وھاں شیخ علاءالدین علاءالحق

---

(صفحہ ۲۷۱ کا بقیہ حاشیہ)

مخدوم شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری، شیخ جمال الدین ہانسوی، شیخ نجیب الدین متوکل مشہور ہیں - ان خلفاء میں تین سے سلسلے جاری ہوئے، حضرت خواجہ نظام الدین سے نظامیہ، حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد سے صابریہ اور شیخ جمال ہانسوی سے سلسلۂ جمالیہ جاری ہوا، لیکن کچھ دن کے بعد سلسلۂ جمالیہ سلسلۂ نظامیہ میں ضم ہوگیا -

حضرت بابا فرید کے بعد ان کے دونوں خلفاء حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی اور حضرت مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری نے سلسلۂ چشتیہ کے آفتاب کو نصب النہار پر پہنچا دیا، اور ان دونوں بزرگوں کی بدولت ہند و پاکستان کے ہر گوشے میں چشتیہ سلسلے کی خانقاہیں قائم ہوئیں -

(یہ تمام تفصیل ''شیخ عبد القدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات'' کے ص ۸۷ تا ۱۰۳ سے ماخوذ ہے)

۱ خزینۃالاصفیاء - جلد ۱، ص ۳۶۸ -

جیسے دانش مند بزرگ موجود ہیں ، میرا ان کے سامنے کیا چراغ جلے گا ، فرمایا فکر مت کرو کہ وہ تو خود تمہارے حلقۂ ارادت و خدمت میں داخل ہوں گے ، چنانچہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی پیشین گوئی کے مطابق شیخ علاء الحق نے حضرت اخی سراج کی خدمت میں حاضر ہو کر آن کے دست حق پرست پر بیعت کی -

**شیخ کی خدمت :** شیخ علاءالحق نے اپنے پیر کی اتنی خدمت کی کہ ان کے جذبۂ خدمت کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے ، وہ شیخ جلال تبریزی کی طرح سفر میں اپنے شیخ کا کھانا گرم رکھنے کے لیے انگیٹھی اپنے سر پر آٹھائے رکھتے تھے ، یہاں تک کہ ان کے سر کے بال جل گئے -

ان کے اعزہ و اقربا جو دولت مند اور اراکین سلطنت میں تھے ، وہ لوگ ان کو اس حالت میں دیکھ کر ان کا مذاق آڑاتے تھے -

**خلافت :** حضرت اخی سراج نے ان کو ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد اپنی خلافت سے سرفراز فرمایا ، جب وہ سجادۂ مشیخت پر متمکن ہوئے تو ان کی فیاضی و سخاوت نے بادشاہ کو اس غلط فہمی میں مبتلا کر دیا کہ ان کے والد چونکہ مہتمم خزانہ ہیں ، ممکن ہے کہ یہ فیاضی شاہی خزانے سے ہوتی ہو ، اس لیے بادشاہ[1] نے ان کو حکم دیا کہ وہ دارالخلافہ چھوڑ کر سنارگاؤں چلے جائیں جو ڈھاکہ سے اٹھارہ

---

۱ - ریاض السلاطین میں ہے کہ شیخ علاءالحق ، سلطان سکندر شاہ بن شمس الدین بھنگڑہ کے معاصر تھے ، جو اپنے باپ کی وفات کے بعد تخت پر بیٹھا ، جب ۷۶۰ھ — ۱۳۵۸ء میں تسخیر ممالک بنگال کا عزم کیا تو اس نے تاب مقاومت نہ پا کر سالانہ خراج منظور کر لیا ، اس نے ۷۶۶ھ — ۱۳۶۴ء میں پنڈوہ میں جامع مسجد بنوائی ، لیکن یہ مسجد ابھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ اس نے وفات پائی ، متن میں جس بادشاہ کا ذکر ہے قیاس چاھتا ہے کہ وہ سلطان سکندر شاہ ہی ہوگا -

میل کے فاصلے پر ہے، سنار گاؤں میں وہ دو سال تک مقیم رہے، لیکن یہاں ان کی سخاوت اور فیاضی اور بھی بڑھ گئی ، خادم کو حکم دیا کہ جو پہلے روزانہ خرچ کرتے تھے، اب آس سے دگنا خرچ کرو ، چنانچہ یہ سلسلہ آن کی وفات تک جاری رہا ، مشہور ہے کہ دو باغ ان کے بزرگوں کے تھے جن کی آمدنی آٹھ ہزار ٹنکہ تھی ، کسی نے آن کے ان دونوں باغوں پر قبضہ کر لیا ، لیکن وہ اس کی شکایت کبھی اپنی زبان پر نہیں لائے [۱]۔

اس قدر خرچ کرنے کے باوجود وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس قدر میرے مخدوم خرچ کرتے تھے ، میں ان کا عشر عشیر بھی خرچ نہیں کرتا ۔

**پیشینگوئی :** ایک دفعہ چند قلندر حضرت شیخ علاءالحق کی خانقاہ میں آئے ، ان کے پاس ایک بلی تھی جو اتفاق سے گم ہوگئی ، وہ آپ کے پاس آئے اور نہایت بدتمیزی کے لہجے میں کہا کہ ہماری بلی تمھارے یہاں سے غائب ہوئی ہے ، ہماری بلی ہمیں لا کر دو ، آپ نے فرمایا کہ میں کہاں سے لاؤں ، ان میں سے ایک گستاخ نے کہا کہ ہرن کی شاخ سے پیدا کرو فرمایا تم آسے شاخ سے پاؤ گے ، دوسرے بدتمیز نے کہا کہ میرے خصیے سے پیدا کرو ، فرمایا کہ تم اسی سے پاؤ گے ، جیسے ہی خانقاہ سے یہ دونوں قلندر باہر آئے ، وہ قلندر کہ جس نے کہا تھا کہ ہرن کی شاخ سے پیدا کرو، آس کے ایک گائے نے سینگ مارا ، اور دوسرا قلندر جس نے خصیے سے کہا تھا ، اس کے خصیے اس قدر ورم کر آئے کہ وہ اسی بیماری میں ہلاک ہوگیا [۲] ۔

**وفات :** اخبارالاخیار میں ہے کہ شیخ علاءالحق نے ۸۰۰ھ—۱۳۹۸ء میں وفات پائی [۳]، لیکن سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال کے مؤلف نے

---

۱ - اخبارالاخیار - ص ۱۴۳ -

۲ - ایضاً - ص ۱۴۳ -

۳ - اخبارالاخیار - ص ۱۴۳ -

خورشید جہاں نامہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت شیخ علاءالحق کی درگاہ کے خادموں کے پاس ایک کتاب ہے ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ علاءالحق ۷۸۶ھ-۱۳۸۲ء کو واصل الی اللہ ہوئے [۱] -

**مزار :** حضرت شیخ علاءالحق کا مزار پُر انوار چھوٹی درگاہ پنڈوہ میں آن کے صاجزادے حضرت نور قطب عالم کے متصل زیارت گاہ خاص و عام ہے -

**اولاد :** حضرت شیخ علاءالحق کے دو صاجزادے شیخ نور قطب عالم اور شیخ انور تھے -

**خلفا :** حضرت شیخ علاءالحق والدین کے خلفاء میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت حاصل کی ، ان میں آن کے صاحبزادے حضرت نور قطب عالم ، اور آن کے مرید حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی ہیں -

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی ، سمنان میں پیدا ہوئے ، آن کے والد کا اسم گرامی محمد ابراہیم تھا ، جو سمنان کے بادشاہ تھے ، ان کی والدۂ ماجدہ کا نام خدیجہ بیگم تھا ، جو خواجہ احمد لیسوی [۲] کی صاحبزادی

---

۱ - خورشید جہاں نامہ شائع کردہ جنرل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۸۹۵ء - ص ۲۰۶ - ۲۰۷ -

۲ - خواجہ احمد لیسوی ، لیسوی میں پیدا ہوئے جو ترکستان کے شہروں میں سے ایک شہر ہے انھوں نے بچپن میں ظاہری و باطنی تربیت شیخ ارسلان سے حاصل کی کہ جو ترکستان کے جلیل القدر مشائخ میں تھے - شیخ ارسلان کی وفات کے بعد وہ بخارا آئے - اور حضرت خواجہ یوسف ہمدانی کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا - اور خواجہ یوسف ہمدانی کی وفات کے بعد مسند ارشاد کو زینت بخشی -

صاحب خزینۃ الاصفیا نے خواجہ احمد لیسوی کے فضائل و (باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۶ پر)

تھیں اور بڑی عابدہ و زاہدہ خاتون تھیں ، لطائف اشرفی میں ہے کہ اپنی تین بہنوں کے بعد حضرت ابراہیم مجذوب کی دعا کی برکتوں سے حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی پیدا ہوئے ، سات سال کی عمر میں انھوں نے ساتوں قرأتوں کے ساتھ قرآن مجید حفظ کیا - چودہ سال کی عمر میں وہ علوم معقول و منقول کی تعلیم سے فارغ ہو کر آفتاب علم بن گئے ، اور اپنے علم و فضل کے لحاظ سے غیر معمولی شہرت حاصل کی اور تمام عراق میں مشہور ہو گئے[1] -

اپنے والد کی وفات کے بعد سمنان کی حکومت انھوں نے سنبھالی ، اور عدل و انصاف کو اپنا شعار بنایا ، صاحب لطائف اشرفی نے ان کے عدل و انصاف کی مدح سرائی کرتے ہوئے کہا ہے

چوں اورنگ سمناں بدو تازہ گشت
جہاں از عدالت پر آوازہ گشت

بدوراں عدلش ہمہ روزگار
گلستاں شدہ عدل آورد بار

زہے عدل و انصاف آں دادگر
کہ برمیش گرگے نہ بندد کمر

---

(صفحہ ۲۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

مناقب بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ علوم ظاہری و باطنی ، زہد و ورع کے جامع تھے ، اور شریعت و طریقت میں بلند مرتبہ رکھتے تھے ، وہ مشائخ ترک کے سرگروہ ہیں ، اور اکثر مشائخ ترک ، طریقت میں آن سے نسبت رکھتے ہیں ، ہزاروں طالبان حق آن کی توجہ سے صاحب ارشاد ہوئے -

حضرت خواجہ احمد لیسوی نے ۵۶۲ھ — ۱۱۶۶ء میں وفات پائی ، آن کا مزار پر انوار لیسوی میں زیارت گاہ خاص و عام ہے -
(ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۵۳۱—۵۳۲)

۱ - لطائف اشرفی - جلد ۲ — ص ۹۱

بشاہیں زند بال بازی کلنگ
کبوتر سوئے باز آورد چنگ
اگر فیل بر فرق مورے گزر
کند مور بر فیل آرد نظر
کہ ایں دور سلطان اشرف بود
چساں ظلم تو بر سر من رود۱

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی بچپن ہی سے زہد و تقویٰ اور عبادت و ریاضت کی طرف مائل تھے ، اپنے دور حکومت میں بھی وہ فرائض سنن ، واجبات اور نوافل کے شدت سے پابند رہے ، اور حصول معرفت الٰہی کا ذوق اُن کے قلب میں بڑھتا رہا ، یہاں تک کہ ایک روز خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ اُن سے فرما رہے ہیں کہ اگر سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ اور شیخ علاءالحق بنگالی کی خدمت میں حاضر ہو کہ وہ تم کو خدا تک پہنچائیں گے ، اس خواب کے بعد حضرت اشرف جہانگیر سمنانی اپنی والدہ بی بی خدیجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ترک سلطنت کا ارادہ ظاہر کر کے ہندوستان جانے کی اجازت چاہی ، اُن کی والدہ نے فرمایا کہ میں نے تمھارے پیدا ہونے سے پہلے خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت خواجہ احمد لیسوی فرماتے ہیں کہ تمھارے ایک فرزند پیدا ہوگا ، جس کے ولایت کے نور سے عالم منور ہو جائے گا ، الحمداللہ کہ وہ مبارک وقت آ پہنچا ہے ، میں تمھیں اپنا حق معاف کرتی ہوں ، اور تمھیں خدا کے سپرد کرتی ہوں تمھیں یہ سفر مبارک ہو۲ -

اپنی والدہ کی اجازت کے بعد سمنان کی حکومت اپنے بھائی سلطان محمد کے سپرد کر کے وہ ہندوستان روانہ ہوئے ، اور فقر کے اس راہی بادشاہ کو تین منزل تک بارہ ہزار سپاہی اور قورچی رخصت کرنے کے لیے آئے ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی ان سے رخصت ہو کر بخارا ہوتے ہوئے

---

۱ - ایضاً - جلد ۲-ص ۹۲-۹۳
۲ - خزینۃالاصفیاء جلد اول - ص ۳۷۲ و لطائف اشرفی - جلد ۲ - ص ۹۱

سمرقند آئے ، سمرقند میں کچھ گھوڑے سواری کے لیے ساتھ تھے لیکن اس طالب حق کو یہ شان و شکوہ پسند نہ آیا ، وہ سب گھوڑے فقرا میں تقسیم کر دئیے پھر سمرقند سے آچ[1] تشریف لائے ، اور سلسلۂ سہروردیہ کے مشہور بزرگ حضرت جلال‌الدین بخاری مخدوم جہانیاں جہاں گشت[2] کی خدمت میں حاضر ہوئے ، آپ نے آنھیں دیکھتے ھی فرمایا ۔

---

۱ - ھمیں مختلف کتابوں میں آچ کے یہ نام ملتے ھیں آچ ، اوسا ، اسکندرہ، الیگزنڈرہ ، اسکالنڈہ راجا دیو سنگھ بھٹی کے نام پر اسے دیو گڑھ بھی کہتے تھے ، ۷۵۰ھ — ۱۳۴۹ء میں اسے تلواڑا جاجپورہ بھی کہتے تھے ، آچ کے نام پر مندرجۂ ذیل کتابیں روشنی ڈالتی ھیں ۔

(۱) تاریخ فرشتہ (۲) تاریخ معصومی (۳) سفر نامہ حضرت مخدوم جہانیاں (۴) خزینہ جلالیہ (۵) جواھر جلالیہ (۶) طبقات ناصری (۷) تحفة الکرام (۸) آئین اکبری (۹) تاریخ سندھ عبدالحلیم شرر (۱۰) معجم البلدان (۱۱) مروج الذھب (۱۲) فتوح البلدان (۱۳) چچ نامہ (۱۴) تاریخ طاھری

آچ تین ھیں

| آچ موغلہ | آچ بخاری | آچ گیلانی |
|---|---|---|
| مغلوں نے آباد کیا | سادات بخاری کا آباد کردہ | سید صفی‌الدین گازونی |
| | ۷۰۰ھ | ۳۷۰ھ |

۲ - مخدوم جہانیاں جہاں گشت کا نام جلال‌الدین اور لقب مخدوم جہانیاں جہاں گشت تھا ، سیرالعارفین میں ھے کہ عید کے روز آپ نے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی اور حضرت شیخ صدرالدین کے مزار پر مراقبہ کیا اور مراقبے میں عیدی طلب کی تو ان بزرگوں کی جانب سے آپ کو بطور عیدی مخدوم جہانیاں کا لقب ملا ، جب وھاں سے واپس ہوئے تو راستے میں جو کوئی آپ کو دیکھتا تھا بے اختیار مخدوم جہانیاں کہتا تھا- (سیرالعارفین ـ جلد ۲ ص ۴۹)

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۷۹ پر)

(صفحہ ۲۷۸ کا بقیہ حاشیہ)

صاحب اخبارالاخیار نے ان کے اس لقب کی وجہ آن کی سیاحت کو قرار دیا ہے ، اخبارالاخیار میں ہے کہ

''حضرت جلال الدین بخاری کا لقب مخدوم جہانیاں ہے ، وہ شیخ الاسلام شیخ رکن‌الدین ابوالفتح قریشی کے مرید ہیں، اور خلفہ شیخ نصیرالدین محمود امام عبداللہ یافعی کی صحبت میں مکۂ معظمہ میں رہے ہیں ، خزانۂ جلالی جو حضرت مخدوم جہانیاں کے ملفوظات کا مجموعہ ہے ، اس میں وہ بہت سی باتیں امام عبداللہ یافعی سے نقل کرتے ہیں ، انھوں نے بہت سیاحت کی تھی ، اور بہت سے اولیاء سے نعمت و برکت حاصل کی تھی، مشہور ہے کہ آپ جس کسی سے معانقہ کرتے ، وہ جو کچھ نعمتیں رکھتا تھا، بے اختیار آپ کو دے دیتا تھا -
(اخبارالاخیار - ص ۱۳۲)

مراۃالاسرار میں ہے کہ

و اکثر سفر ربع مسکون نمودہ ، وجمیع مشائخ چہاردہ سلسلہ و چہل یک گروہ را دریافت -

حضرت مخدوم جہانیاں کے دادا کا نام سید جلال الدین تھا جو جلال سرخ بھی کہلاتے تھے سید جلال سرخ بخارا سے بکھر تشریف لائے ، اور حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی سے بیعت ہو کر بکھر میں مقیم ہوگئے، اور وہیں کے ایک رئیس سید بدرالدین کی صاجزادی سے شادی کی ، لیکن آپ کو اپنے اعزہ کے جھگڑوں اور حسد کی وجہ سے بھکر چھوڑنا پڑا اور آپ نے آچ میں سکونت اختیار فرمائی -
(اخبارالاخیار - ص ٦١)

سید جلال سرخ کے تین صاجزادے ہوئے ، ایک سید احمد کبیر، دوسرے حضرت سید بہاءالدین ، تیسرے حضرت سید محمد -

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر)

(صفحہ ۲۷۹ کا بقیہ حاشیہ)

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت حضرت سید احمد کبیر کے صاجزادے ہیں حضرت مخدوم جہانیاں کی ولادت با سعادت ۷۰۷ھ – ۱۳۰۷ء میں آچ میں ہوئی ، آپ نے ابتدائی تعلیم آچ ہی میں پائی ، پھر آچ کے قاضی علامہ بہاءالدین سے ہدایہ اور بزودی پڑھی پھر مزید تعلیم کے حصول کے لیے ملتان تشریف لائے ، اور اپنے والد کے مرشد شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے پوتے شیخ رکن الدین کی خانقاہ میں ٹھہرے ، شیخ رکن الدین آپ کے ساتھ نہایت شفقت سے پیش آئے ، اور آپ کی تعلیم کے لیے اپنے پوتے مولانا موسیٰ اور ایک دوسرے عالم مولانا مجدالدین کے سپرد کی ، جب ان دونوں اساتذہ نے آپ کو ہدایہ اور بزودی ختم کرا دیں تو حضرت شیخ رکن الدین نے آپ کو کشتی میں سوار کر کے آچ بھجوا دیا (الدرالمنظوم- ص ۵۵۰–۶۰۵) پھر آپ نے مکہ معظمہ اور مدینۂ منورہ کے قیام کے زمانے میں شیخ مکہ عبداللہ یافعی اور شیخ مدینہ عبداللہ مطری سے بھی مختلف کتابیں پڑھیں (الدرالمنظوم - ص ۶۱۷ علوم و فنون کی تکمیل کے بعد پہلے آپ اپنے والد کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور پھر شیخ ابوالفتح رکن الدین کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا - (سیرالعارفین جلد ۲ - ص ۵۰)

اخبارالاخیار میں بحوالۂ تاریخ محمدی منقول ہے کہ پہلے حضرت مخدوم جہانیاں نے خرقۂ خلافت اپنے چچا شیخ صدرالدین بخاری سے پہنا، اور کلاہ ارادت اور خرقۂ تبرک شیخ الاسلام ، سندالمحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ مطری سے حرم شریف میں پہنا - (اخبارالاخیار ص ۱۴۲)

مراۃ الاسرار میں ہے کہ

مخدوم جہانیاں نے شیخ رکن الدین ابوالفتح بن شیخ صدرالدین بن شیخ بہاء الدین زکریا قدس اللہ تعالیٰ ارواحہم کی خدمت

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۱ پر)

(صفحہ ۲۸۰ کا بقیہ حاشیہ)

میں تربیت پائی ، اور ان کے ھاتھ سے پیران سہروردیہ کا خرقہ پہنا - (بزم صوفیہ صفحہ ۴۰۰ بحوالہ مراۃ الاسرار قلمی)

سیاحت کے سلسلے میں حضرت مخدوم جہانیاں نے اپنے ملفوظات میں فرمایا کہ سلطان محمد تغلق نے مجھے شیخ الاسلام مقرر کیا ، اور مجھے چالیس خانقاھیں دیں ، خواب میں میرے مرشد شیخ رکن الدین نے حکم فرمایا کہ حج کو چلے جاؤ ورنہ غرق ھو جاؤ گے ، صبح کو شیخ امام نے مجھ سے کہا کہ سید جلد روانہ ھو جاؤ جیسا کہ شیخ نے تمھیں اشارہ کیا ھے ، میں اپنی والدہ سے اجازت لینے کے لیے روانہ ھوگیا ، میرے پاس خرچ نہ تھا ، لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی ، ایک شخص حج کو جا رھا تھا ، مگر اس کے گھر والوں نے اسے لوٹا لیا ، اس نے اپنا زاد راہ مجھ کو دے دیا ، اور ایک گھوڑا بھی دیا ، لیکن میں نے وہ گھوڑا مولانا نظام الدین کو دے دیا ، وہ مدقوق تھے ، میں پیدل حج کے لیے روانہ ھو گیا ، اور حج سے پہلے پہنچ گیا ، اور انواع و اقسام کی نعمتوں سے سرفراز ھوا - (الدرالمنظوم - ص ۳۵۵ تا ۳۴۵)

پھر آپ مختلف ممالک کی سیر و سیاحت کے بعد اپنے وطن آچ تشریف لائے ، اور یہیں رشد و ھدایت میں مصروف ھو گئے ، آپ کے فیوض و برکات نے نہ صرف ھندوستان کو بلکہ بیرون ھند کو بھی منور بنا دیا -

شاھان وقت بھی آپ سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ، سلطان محمد تغلق کے بعد سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ھوا ، اس کو بھی آپ سے بے حد عقیدت تھی ، ۷۶۳ھ - ۱۳۶۲ء میں جب سلطان فیروز شاہ جام بابینہ کے خلاف ٹھٹے پر حملہ آور ھوا ، تو جام بابینہ کی درخواست پر آپ لشکرگاہ میں تشریف لائے ، اور آپ ھی کی کوششوں سے دونوں کے درمیان صلح ھوئی - (تفصیل کے لیے

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۲ پر)

بعد از مدتے بوئے طالب صادق بدماغ رسیدہ بعد از روزگارے نسیم از گلزار سیادت و زیدہ ، فرزند بسیار مردانہ برآمدہ ای مبارک بادہ ، زود قدم در راہ نہ کہ برادرم علاء الدین منتظر مقدم شریف ہستند زینہار در راہ جائے نمانی ۱

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سے روحانی استفادے کے بعد وہ دھلی تشریف لائے اور وھاں کے اکابر مشائخ سے فیضیاب ھو کر قصبۂ بہار میں حاضر ہوئے جس وقت یہ بہار پہنچے تو مخدوم الملک شرف الدین احمد یحیٰ منیری وفات پا چکے تھے ، اور ان کا جنازہ رکھا ھوا تھا ، حضرت شرف الدین احمد یحیٰ منیری۲ نے وصیت فرمائی تھی کہ آن کے

---

(صفحہ ۲۸۱ کا بقیہ حاشیہ)

دیکھئے تاریخ فیروز شاہی - عفیف)

حضرت جہانیاں جہاں گشت نے اٹھتر سال ایک مہینہ اور چھبیس روز کی عمر میں ۷۸۵ھ - ۱۳۷۰ء کو چہار شنبہ کے دن وفات پائی ، آسی دن عید اضحیٰ تھی ، عید اضحیٰ کی نماز کے بعد طبیعت زیادہ خراب ہوئی ، اور غروب آفتاب کے بعد رحمت حق سے پیوست ھو گئے ، مزار مبارک آچ میں ھے -

(لطائف اشرفی جلد اول - ص ۳۹۲)

(حضرت شیخ جلال الدین بخاری کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھئے تذکرۂ صوفیائے پنجاب مؤلفہ اعجاز الحق قدوسی)

۱ - لطائف اشرفی - جلد ۲ - ص ۹۲—۹۳—۹۴

۲ - مخدوم الملک حضرت شرف الدین احمد بن یحی ۲۶ شعبان ۶۶۱ھ مقام منیر ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے تاریخ پیدائش ''شرف آگیں،، سے نکلتی ھے - آپ کا سلسلۂ نسب چودھویں پشت میں حضرت امام جعفر صادق سے جا ملتا ھے - آپ کا خاندان بیت المقدس سے آکر منیر ضلع پٹنہ میں آباد ھوا ، اس خاندان کی وجہ سے منیر اور اس کے نواح میں اسلام پھیلا -

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۳ پر)

صفحہ ۲۸۲ کا بقیہ حاشیہ
بچپن میں ابتدائی تعلیم گھر ھی پر حاصل کی ، جب بڑے ہوئے تو آپ کے والد نے آپ کو مولانا شرف الدین ابو توامہ کے ساتھ تعلیم کے لیے سنارگاؤں بھیجا ۔ مولانا شرف‌الدین ابوتوامہ سے آپ نے قران مجید ، تفسیر ، حدیث اور فقہ کے علاوہ منطق ، فلسفہ اور ریاضی کی بھی تعلیم حاصل کی اور ریاضتیں و مجاھدے بھی کرتے رھے - سیرت اشرف میں بحوالۂ مناقب الاصفیاء منقول ھے کہ

''در تحیصل علوم دین باقصی الغایۃ کوشید ،شب و روز در علم مشغول بود ، و در آں مشغولی ریاضت و مجاهده داشت روز ھائے داشتے ۔'' (سیرت اشرف بحوالہ مناقب‌الاصفیاء ص ۳۹)

آسی زمانے میں تصوف کی کتابوں کا بھی مطالعہ کیا ، اپنے ایک خط میں اس طرف اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ھیں :

''احکام مذھب ایں طائفه (صوفیه) ، در کتب تصانیف‌ایشاں سالہا باز مطالعہ کردہ شدہ است ۔'' مکتوبات دو صدی ۔ مکتوبات ۸۱)

دوران تعلیم ھی میں آپ نے مولانا شرف الدین ابوتوامہ کی صاحبزادی سے عقد کیا ، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آپ اپنے وطن تشریف لائے ، وطن میں کچھ ھی دن ٹھہرے تھے کہ معرفت الٰہی کی طلب نے آپ کو بیچین کر دیا ، اور آپ مرشد کی تلاش میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے ، آپ کے بھائی شیخ جلیل الدین بھی آپ کے ساتھ تھے ، اس وقت دھلی صوفیائے کرام کا مرکز تھا ، دھلی میں آپ وھاں کے بڑے بڑے صوفیائے کرام سے ملے اور حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے ، صاحب لطائف اشرفی نے اس ملاقات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ھے کہ :

''جب حضرت شیخ شرف الدین علوم شرعیہ کی تحصیل اور ریاضت اصلیہ و فرعیہ کی تکمیل کر چکے تو حضرت سلطان المشائخ کی ملازمت کی کے لیے دھلی تشریف لے گئے ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۴ پر)

(صفحہ ۲۸۳ کا بقیہ حاشیہ)
اور ارادت و ارشاد کے لیے استدعا کی (حضرت سلطان المشائخ نے) عالم غیبی اور قضائے لاریبی سے استفسار فرمایا، اور استغراق میں سر جھکایا، پھر فرمایا برادرم شرف الدین! تمھاری ارادت اور تعلیم سلوک برادرم نجیب الدین سے متعلق ہے، تم ان ہی کے پاس جاؤ وہ تمھارے منتظر ہیں اور جب وہ حضرت شرف الدین شیخ نجیب الدین کے پاس جانے لگے تو (حضرت سلطان المشائخ نے) فرمایا کہ فقیروں کے یہاں سے خالی نہ جاؤ، تم کو اس خاندان سے صفائی اور سماع مبارک ہو (حضرت شرف الدین) تعظیم بجا لائے، آن کے خاندان میں سماع اور صفائی اسی وجہ سے ہے۔"

ایک روایت میں ہے کہ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کو دیکھ کر فرمایا:

"سیمرغے ست نصیب دام ما نیست" (بزم صوفیہ ۔ ص ۳۵۳)

اخبار الاخیار میں ہے کہ شیخ شرف الدین جب شوق بندگی حضرت نظام الدین اولیاء میں دھلی پہنچے تو اس وقت سلطان المشائخ کی وفات ہو چکی تھی، اور حضرت شیخ نجیب الدین فردوسی دھلی میں تھے، جب شیخ شرف الدین ان کی خدمت میں پہنچے تو ان کو دیکھ کر شیخ نجیب الدین فردوسی نے فرمایا درویش برسوں سے تمھارے انتظار میں بیٹھا ہوا ہے، تمھاری امانت میرے پاس ہے، جسے مجھے تمھارے سپرد کرنا ہے پھر فوراً ھی بیعت کر لیا، اور وہ نعمت باطنی حاصل کر کے اپنے وطن کی طرف روانہ ہوئے۔
(اخبار الاخیار ۔ ص ۱۱۸)

بزم صوفیہ میں بحوالہ وصیت نامہ حضرت خواجہ نجیب الدین فردوسی منقول ہے کہ شیخ نجیب الدین نے آن کو کچھ نصیحتیں لکھ کر رخصت کیا، اور رخصت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر تم کو راستے میں کوئی خبر ملے تو واپس نہ آنا۔
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۵ پر)

(صفحہ ۲۸۴ کا بقیہ حاشیہ)

بیعت کے بعد کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ایک دفعہ شیخ شرف الدین یحیٰ منیری نے فرمایا کہ

"من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسی پیوستم حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز آں حزن زیادہ می شد۔"

میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسی سے بیعت ہوا، میرے دل میں اسی دن سے حزن رکھ دیا گیا، ہر روز وہ حزن زیادہ ہوتا جاتا تھا دھلی سے رخصت ہوئے تو راستے ہی میں آں کو اپنے پیر کی وفات کی خبر ملی، لیکن چونکہ آں کے شیخ نے وصیت کی تھی کہ واپس نہ لوٹنا، اس لیے واپس نہ لوٹے، جب بہیا (ضلع آرہ) کے جنگل میں پہنچے تو مور کی آواز سنی، آواز کا سننا ہی تھا کہ شیخ شرف الدین یحیٰ پر جذب کی کیفیت طاری ہو گئی اور گریباں چاک کر کے جنگل میں غائب ہو گئے، ان کے بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے جو ان کے ساتھ تھے بہت ڈھونڈا مگر پتا نہ چلا۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ حضرت شیخ شرف الدین بہیا کے جنگل میں بارہ سال رہے آس کے بعد راج گیر (ضلع پٹنہ) کے جنگلوں میں بہت وقت گزارا، مشہور ہے کہ تیس سال تک انہوں نے جنگلوں میں عبادت کی۔

اخبار الاخیار میں ہے کہ:

"گویند کہ ویرا چند سال در بیابانی کہ در راہ آگرہ واقع است توقفی واقع شد، ہم در بیابان می بود و عبادت میکرد۔"

(اخبار الاخیار - ص ۱۱۸)

کہتے ہیں کہ شیخ شرف الدین یحییٰ کو آس میدان میں کہ آگرے کے راستے میں واقع ہے ٹھہرنا پڑا، وہ بیابان میں رہتے تھے اور عبادت کرتے تھے۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۶ پر)

(صفحہ ۲۸۵ کا بقیہ حاشیہ)

تیس سال کی عبادتوں اور ریاضتوں کے بعد شیخ شرف الدین یحیٰ نے بہار شریف میں سکونت اختیار فرمائی ، اور اپنی خانقاہ میں بیٹھ کر رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا ، اور عوام کے ساتھ ساتھ شاہان وقت کو بھی ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا ۔

سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں جب خواجہ عابد ظفر آبادی نے شیخ شرف الدین یحیٰ سے فریاد کی کہ اس کا مال ظلم سے برباد کر دیا گیا ہے تو آپ نے بھی سلطان فیروز شاہ تغلق کو اپنے خط کے ذریعہ سے عدل و انصاف کی طرف متوجہ کیا، یہ خط آپ کے سہ صدی مکتوبات کے صفحہ ۳۹۲—۳۹۳ پر موجود ہے ۔

ایک خط سلطان محمد تغلق کے داماد داؤد الملک کو لکھا جس میں اس کو بلیغ انداز میں تواضع اور خاکساری کی طرف توجہ دلائی بزم صوفیہ میں یہ خط پورا نقل کیا گیا ہے (بزم صوفیہ ص ۳۶۵)

حضرت شرف الدین بن یحیٰ منیری نے شوال ۷۸۲ھ — ۱۳۶۰ء کو جمعرات کی شب میں بوقت عشا وفات پائی ، تاریخ وفات ”پر شرف“ سے نکلتی ہے ، مزار مبارک بہار شریف میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔

حضرت شیخ شرف الدین کی جن تصانیف کا ابھی تک پتہ چل سکا ہے ، اُن کے نام یہ ہیں :

**مکتوبات :** (۱) مکتوبات صدی (۲) مکتوبات دو صدی (۳) مکتوبات بست و هشت ۔

**ملفوظات :** (۴) معدن المعانی (۵) مخ المعانی (۶) راحت القلوب (۷) خوان پر نعمت (۸) کنزالمعانی (۹) مغزالمعانی (۱۰) گنج لایفنی (۱۱) مونس المریدین (۱۲) تحفۂ غیبی (۱۳) ملفوظات الصغر (۱۴) برات المحققین ۔
**تصانیف :** (۱۵) فوائد رکنی (۱۶) شرح آداب المریدین (۱۷) عقائد شرفی (۱۸) ارشاد السالکین (۱۹) ارشاد الطالبین (۲۰) اجوبہ (۲۱) اورادخورد

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸۷ پر)

جنازے کی نماز وہ شخص پڑھائے جو صحیح النسب سید ہو ، تارک سلطنت ہو ، اور ساتوں قراتوں کا قاری ہو ، یہ تمام شرطیں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی میں موجود تھیں ، اس لیے انھوں نے آپ کے جنازے کی نماز پڑھائی ، پھر وہ کچھ دن تک بہار میں مقیم رہ کر حضرت شرف الدین یحیٰ منیری کے مزار پر مراقب رہے ، پھر وہاں سے بنگال روانہ ہوئے۔

اس زمانے میں شیخ علاؤالدین علاءالحق بن اسعد لاھوری بنگال میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے فیوض و برکات کو عام کر رہے تھے ، انھوں نے حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کی آمد سے کچھ دن پہلے اپنے مریدوں سے کہا تھا کہ وہ شخص جس کا میں دو سال سے انتظار کر رہا ہوں ، اور اس کی ملاقات کے لیے چشم براہ ہوں دو ایک دن میں پہنچنے والا ہے ، جب سید اشرف جہانگیر پنڈوہ کے قریب پہنچے تو اس وقت شیخ علاءالحق قیلولہ فرما رہے تھے ، یکایک اٹھے اور فرمایا "دوست کی بو آ رہی ہے"[1] فوراً ہی اپنے مریدوں کے ساتھ اس محافے میں بیٹھ کر جو حضرت سراج اخی سے ان کو ملا تھا ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کے استقبال کے لیے شہر سے باہر تشریف لے گئے ، جیسے ہی حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کی نظر حضرت شیخ علاءالحق پر پڑی تو فوراً ان کے قدموں پر گر پڑے ، حضرت شیخ علاءالدین علاءالحق نے انھیں اٹھا کر گلے سے لگایا ، اور یہ شعر پڑھا :

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے
بامید رسد امیدوارے

---

صفحہ ۲۸۶ کا بقیہ حاشیہ
(۲۲) اوراد اوسط (۲۳) فوائدالمریدین (۲۴) اجوبۂ زاھدیہ (۲۵) رسالہ اشارات (۲۶) رسالہ مکیہ (۲۷) اوراد کلاں -
(تصانیف کے متعلق کتابوں کے یہ تمام نام بزم صوفیہ ص ۳۷۷ سے لیے گئے ھیں)

۱ - یہ تمام تفصیل خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۳۷۲ اور بزم صوفیہ ص ۴۴۴ سے بحوالہ اخبارالاولیاء ص ۱۳۵ ماخوذ ھے -

حضرت سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق کے ساتھ آن کی خانقاہ میں تشریف لائے ، اور حضرت شیخ علاء الدین علاءالحق نے ان کو بیعت کیا ، حضرت سید محمد اشرف نے فی البدیہہ ان اشعار میں اپنی عقیدت کا اظہار کیا :

نہادہ تاج دولت بر سر من
علاءالحق والدین گنج نابات
زہے پیرے کہ ترک از سلطنت داد
برآوردہ مرا از چاہ آفات

پھر وہ بارہ سال اپنے مرشد کی خدمت میں رہ کر ریاضتیں اور مجاھدے کرتے رہے ، ریاضتوں اور مجاھدوں کے بعد حضرت شیخ علاءالحق نے ان کو خلافت سے سرفراز فرما کر ، جہانگیر کا لقب بھی عنایت فرمایا ، وہ خود اپنے اشعار میں اس شرف پر فخر کرتے ہوئے فرماتے ھیں :

مرا از حضرت پیر جہاں بخش
خطاب آمد کہ اے اشرف جہانگیر
کنوں گیرم جہان معنوی را
کہ فرماں آمد از شاھم ''جہانگیر''[۱]

ایک دفعہ حضرت اشرف جہانگیر کمر باندہ رہے تھے ، حضرت شیخ علاء الحق نے ان سے پوچھا کیا کر رہے ہو ؟ حضرت اشرف جہانگیر نے جواب دیا :

میان برائے خدمت می بندم

یعنی خدمت خلق کے لیے کمر باندہ رہا ہوں ، فرمایا کہ :

اگر می بندی محکم ببند کہ ہیچ درمیان نداری

یعنی اگر کمر باندہ رہے ہو تو مضبوط باندھو کہ پھر درمیان میں کوئی چیز باق نہ رہے - حضرت اشرف جہانگیر نے عرض کیا :

آرزوئے نفس از میان کشیدہ ام تازندہ ام

---

۱ - لطائف اشرفی جلد - ۲ - ص ۹۹)

یعنی میں نے نفس کی آرزو کو میان سے دور کر دیا ہے جب تک کہ زندہ ہوں ، حضرت علاءالحق نے یہ سن کر آن کو مبارک باد دی[1] -

روحانی فیوض و برکات سے مستفیض ہونے کے بعد آن کو حضرت شیخ علاءالحق نے جونپور جانے کا حکم دیا ، وہ اپنے مرشد سے رخصت ہوکر منیر ہوتے ہوئے ، قصبہ محمد آباد گہنہ ہوتے ہوئے ظفر آباد پہنچے ، یہاں حضرت شیخ کبیر سرہرپوری نے آن سے بیعت کی جو اپنے وقت کے بڑے جید عالم اور صاحب ثروت بزرگ تھے ، اور جنھیں بعد میں شیخ اشرف جہانگیر نے اپنی خلافت سے بھی سرفراز فرمایا تھا[2] ، ظفر آباد سے وہ جونپور پہنچے ، یہیں آس دور کے مشہور عالم قاضی شہاب الدین دولت آبادی[3] نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر

---

۱ - ایضاً - ص ۳۸۰

۲ - خزینۃ الاصفیاء - جلد اول - صفحہ ۳۷۳ و ۳۷۴ لطائف اشرفی جلد ۲ صفحہ ۱۰۳

۳ - قاضی شہاب الدین دولت آبادی ابن شمس الدین عمر الزاولی کی ولادت با سعادت دولت آباد میں ہوئی ، اور علوم ظاہری میں قاضی عبدالمقتدر دھلوی اور مولانا خواجگی سے شرف تلمذ حاصل کیا ، جب امیر تیمور نے دھلی کا رخ کیا تو آس کے پہنچنے سے پہلے قاضی شہاب الدین اپنے استاد مولانا خواجگی کے همراہ دھلی سے کالپی چلے گئے ، مولانا خواجگی نے کالپی میں سکونت اختیار کر لی اور قاضی شہاب الدین دولت آبادی جونپور چلے گئے ، سلطان ابراہیم شرقی جو اس زمانے میں جونپور کا بادشاہ تھا ، وہ ان کے ساتھ نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ پیش آیا ، اور ان کو ملک العلماء کے خطاب سے سرفراز کیا ، قاضی صاحب نے جون پور میں مسند درس و تدریس کو زینت دی -

صاحب تاریخ فرشتہ کا بیان ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی غزنیں کے رهنے والے تھے ، دولت آباد دکن میں نشو و نما پائی ، (باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۰)

(صفحہ ۲۸۹ کا بقیہ حاشیہ)
سلطان ابراھیم شرقی ان کی بے حد تعظیم و توقیر کرتا تھا اور آن کو اس قدر اعزاز بخشتا تھا کہ وہ متبرک دنوں میں سلطان ابراھیم کی مجلس میں چاندی کی کرسی پر بیٹھتے تھے ، کہتے ھیں کہ ایک مرتبہ قاضی صاحب بیمار ھوئے ، سلطان ابراھیم آن کی عیادت کو گیا ، مزاج پرسی اور ضروری باتوں کے دریافت کرنے کے بعد پانی سے بھرا ھوا ایک پیالہ منگوایا ، اور قاضی صاحب کے سر پر سے پیالہ گھما کر پانی خود پی لیا ، اور دعا کی کہ اے خدا جو بلا مولانا کے لیے مقرر ھے وہ مجھ پر نازل فرما اور آن کو شفا دے ، اس روایت سے بادشاہ دین پناہ کا مذھبی خلوص اور علمائے شریعت محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ اس کی عقیدت مندی کا پورا پورا اندازہ ھوتا ھے ۔ (ماخوذ از تذکرۂ علمائے ھند ۔ ص ۲۳۹)

اخبار الاخیار میں ھے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی جن اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے وہ شرح سے بے نیاز ھیں ، اگرچہ آن کے زمانے میں بہت سے علماء اور دانشور تھے ، لیکن جو شہرت و مقبولیت اپنے ھم عصروں میں ان کو حاصل تھی ، وہ آن کے زمانے میں کسی دوسرے کو میسر نہ آ سکی ، صاحب تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں حواشی کافیہ ھیں ، یہ تصنیف ان کی زندگی ھی میں بے حد مقبول ھوئی ، ان کی دوسری تصنیف بلاغت میں ''بدیع البیان'' ھے ، ان کی ایک اور تصنیف کتاب ارشاد ھے ، یہ کتاب نحو میں ھے ، ان کی اور کتابیں شرح بزودی ، شرح قصیدۂ بانت سعاد ، اور رسالہ در تقسیم علوم فارسی ھیں ۔ اس کے علاوہ انھوں نے ''بحر مواج'' کے نام سے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی ، اس کے علاوہ ان کے بعض رسائل اور کتب بھی ھیں ، مناقب السادات کے نام سے انھوں نے اھل بیت اطہار کے فضائل و مناقب پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا ، شعر بھی کہتے تھے ،
( باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۱ پر)

خرقۂ خلافت حاصل کیا ، آپ نے ان کو ملک العلماء کا خطاب دیا ، لطائف اشرفی میں ہے کہ :

حضرت قاضی خدمتے شائستہ و ملازمتے بایستہ شد ، والباس خرقہ کردند و بخطاب ملک العلماء مخاطب کردند ، و مہین خلفاء ولایت ماب و بہترین ندماء اصحاب اند ، جامع بودہ میان علوم ظاہری و باطنی ، صاحب معاملات یقینی و جامع واردات دینی شدہ بود ، تشرع بسیار داشت و ریاضات شدیدہ و مشاہدات جدیدہ کشیدہ کے اشرف خلافت و اجازت یافته[1] ۔

قاضی شہاب الدین کی وجہ سے سلطان ابراہیم شاہ اپنے آمراء اور اراکین دولت کے ساتھ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کی زیارت کے لیے آیا ، صاحب لطائف اشرفی نے لطائف اشرفی میں ان ملاقاتوں کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

قاضی شہاب‌الدین دولت آبادیؒ نے عرض کیا کہ آج سلطان حضرت

---

(صفحہ ۲۹۰ کا بقیہ حاشیہ)

نمونۂ کلام یہ ہے ۔

این نفس خاکسار کہ آتش سزاے او است
پر باد گشت لائق بے آب کردن است
یک کس چناں فرست کہ پا بر سرم نہد
ریزد ہمی منے و تکبر کہ در من است

(ماخوذ از اخبار الاخیار ۔ ص ۱۸۰ و تذکرہ علماء ہند)

تذکرۂ علمائے ہند میں ہے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے ۲۵ رجب ۸۴۹ھ — ۱۴۴۵ء اور بقول صاحب اخبارالاخیار ۸۴۸ھ میں وفات پائی ، آن کا مزار پر انوار جون پور میں مسجد سلطان ابراہیم میں جو مسجد اٹالہ کے نام سے مشہور ہے جنوبی جانب واقع ہے ۔

۱ ۔ لطائف اشرفی جلد ۲ ۔ ص ۱۰۳

کی ملاقات سے مشرف ہونا چاہتا ہے ، لیکن اس فقیر کی خواہش ہوئی کہ میں پہلے آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو پھر کل سلطان آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی کی سعادت حاصل کرے ، حضرت قدوۃالکبریٰ (یعنی حضرت جہانگیر سمنانی نے ) فرمایا کہ اس فقیر کے نزدیک تم سلطان سے بہت بہتر ہو ، اگر سلطان آنا ہی چاہتا ہے تو آنے دو وہ حاکم ہے ، جب قاضی شہاب الدین چلے گئے تو فرمایا کہ ہندوستان میں جتنی فضیلت قاضی شہاب الدین دولت آبادی کو حاصل ہے وہ بہت کم لوگوں میں دیکھی گئی -

دوسرے روز حضرت قدوۃالکبریٰ اپنے وظائف میں مشغول تھے کہ اطلاع ہوئی کہ سلطان ابراہیم اپنے خوانین اور اُمرا کو ساتھ لے کر آ رہا ہے ، جب یہ لوگ مسجد کے دروازے پر پہنچے تو قاضی شہاب الدین نے سلطان سے عرض کیا کہ حضرت کی خدمت میں اتنے اژدہام کو ساتھ لے کر جانا مناسب نہیں ، اُن کو تکلیف ہوگی ، سلطان سواری سے نیچے اُترا ، اور ان لوگوں میں سے جو اس کے ساتھ تھے بیس اہل علم و اہل فراست کو منتخب کر کے قدم بوسی کی سعادت حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوا اور آپ کا دل موہنے کے لیے حد سے زیادہ آپ کی تعظیم و توقیر بجا لایا ، اس نے اُس زمانے میں قلعۂ جنادہ کی فتح کے لیے ایک لشکر بھیجا تھا ، جس کے متعلق وہ متفکر تھا ، اُس نے حسب حال حضرت قدوۃالکبریٰ کے سامنے یہ اشعار پڑھے

دلے کان انوار است از جام جمشید
رواں روشن تر از خورشید باشد

چہ حاجت عرض کردن بر ضمیرش
کسے کو را یقیں امید باشد

حضرت قدوۃالکبریٰ نے یہ شعر پڑھا

اگر بہ یقین شد قدمت استوار
گرد ز دریانم از آتش برآر

جب سلطان واپس جانے لگا تو آپ نے اسے ایک مسند عطا فرمائی ، جس سے وہ بہت خوش ہوا ، اور جب اپنے محل میں پہنچا تو اس نے کہا :

چہ سیدیست عالی جناب و مقاصد ماب الحمدللہ کہ در ہندوستان چنیں مردم درآمدہ اند

تین دن کے بعد سلطان تھوڑے سے آدمیوں کو ساتھ لے کر پھر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ، روٹی اور شربت ساتھ لایا ، لوگوں نے حضرت قدوۃالکبریٰ کو قلعے کی فتح کی مبارکباد دی لیکن حضرت نے فرمایا سلطان کو مبارکباد دو کہ بند دروازے کو کھولا ہے ، اس دفعہ سلطان کی عقیدت اور بڑھ گئی اور اس نے عرض کیا کہ میں تو آپ کی بیعت کا شرف حاصل کر چکا ہوں ، لیکن میرے لڑکے بھی بیعت میں داخل ہوں گے- اسی روز تینوں شہزادے بیعت میں داخل ہوئے ، سلطان نے نذرانے پیش کرنے کی کوشش کی ، لیکن حضرت نے قبول نہیں فرمایا ، پھر اس نے حضرت سے اصرار کیا کہ آپ یہیں مستقل قیام فرمائیں ، لیکن آپ نے ارشاد فرمایا میں تمھاری سلطنت کے حدود سے باہر نہ جاؤں گا ، حضرت قدوۃالکبریٰ دو مہینے سے زیادہ وھاں ٹھہرے چھوٹے بڑے لوگ حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے[۱] -

جونپور سے روانہ ہو کر آپ بھدونڈ پہنچے وھاں ملک الامراء محمود نے آپ کا شاندار استقبال کیا، یہیں ایک ھندو جوگی سے آپ کا مقابلہ ھوا ، اور وہ آپ کی روحانیت سے اس قدر متاثر ھوا کہ اپنی ساری مذھبی کتابوں کو جلا کر اپنے پانچ ہزار چیلوں کے ساتھ مسلمان ھوا، اس جوگی کے مسلمان ھونے کے بعد ملک الامراء محمود نے اپنے لڑکوں اور دوسرے لوگوں کے ساتھ آپ سے بیعت کی ، اور اسی کی وجہ سے روح آباد ، آباد ھوا جو آج کل کچھوچھ کہلاتا ھے ، یہاں ایک خانقاہ بنائی گئی ، جو کثرت آباد کے نام سے موسوم ھوئی ، ایک چھوٹا سا حجرہ بھی بنایا گیا

---

۱ - لطائف اشرفی جلد ۲ ، ص ۱۰۶ — ۱۰۵

جس کا نام وحدت آباد رکھا گیا ، اس حجرے کے مشرق حصے میں ایک جگہ بیٹھ کر حضرت اشرف جہانگیر سمنانی عرفان و تصوف کے مسائل بیان فرماتے تھے ، اس جگہ کا نام دارالامان رکھا گیا ، اس کے شمالی جانب ایک پر رونق جگہ کو ''روح افزا'' کا نام دیا گیا ، جہاں بزرگان دین آپ سے روحانی فیض حاصل کرتے تھے[1]، کچھوچھہ ھی میں آپ نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا ، آپ مختلف مقامات پر جا کر ارشاد و ہدایت فرماتے تھے ، اور دور دور کے قصبات و دیہات میں جا کر لوگوں کی باطنی اصلاح و تربیت فرماتے تھے ، جب اس سلسلے میں اودھ تشریف لے گئے تو خود وہاں کے حاکم نواب سیف خاں نے بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا[2] ، وہیں حضرت شمس الدین نے جو اپنے وقت کے یگانۂ روزگار علماء میں شمار ہوتے ہیں حضرت اشرف جہانگیر کی خدمت میں سلوک و عرفان کے اعلیٰ منازل طے کئے ، ان کا شمار آپ کے اجل خلفاء میں ہوتا ہے ، انہیں کے متعلق حضرت سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی فرمایا کرتے تھے[3] -

اشرف شمس و شمس اشرف از ہم جدا نہ اند

ردولی میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی[4] کے دادا شیخ صفی الدین[5]

---

۱ - لطائف اشرفی جلد ۱ ، ص ۱۰۸

۲ - ایضاً جلد ۱ ، ص ۳۱۱

۳ - ایضاً ص ۳۰۲

۴ - شیخ عبدالقدس گنگوھی کے والد کا نام شیخ اسمٰعیل اور دادا کا نام قاضی صفی الدین دانشمند تھا ، آپ کا سلسلۂ نسب ۲۳ واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہ سے جا ملتا ہے ، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوھی ، حضرت شیخ محمد ردولوی کے مرید اور ممتاز خلفاء میں تھے ، سلسلۂ چشتیہ صابریہ میں جو عظمت و شہرت حضرت شیخ کو حاصل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ، اذکار الابرار میں ہے کہ شیخ عبد القدوس گنگوھی کی ولادت ۸۶۰ھ—۱۴۵۵ء بہلول لودھی

(باقی حاشیہ صفہ ۲۹۵ پر)

۵ - حاشیہ صفحہ ۲۹۷ پر

(صفحہ ۲۹۴ کا بقیہ حاشیہ)
کے عہد میں ردولی ضلع بارہ بنکی میں ہوئی ، آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور خیالات کے ارتقا میں آپ کے والد ماجد حضرت شیخ اسماعیل کا بڑا حصہ ہے۔

شیخ عبد القدوس گنگوہی ابتداً ردولی ضلع بارہ بنکی میں مقیم تھے ،جب ردولی کے حالات خراب ہوئے اور کفار کا غلبہ ہوا ، اشعار اسلام مٹائے گئے ، یہاں تک کہ سؤر کا گوشت بازاروں میں فروخت ہونے لگا تو آپ ترک وطن کر کے شاہ آباد تشریف لائے ، جہاں آپ نے اڑتیس سال تک رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا ، جب افغانوں کی حکومت ختم ہوئی اور ہندوستان میں بابر کا تسلط ہوا ، اور شاہ آباد ویران و برباد ہوا تو آپ اپنے اہل و عیال کے ساتھ ۹۳۷ھ — ۱۵۳۰ء میں قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یو پی) تشریف لائے ، اور سلطان ابراہیم لودھی کی ہزیمت سے پہلے آپ نے ایک سال پہلے گنگوہ کو اپنا وطن بنا لیا۔

حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی ابتداً، سیاست میں حصہ نہ لیتے تھے ، لیکن حالات کے لحاظ سے بعد میں آپ کو سیاست میں حصہ لینا پڑا ، آپ نے اس دور کے سلاطین سے ربط قائم کیا ، آپ کے مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سکندر لودھی اور بابر جیسے شاہان وقت کو خطوط لکھے ، جن میں ان کو غم خواری خلق ، علماء کا احترام ، عدل و انصاف اور احکام شریعت کی پابندی کی طرف توجہ دلائی۔

گلزار ابرار میں ہے کہ کہتے ہیں کہ ۹۳۶ھ میں سلطان نصیر الدین ہمایوں شاہ خراسان اور ہند کے عالموں اور عارفوں کی ایک جماعت ساتھ لے کر استفادے کے ارادے سے آپ کی ملازمت میں حاضر ہوتا تھا ، اس جماعت میں مولانا محمد فرغلی اور مولانا جلال تتہ جیسے با خدا لوگ ہوتے تھے ، اس وقت روحانی اور ربانی انجمن گرم
(باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۶ پر)

ہے اور شیخ سماءالدین ردولوی نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر خرقۂ خلافت حاصل کیا ، جب آپ آسومئو میں تشریف لائے تو وہاں ایک ہزار آدمی آپ کی حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے ، جائس پہنچے تو تقریباً تین ہزار آدمی آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے ، وہیں مولانا غلام الدین نے جو ایک متبحر عالم تھے روحانی تعلیم پا کر آپ سے خلافت حاصل کی ۔ یہیں حضرت شیخ کمال حضرت سید اشرف جہانگیر کے ایک اور خلیفہ بھی رہتے تھے ، وہاں سے قصبہ انہونہ تشریف لے گئے وہاں کے

---

(صفحہ ۲۹۵ کا بقیہ حاشیہ)

ہوا کرتی تھی ، اور جو مشکلات کسی فن میں پیش آیا کرتی تھیں یا سلطان کے سوا جس کسی کو بھی تصوف کے حقائق اور طریقت کے سلوک میں دشواریاں ہوا کرتی تھیں ، اور جو مشکلات کسی فن میں پیش آیا کرتی تھیں وہ آپ کی تقریر اور تلقین سے صاف ہو جاتی تھیں ۔ (اردو ترجمہ گلزار ابرار ۔ ص ۲۲۹)

صاحب گلزار ابرار نے اس واقعہ کا جو سنہ دیا ہے ، اس میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سہو ہوا ہے ، اس لیے کہ آپ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین نے اپنی کتاب میں آپ کا سنہ وفات ۹۴۴ھ لکھا ہے ، لیکن جہاں تک ہمایوں کی حاضری کا تعلق ہے ، یہ واقعہ صحیح ہے ، اور ہمیں اس کا ذکر سیر المتاخرین اور دوسری تاریخوں میں بھی ملتا ہے ۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے ۲۳ جمادی الاخری ۹۴۴ھ — ۱۵۳۷ء کو اس دار فنا سے ، دار بقا کی طرف رحلت فرمائی ، آپ کا مزار مبارک قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یو پی) میں زیارت گاہ خاص و عام ہے ۔ یہ راقم الحروف بھی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کی اولاد سے ہے ۔ (ماخوذ از لطائف قدوسی ، اخبار الاخیار تاریخ مشائخ چشت ، آپ کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے کتاب شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات شائع کردہ آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی)

تمام سادات نے آپ سے بیعت کی سعادت حاصل کی ، وھاں سے سدھورہ تشریف لائے ، وھاں شیخ خیرالدین اور قاضی محمد سدھوری نے بیعت کی سعادت حاصل کی ، ان دونوں کا شمار آپ کے اکابر خلفاء میں ھوتا ھے ، سدھورہ کے ایک اور بزرگ قاضی ابو محمد عرف معین مہین بھی آپ سے روحانی فیض حاصل کر کے آپ کے خلیفہ ھوئے ۱ -

---

(صفحہ ۲۹۳ کا حاشیہ)

۵ - شیخ صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین ردولوی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ کی اولاد میں تھے ، تمام تذکرہ نویس اس پر متفق ھیں کہ وہ اپنے علم و فضل زھد و تقویٰ اور کمال معنویت میں اس دور میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ، ان کے دادا شیخ نظام الدین ساتویں صدی ھجری میں اپنے فرزند شیخ نصیر الدین کے ساتھ دھلی تشریف لائے ، اور چند روز رہ کر دھلی سے ترک سکونت کر کے جون پور میں آ کر آباد ھوئے ، یہیں شیخ نظام الدین نے اپنے صاحبزادے شیخ نصیرالدین کا عقد قاضی شہاب‌الدین دولت آبادی کی صاحبزادی سے کر دیا ، شیخ نصیر الدین کے سب سے بڑے صاحبزادے شیخ صفی الدین تھے ، شیخ صفی الدین نے تحصیل علم کے بعد درس و تدریس کے ساتھ تالیف و تصنیف پر بھی توجہ دی - آن کی تصانیف میں دستور المبتدی ، حل ترکیب کا فیہ ، جس کا نام شرح صفی تھا ، اور غایۃ التحقیق کا تذکرہ ھمیں آن کے تذکرے انوارالصفی میں ملتا ھے -

آن کی علمی جلالت کا اندازہ اس سے ھوتا ھے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی فرمایا کرتے تھے کہ میں نے ھندوستان کے تمام شہروں میں شیخ صفی الدین سے زیادہ علوم و فنون سے آراستہ کسی کو نہیں پایا - جب حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی ردولی تشریف لائے تو شیخ صفی الدین آپ کی خدمت میں حاضر ھوئے ،

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۹۸ پر)

۱ - لطائف اشرفی - جلد ۱ - ص ۲۰۷

ایک دفعہ آپ بنارس تشریف لے گئے ، وہاں کے بت خانوں کے پجاریوں سے آپ کے مناظرے ہوئے ، آخر میں ایک ہزار ہندو آپ کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے ۱۔

حضرت اشرف جہانگیر سمنانی درستیٔ اخلاق اور اتباع شریعت پر بہت زور دیتے تھے ۔ آپ نے جہاں عوام کی اصلاح باطن اور تزکیۂ اخلاق کی کوشش کی ، وہیں آپ نے اس دور کے فرمانرواؤں اور امراء کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی ۔

ایک دفعہ فرمایا کہ فرمانروائی کو چار چیزیں نقصان پہنچاتی ہیں : ۱ ۔ فرمانرواؤں کا دنیوی لذتوں میں مستغرق ہو جانا ۲ ۔ اپنے مصاحبین کے ساتھ بداخلاقی سے پیش آنا ۳ ۔ سزا دینے میں زیادتی کرنا ۴ ۔ رعیت پر ظلم کرنا ۔ ۲ ۔

بادشاہوں کو اوقات کی ترتیب اور روزمرہ کے مشاغل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا :

"بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز

---

(صفحہ ۲۹۷ کا بقیہ حاشیہ)

آپ بڑی محبت اور شفقت سے پیش آئے ، اور فرمایا ۔ بابا صفی صفا آوردی ، آؤ اور اپنا مقصد حاصل کرو ! شیخ صفی‌الدین فوراً آٹھے اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی ، مرید کرنے کے بعد حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی نے آن کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا ، اور مبارکباد دی ۔

شیخ صفی الدین ۱۳ ذیقعدہ ۸۱۹ھ — ۱۴۱۶ء کو واصل الی اللہ ہوئے ۔

(ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیات ۔ ص ۱۵۲ تا ۱۶۲ و نزھۃ الخواطر جلد ۳ ۔ ص ۸۹ — ۹۰)

۱ ۔ لطائف اشرفی ۔ جلد ۱ صفحہ ۳۱۲

۲ ۔ لطائف اشرفی ۔ جلد ۱ صفحہ ۱۶۶

ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں ، پھر علماء اور صلحاء سے ملیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآن مجید کی آیتوں کے مطالب پوچھیں ، اور اسی جگہ اپنے وزیروں اور ندیموں کو بلائیں ، اور یہ لوگ فوجوں کے جو معروضات پیش کریں ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو ، جس میں مسلمانوں کے مقدمات اور قضایہ پیش ہوں ، اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔''

پھر اور ہدایات دینے کے بعد ارشاد فرمایا :

''قیلولے کے وقت آرام کے لیے چلے جائیں ، قیلولے کے بعد نماز پڑھیں ، کبھی نماز نہ چھوڑیں ، ظہر کی نماز کے بعد جس قدر ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت کریں ، خصوصاً سورہ قدسمع اللہ پر مداومت کریں ، کیونکہ تمام نیک بادشاہ اس سورہ کو مواظبت سے پڑھتے تھے، سلطان محمود غازی اناءاللہ برھانہ پابندی سے اس سورہ کو پڑھا کرتے تھے، سلطان ابراہیم شاہ بھی ایسا ہی کرتے تھے ، جب خود میں نے سلطنت چھوڑی تو پہلی بات جو میں نے اپنے عزیز بھائی محمد شاہ سے کہی تھی ، وہ یہ تھی کہ اس سورہ کی پابندی سے تلاوت کریں ، اور رجال الغیب کے مقابلے سے اجتناب کریں ، اور کوئی کام شریعت کے خلاف انجام نہ دیں ، اور عدل و انصاف میں ذرہ برابر بھی منحرف نہ ہوں ، تاکہ سلطنت میں خلل نہ پڑے[1] -

ایک ملفوظ میں ارشاد فرمایا کہ :

''مشائخ ہمیشہ کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے، اور دل و جان سے اس کی طرف بڑھتے تھے ، قدیم علماء اور صوفیہ بھی پیشوں میں مشغول رہتے تھے ، اور ان پیشوں کو اپنے لیے باعث عزت سمجھتے تھے ، ہندوستان میں پیشے بری عادت سمجھے جاتے ہیں ، اسی وجہ سے لوگ فقیری اور محتاجی میں مبتلا ہیں ، لیکن یہ نہیں سمجھتے

---

۱ - لطائف اشرفی - جلد ۲ ص ۱۶۷ — ۱۶۸

کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشے کی طرف منسوب ھیں ، اس لیے پیشے کی توھین کرنا ایک قسم کا کفر ھے ، لوگوں نے کہا ھے کہ جو لوگ توکل کے آخری درجے تک نہیں پہنچے اگر وہ پیشے میں مشغول رھیں تو ان کے لیے جائز و لازم ھے ۱ ۔

اتباع رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر زور دیتے ھوئے فرمایا :

اولیاءاللہ خواہ وہ غوث ھوں یا اماسان، اوتاد ھوں یا ابدال ، اخیار ھوں یا ابرار ، نقباء ھوں یا نخباء ، مکتومان ھوں یا مفردات وہ اس وقت تک فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے ، جب تک کہ وہ ظاھراً ، باطناً ، قولاً و فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متبع نہ ھوں ۔"

ایک اور جگہ پر فرمایا :

"جس کسی نے بھی اس جماعت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی روش کے خلاف اور غیر متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا طریقہ اختیار کیا ھے وہ مقصود کو نہیں پہنچا ھے ۔"

کچھوچھ میں کچھ دن قیام فرمانے کے بعد حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی شیخ بدیع الدین مدار کے ساتھ حج کے لیے تشریف لے گئے ، شیخ بدیع الدین مدار تو واپس آ گئے ، لیکن حضرت اشرف جہانگیر سمنانی مدینۂ منورہ حاضر ھوئے، پھر کربلائے معلیٰ گئے پھر روم آئے اور وھاں مولانا جلال الدین رومی۲ کے صاجزادے سلطان ولد کی زیارت

---

۱ ۔ لطائف اشرفی ۔ جلد ۲ ۔ ص ۲۴۳

۲ ۔ آپ کا اسم گرامی محمد جلال الدین تھا لیکن مولانا روم کے نام سے مشہور ھیں ۔ جواھر مفید میں آپ کا سلسلۂ نسب اس طرح مذکور ھے ۔

محمد جلال الدین بن محمد بہاءالدین (المتوفی جمعہ ۱۸ ربیع الثانی ۶۶۸ھ ــ ۱۲۳۰ء) بن محمد بن حسین بلخی بن احمد بن قاسم بن مسیب بن

باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۱ پر

(صفحہ ۳۰۰ کا بقیہ حاشیہ)

بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن حضرت ابوبکر صدیق رض ۔

سلطان محمد خوارزم شاہ (متوفی ۶۱۷ھ) مولانا روم کی والدہ کے دادا تھے ۔

مولانا روم ۶۰۴ھ میں بلخ میں پیدا ہوئے ، اور روز یکشنبہ ۵ جمادی الثانی ۶۸۲ھ — ۱۲۸۳ء بوقت غروب آفتاب آپ نے وفات پائی، شیخ سعید فرغانی نے ایک دفعہ مولانا روم کے فضائل و مناقب بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگر بایزید اور جنید اس عہد میں ہوتے تو وہ مردانہ وار مولانا روم کا دامن پکڑتے ، اور آن کا احسان اپنے اوپر لیتے ۔ وہ فقر محمدی کے خوان کے سالار ہیں ، اور ہم آن کے طفیل میں ذوق حاصل کرتے ہیں ۔

مولانا روم نے دو صاحبزادے چھوڑے، ایک کا نام علاءالدین محمد تھا ، اور دوسرے صاحبزادے کا نام سلطان ولد تھا ، سلطان علاءالدین نے ۷۱۲ھ — ۱۳۱۱ء میں وفات پائی ۔

مولانا روم کی تین تصانیف ہیں ، جن کے نام یہ ہیں :

(۱) فیہ مافیہ:— یہ آپ کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے کہ جو آپ نے معین الدین پروانہ کے نام لکھے تھے ۔

(۲) دیوان :— یہ آپ کے اشعار کا مجموعہ ہے ، جو کم و بیش پانچ ہزار اشعار پر مشتمل ہے اور غلطی سے حضرت شمس تبریز کے نام سے مشہور ہو گیا ہے ۔

(۳) مثنوی مولانا روم :— جو سارے عالم میں مشہور ہے اور چھ دفاتر پر مشتمل ہے ۔

(فٹ نوٹ مقالات الشعراء نمبر (۲) صفحہ ۷۰ھ و نفحات الانس ۳۰۹ تا ۳۱۳ھ)

۳ ۔ سلطان ولد جو بہاءالدین کے نام سے بھی مشہور ہیں مولانا روم کے چھوٹے صاحبزادے تھے ، وہ ایک عرصے تک سید برھان الدین

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۲ پر)

(صفحہ ۳۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

اور شیخ شمس الدین تبریزی کی خدمت بجا لاتے رہے ۔ اور اپنے خسر شیخ صلاح الدین سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ۔ اور حضرت چلپی حسام الدین کو اپنے والد کے قائم مقام اور خلیفہ سمجھتے تھے ۔ سالہا سال تک وہ اپنے والد کے کلام کی توضیحات نہایت فصیح و بلیغ طریقے پر بیان کرتے رہے ۔ اُن کی خود بھی ایک مثنوی حدیقۂ ثنائی کے وزن پر ھے ۔ جس میں اُنھوں نے بہت سے معارف و اسرار درج کئے ھیں ۔ مولانا روم ان کے متعلق فرمایا کرتے کہ تم بہت زیادہ سیرت و صورت میں مجھ سے مشابہ ھو ، کہتے ھیں کہ مولانا روم نے اپنے مدرسے میں جلی قلم سے لکھا تھا کہ ھمارا بہاءالدین نیک بخت ھے ، خوش جئے گا اور خوش مرے گا ، کہتے ھیں کہ آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ بہاءالدین! ھمارا اس دنیا میں آنا تمھارے ظہور کے لیے تھا ۔''

سلطان ولد کو ایک مرتبہ مولانا روم نے نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ بہاءالدین! اگر تم چاھتے ھو کہ ھمیشہ بہشت بریں میں رھو تو ھر ایک کے دوست بنو ، کسی سے کینہ دل میں نہ رکھو ، پھر آپ نے یہ رباعی پڑھی :—

پیشی طلبی زھیچ کس پیش مباش
چو مرھم و موم باش، چوں نیش مباش

خواھی کہ زھیچک بتو بد نرسد
بدگوی و بد آموز و بداندیش مباش

پھر فرمایا کہ تمام انبیاء علیھم السلام نے ایسا ھی کیا ھے ، اور اس سیرت کو عمل میں لا کر تمام عالم کو اپنے اخلاق سے مغلوب کیا ھے ۔

سلطان ولد نے ہفتہ کی رات میں ۱۰ رجب ۷۱۲ھ ۱۳۱۲ء کو
( باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۳ پر )

کی جو اُس وقت وہاں سجادہ تھے، پھر شام تشریف لائے، اور دمشق میں شیخ فخرالدین عراقی[۱] کی زیارت سے مشرف ہوئے، وہاں سے مکہ معظمہ

---

(صفحہ ۳۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

وفات پائی، وفات کی رات میں پہلے یہ شعر اُن کی زبان پر تھا:

امشب شب آنست کہ بینم شادی
دریابم از خدائے خود آزادی

(ماخوذ از نفحات الانس - ص - ۳۱۸ تا ۳۱۹ - نولکشور ایڈیشن)

۱ - شیخ فخرالدین عراقی حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے جلیل القدر خلفاء میں ہیں، اور بحیثیت شاعر شعرائے متقدمین میں بڑی عظمت رکھتے ہیں، وہ نواح ہمدان کے رہنے والے تھے، اور شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے بھانجے تھے، ۱۷ سال کی عمر میں وہ ہمدان سے ملتان آئے، اور حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کی مریدی اور دامادی سے مشرف ہوئے۔ اور اپنے شیخ کی خدمت میں بیس سال رہ کر خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کی وفات کے بعد خانقاہ کے بعض درویشوں نے حسد کی بنا پر حاکم وقت سے شکایت کی کہ ان کا زیادہ وقت شاعری میں گزرتا ہے، آخر حاسدوں سے دل تنگ ہوکر آپ حجاز روانہ ہو گئے، اور حج وزیارت سے فارغ ہو کر روم چلے گئے اور شیخ صدرالدین رومی سے وابستہ ہو گئے، ان کی خدمت میں رہ کر نعمت باطنی حاصل کی، اور وہیں اپنی مشہور کتاب لمعات تصنیف کی، اور شیخ صدرالدین کی خدمت میں پیش کی، شیخ صدرالدین نے اُسے پسند فرمایا اور تعریف کی۔

شیخ فخرالدین عراقی ۸ ذیقعدہ ۶۸۸ھ — ۱۲۹۰ء میں واصل الی اللہ ہوئے، اور شیخ محی الدین ابن عربی کے مزار کے عقب میں مدفون ہوئے۔

ان کی تصانیف میں لمعات، اور ان کا دیوان، دیوان عراقی مشہور ہے۔ (ماخوذ از خزینۃ الاصفیا - جلد دوم - ص ۳۲ تا ۳۳)

آ کر دوبارہ حج کی سعادت حاصل کی ، حج کے بعد بغداد حاضر ہوئے ، اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی۱ ، امام ابو حنیفہ۲ اور امام احمد بن حنبل۳

---

۱ - آپ کا اسم گرامی عبدالقادر ، لقب محی الدین ، کنیت ابو محمد اور عرف غوث اعظم تھا - آپ کی ولادت باسعادت یکم رمضان ۴۷۱ھ کو قصبۂ جیل میں ہوئی ، جس کو جیلان اور گیلان بھی کہتے ہیں - آپ کے والد کا اسم گرامی سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست ، اور والدہ کا نام اُم الخیر امة الجبار فاطمه تھا ، آپ کا سلسلۂ نسب والد کی طرف سے حضرت امام حسن اور والدہ کی طرف سے حضرت امام حسین سے جا ملتا ہے ، اس طرح آپ نسباً حسنی و حسینی سید ہیں ، ۴۸۸ھ میں آپ بغداد پہنچے ، اور وہاں کے اکابر علماء و شیوخ سے علوم دینیه کی تکمیل کی ، اور علوم ظاهری میں بھی وہ شہرت اور ناموری حاصل کی کہ علمائے زمانہ سے سبقت لے گئے - پھر آپ علم طریقت کی طرف متوجہ ہوئے ، اور ایک طویل عرصے تک ریاضتیں اور مجاهدے کرتے رہے - فرمایا کرتے تھے کہ میں پچیس سال تک عراق کے بیابانوں اور جنگلوں میں پھرتا رہا ، نہ میں لوگوں کو جانتا تھا اور نہ لوگ مجھے پہچانتے تھے ، ایک دفعہ شیخ ابوالعباس بن یحیٰی بغدادی سے فرمایا کہ چالیس سال مجھ پر ایسے گزرے ہیں کہ میں عشا کی وضو سے صبح کی نماز پڑھتا تھا ، ان ریاضتوں اور مجاهدوں کے بعد آپ نے حضرت شیخ ابو سعید مبارک مخرمی کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور شیخ ابوسعید نے آپ کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا - پھر آپ بغداد میں درس و تدریس ، افتاء و وعظ میں مصروف ہو گئے ، آپ کی تبلیغ سے پانچ ہزار سے زیادہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اسلام قبول کیا ، اور ایک لاکھ سے زائد فساق و فجار ، چور و رهزن اور بد اعتقاد لوگوں نے آپ کے مواعظ و نصائح سے متاثر ہو کر توبہ کی -

(باقی حاشیه صفحه ۳۰۵ پر)

(صفحہ ۳۰۴ کا بقیہ حاشیہ)

۱۱ ربیع الثانی ۵۶۱ھ — ۱۱۶۵ء کو جب کہ آپ کی عمر ۹۱ سال کی تھی آپ واصل الی اللہ ہوئے، بغداد میں حضرت غوث اعظم کا روضہ مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سلسلۂ قادریہ آپ ہی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ آپ کی تصانیف میں غوث الطالبین، فتوح الغیب، فتح ربانی، قصیدہ غوثیہ، مکتوبات اور آپ کا دیوان مشہور ہے۔

(ماخوذ از اخبارالاخیار و قلائد الجواہر وبہجۃ الاسرار)

۲ - آپ کی کنیت ابوحنیفہ، لقب امام اعظم اور نام نعمان بن ثابت ہے۔ آپ کی ولادت باسعادت ۸۰ھ میں ہوئی آپ کا شمار تابعین میں ہے، ائمہ اربعہ میں آپ پہلے امام مشہور ہیں، امام جعفر صادق سے آپ کو شرف صحبت حاصل رہا ہے اور آپ سات صحابۂ کرام کی زیارت سے بھی مشرف ہوئے ہیں۔ حضرت انس بن مالک رض، جابر بن عبداللہ رض عبداللہ بن انس رض، عبداللہ بن ابی رض، عبداللہ بن حارث رض، معقل بن لیسا، واثلہ بن اسقع رض، اور ان بزرگوں سے آپ نے روایات کی ہیں، اور آپ کے شاگردوں میں فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادھم، بشرحافی، داؤد طائی، اور صاحبین امام ابو یوسف اور امام محمد مشہور ہیں۔

آپ کا شجرۂ نسب قدیم کتابوں میں اس طرح مذکور ہے:
امام ابو حنیفہ نعمان کوفی بن ثابت، بن قیس، بن یزد جرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیروان عادل۔

حضرت امام ابوحنیفہ نے ۱۵۰ھ — ۷۶۷ء میں وفات پائی، آپ کا مزار مبارک بغداد میں مرجع خلائق ہے:
(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء۔ تذکرہ حضرت امام اعظم و خزینۃ الاصفیا جلد اول۔ ص ۴۳ - ۴۴ - ۴۶)

۳ - امام احمد بن حنبل کی کنیت ابو محمد اور ابو عبداللہ، نام محمد بن محمد بن حنبل ہے، آپ چوتھے امام ہیں اور امام شافی رحمۃاللہ علیہ کے تلامذہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۶ پر)

کے مزارات کی زیارت سے مشرف ہوئے ، پھر کاشان تشریف لائے ، جہاں شیخ عبد الرزاق کاشانی سے ملاقات کی ، کاشان سے اپنے وطن سمنان واپس آئے اور اپنی بہن سے مل کر ان کی دلجوئی کی ، وہاں سے مشہد مقدس روانہ ہوئے ، اور حضرت امام علی رضا کے روضے پرمعتکف ہوئے ، اسی زمانے میں امیر تیمور بھی حضرت امام علی رضا[1] کے مزار کی زیارت کے لیے آیا ہوا تھا ، جو بڑی عقیدت سے آپ سے ملا ، اس کے بعد آپ ہرات تشریف لائے ، وہاں سے قندھار ، غزنی ، کابل اور بخارا ہوتے ہوئے ماوراء النہر پہنچے ، اور حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند[2] کی زیارت سے مشرف ہوئے ، اور

---

(صفحہ ۳۰۵ کا بقیہ حاشیہ)

ہیں ، آپ کی ولادت با سعادت ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی ، آپ نے ۱۲ ربیع الاول بروز جمعہ بوقت چاشت ۲۴۱ھ میں بغداد میں وفات پائی -

(ماخوذ از سفینۃالاولیاء - تذکرہ حضرت امام احمد بن حنبل و خزینۃ الا صفیاء - جلد اول - ص ۶۴ تا ۶۶)

۱ - امام علی رضا ، آٹھویں امام ہیں، جو امام موسیٰ کاظم کے صاحبزادے ہیں ، آپ کی کنیت ابوالحسن ہے ، امام علی رضا مدینہ طیبہ میں بروز پنجشنبہ ۱۱ ربیع الآخر ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے ، اور ۹ رمضان ۲۰۸ھ کو آپ نے طوس کے قریب قصبہ سنایا میں وفات پائی ، آپ کا مزار مشہد میں ہے -

(ماخوذ از خزینۃ الاصفیاء - جلد اول - ص ۵۲ - ۶۰)

۲ - خواجہ بہاءالدین نقشبند کا اسم گرامی محمد بن محمد بخاری ہے ، آپ سلسلۂ نقشبندیہ کے سرتاج ہیں ، آپ کو خواجہ محمد بابا سماسی نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا تھا ، اور آپ نے میر سید کلال سے مرید ہو کر سلوک کی منزلیں طے کی تھیں ، نقشبند کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ اور آپ کے والد دونوں کمخواب کے کپڑے بنتے اور ان پر نقوش بناتے تھے ، اس لیے آپ کا سلسلہ نقشبندیہ

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۷ پر)

نقشبندیہ سلسلہ میں ان سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ، وہاں سے ترکستان پہنچے اور حضرت شیخ احمد یسوی کے صاحبزادوں کی ملاقات سے مشرف ہوئے ، پھر قندھار ، غزنی اور کابل ہوتے ہوئے ملتان تشریف لائے اور اجودھن حاضر ہو کر حضرت بابا فرید گنج شکر کے مزار مبارک کی زیارت سے مشرف ہوئے ، اس کے بعد دھلی تشریف لائے اور دھلی سے اجمیر حاضر ہو کر خواجۂ بزرگ خواجہ معین‌الدین اجمیری[1] کے آستانۂ

---

(صفحہ ۳۰۶ کا بقیہ حاشیہ)

کہلایا ، خواجہ بہاءالدین نے دو شنبہ کی شب میں ۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ — ۱۳۸۸ء میں وفات پائی - (نفحات‌الانس - ص ۳۴۵ - ۳۴۹)

۱ - ہند و پاکستان میں سلسلۂ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ معین الدین اجمیری سجستان میں پیدا ہوئے ، ابھی پندرہ ھی سال کے تھے کہ آپ کے والد کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا ، آپ کے والد نے ایک باغ اور ایک پن‌چکی ورثے میں چھوڑی ، جس کی آمدنی سے آپ گزر اوقات کرتے تھے ، ایک روز آپ اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے کہ ایک قلندر ابراھیم قندوزی نامی آپ کے باغ میں آئے ، آپ نے اُن کا خیر مقدم کیا ، اور ایک سایہ دار درخت کے نیچے ان کو بٹھایا ، اور انگوروں کا ایک خوشہ اُن کے سامنے رکھا ، ابراھیم قندوزی نے کچھ انگور کھائے ، اور آپ کی مہمان نوازی سے خوش ہوکر کھلی کا ایک ٹکڑا اپنی بغل میں سے نکالا ، اسے چبا کر آپ کے منہ میں دیا ، آپ کے تذکرہ نگاروں کا بیان ھے کہ اس کے کھاتے ھی دل زھد و ارتقا کی طرف مائل ھو گیا ، اور تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ فروخت کر کے اس کی قیمت مساکین میں تقسیم کردی ، اور خود سمرقند کی راہ لی ، ایک طویل عرصے تک آپ سمر قند میں حفظ قران مجید اور تحصیل علم کرتے رھے ، اس کے بعد آپ عراق روانہ ھوئے ، راستے میں قصبۂ ھارون میں جو نیشارپور کے نواح میں ھے آپ خواجہ عثمان ھارونی کی خدمت میں

( باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۸ پر)

(صفحہ ۳۰۷ کا بقیہ حاشیہ)
حاضر ہوئے ، اور ایک طویل عرصے تک آن کی خدمت میں رہے ، اور آن کے دست حق پرست پر بیعت کی ، اور مختلف ریاضتوں کے بعد حضرت شیخ عثمان ھارونی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا ۔ صاحب سیرالعارفین کا بیان ھے کہ خواجہ صاحب شیخ عثمان ھارونی کی خدمت میں ڈھائی سال رہے اور ریاضتوں اور مجاھدوں میں زندگی بسر کی ، سیرالاولیا ، سیر الاقطاب ، اخبارالاخیار ، مونس‌الارواح اور سفینۃ الاولیاء میں ھے کہ بیس سال اپنے مرشد کی خدمت میں رہے ، اس عرصے میں دس سال اپنے پیر و مرشد کے ساتھ سیاحت میں بسر کئے ، سفر میں مرشد کی خدمت کا اس قدر اہتمام تھا کہ مرشد کا بستر اور دوسری ضروری چیزیں اپنے سر پر رکھ کر چلتے تھے ۔ اپنے مرشد کے ساتھ ھی مدینۂ منورہ اور مکۂ معظمہ حاضر ہوئے ۔ مدینۂ منورہ ھی میں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے آپ کو ھندوستان جانے کی بشارت ملی ، آپ مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے غزنی پہنچے ، آپ کے ملفوظات دلیل العارفین میں ھے کہ ایک روز آپ عارف کی صفات بیان فرما رہے تھے کہ یکایک آبدیدہ ھو کر فرمایا میں اب اس مقام کی طرف سفر کرتا ھوں جہاں میرا مدفن ھے یعنی اجمیر ، پھر ھر شخص کو رخصت کیا ، لیکن خواجہ قطب‌الدین بختیار کاکی کو ساتھ چلنے کا حکم دیا ، پہلے آپ لاھور پہنچے ، مشہور ھے کہ یہاں آپ نے حضرت داتا گنج بخش کے مزار پر چلہ کشی کی ، لاھور سے آپ ملتان تشریف لائے ، جہاں آپ نے طویل قیام کر کے ھندوستانی زبانوں میں مہارتِ تامہ حاصل کی ، اس کے بعد آپ دھلی تشریف لائے ، دھلی میں کچھ دن قیام کر کے آپ نے اجمیر کا رخ کیا ۔ ۱۰ محرم ۵۶۱ھ — ۱۱۶۵ء کو آپ اجمیر پہنچے ، اس وقت اجمیر اور دھلی کا حکمراں رائے پتھورا تھا ، اور اجمیر اس کی راجدھانی تھا ، راجا پتھورا نے آپ کے قیام میں بڑی بڑی زحمتیں پیدا کیں ، لیکن آپ اجمیر میں مقیم ھو کر

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۹ پر)

مبارک کی زیارت کا شرف حاصل کیا ، پھر دکن تشریف لے گئے ، اور گلبرگہ میں حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز سے ملاقات فرمائی ، پھر وہاں سے گجرات آئے ، اور گجرات سے اپنی خانقاہ کچھوچھہ شریف واپس ہوئے ۱ -

پھر دوسری دفعہ سید کبیر سید علی ہمدانی ۲ کے ساتھ ربع مسکون کی سیاحت کی ، اس سفر کی تفصیلات لطائف اشرفی جلد دوم کے لطیفہ

---

(صفحہ ۳۰۸ کا بقیہ حاشیہ)

رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے ، آخر آپ کی تعلیم سے رائے پتھورا کے ملازمین بھی مشرف بہ اسلام ہونے لگے ، یہاں تک کہ ہندوستان و پاکستان آپ کے فیوض و برکات سے منور ہو گیا - ۶ رجب ۶۳۲ھ ۱۲۳۴ء آپ نے رحلت فرمائی -

اجمیر شریف میں آپ کا مزار مبارک زیارت گاہ خاص و عام ہے -
(ماخوذ از بزم صوفیہ - تذکرۂ حضرت خواجہ معین‌الدین)

۱ - خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۳۷۵ - ۳۷۶

۲ - میر سید علی ہمدانی کے والد کا اسم گرامی شہاب‌الدین بن محمد ہے ، آپ شیخ شرف الدین محمود مزدہ کانی کے مرید ہیں ، طریقت کے منازل آپ نے شیخ تقی‌الدین دوستی سے طے کئے جو شیخ علاء الدولہ سمنانی کے مرید تھے ، جب شیخ تقی‌الدین نے وفات پائی تو آپ پھر شیخ شرف الدین کی طرف رجوع ہو گئے ، اور اپنے پیر و مرشد شیخ شرف‌الدین کے فرمانے پر آپ نے تین مرتبہ ربع مسکون کی سیاحت کی ، اور اس سیاحت میں ایک ہزار چار سو اولیاءاللہ سے ملاقات کی ، کشمیر میں اسلام کی ابتدا آپ ھی کی تشریف آوری سے ہوئی ، تواریخ اعظمی میں ہے کہ میر سید علی ہمدانی ۷۸۱ھ — ۱۳۷۹ء میں کشمیر تشریف لائے - آپ نے کشمیر میں محلہ علاء الدین پورہ میں سکونت اختیار کی اور کشمیر
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۰ پر)

سی و پنجم میں ہمیں ملتی ہیں ، اس سفر میں آپ جن جن مقامات پر تشریف لے گئے ان کے نام یہ ہیں ، جزیرہ صہف ، ایلاق ، سیلان ، جبل الفتح ، بیت المقدس ، دمشق ، جبل لبنان ، جبل النہاوند ، جبل الطور ، جبل القدم ، بغداد ، گاذرون ، جبل القاف ، حضلان ، جبل الابواب ، ولایت جھنکر ، ولایت خفچاق جبل القرون ، جبل البه وغیرہ ۔

تیسری مرتبہ آپ آچ حاضر ہوئے اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت جلال بخاری کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے روحانی استفادہ کیا ، حضرت مخدوم جہانیاں نے جو چار سو کاملین سے فیض حاصل کیا تھا وہ سب حضرت جہانگیر سمنانی کے سینے میں منتقل کر دیا ۔

پھر اپنے پیر روشن ضمیر حضرت علاءالحق بنگالی کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے حاضر ہوئے اور بزرگان چشت کے تبرکات لے کر کچھوچھ شریف واپس ہوئے جہاں آخر وقت تک مقیم رہے ۱ ۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے ۲۷ محرم ۸۰۸ھ-۱۴۰۵ء کو وفات پائی آپ کی تاریخ وفات " اشرف المومنین " سے نکلتی ہے ، وفات سے کچھ دن پہلے سکر کا عالم طاری ہو گیا تھا ، نماز کے وقت عالم صحو میں آتے ، لیکن مرض الموت میں بھی رشد و ہدایات کا سلسلہ جاری رہا ۔ زمانۂ مرض الموت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے صاحب لطائف اشرفی لکھتے ہیں :

همه اهالی دیار ، و اعالی نامدار نواحی کبار می آمدند و هر یک را بشارت و سعادت می دادند ، دریں سه روز چنداں خلائق

---

(صفحہ ۳۰۹ کا بقیہ حاشیہ)

کو ارشاد و ہدایت سے منور فرمایا ۔ اور ۷۸۶ھ میں آپ نے کشمیر ہی میں وفات پائی اور ختلان میں مدفون ہوئے ۔

تصوف میں آپ کی حسب ذیل کتابیں مشہور ہیں ۔

(۱) اسرارالنقط ۔ (۲) شرح قصیدہ حمزیہ فارضیہ ۔

(۳) اوراد فتحیہ ۔

(ماخوذ از سفینۃ الاولیاء و خزینۃ الاصفیا ۔ جلد دوم ۔ ۲۹۳ تا ۲۹۶)

۱ ۔ خزینۃ الاصفیاء ۔ جلد اول ۔ ص ۳۷۶ ۔

بشرف توبہ و انابت و خلافت مشرف گشتند کہ شرح آن خدائے داند ، اشرف الملک والیٔ ولایت بدوازدہ ہزار کس آمدہ بشرف ارادت مشرف گشتند[۲]

وفات کے وقت حضرت نورالعین ، شیخ نجم الدین اصفہانی ، شیخ در محمد یتیم ، خواجہ ابوالمکارم ، شیخ احمد ابوالوفا خوارزمی ، شیخ عبدالسلام ہروی ، شیخ ابوالواصل ، شیخ معروف دینوی ، شیخ عبدالرحمان خجندی ، شیخ ابوسعید خرزی ، ملک محمود ، شیخ شمس الدین اودھی[۱] اور دوسرے بزرگوں کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا ، اور انہیں نصائح فرمائے ۔

حضرت سید عبدالرزاق معروف بحضرت نورالعین جنھیں آپ نے اپنا بیٹا بنایا تھا ان کو اپنی جانشینی اور سجادگی سے مفتخر فرمایا ، اور ان کو وہ خرقے دیے جو آپ کو شیخ علاء الحق اور حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت نے عطا فرمائے تھے ۔

وفات کے روز ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد قوالوں کو طلب فرمایا قوالوں نے حضرت سعدی کی یہ غزل گانا شروع کی ، جب انھوں نے یہ شعر پڑھا :

گر بدست تو آمدہ است اجلم
قد رضینا بما جری القلم

اس شعر پر آپ پر وجد کی کیفیت طاری ہوئی ، پھر جب قوالوں نے یہ اشعار گائے :

---

۲ - لطائف اشرفی - جلد ۲ - ص ۸ ۳۰ -

۱ - شیخ شمس الدین بن نظام الدین الصدیق اودھی مشہور شیوخ میں تھے ، جو اودھ میں پیدا ہوئے اور مولانا شمس رفیع الدین اودھی سے تعلیم حاصل کی ، ایک عرصے تک اُن کی خدمت میں رہے پھر حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانی کی خدمت میں رہ کر فیوض باطنی حاصل کیے ، اور انہیں سے بیعت کی (نزھۃ الخواطر ۔ جلد ۳ ۔ ص ۸۰ )

خوب تر زیں دگر نباشد کار
یار خنداں رود بجانب یار

سر بیند جہاں جاناں را
جان سپارد نگار خنداں را

ان اشعار پر تڑپنے لگے ، اور اسی حالت میں واصل الی اللہ ہوئے ، وفات کے وقت آپ کی عمر ایک سو بیس سال کی تھی ، کچھوچھ شریف میں آپ کا مزار پر انوار آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے [۱] -

خلفاء : حضرت اشرف جہانگیر سمنانی کے خلفاء کی تعداد کثیر ہے - آپ کے خلفاء میں سے اکثر صاحب علم و فضل تھے ، آپ کے مشہور خلفاء میں قاضی شہاب الدین دولت آبادی ، شیخ صفی الدین ردولوی ، شیخ سماء الدین ردولوی ، مولانا علم الدین جائسی ، شیخ خیر الدین سدھوروی ، قاضی محمد سدھوروی شیخ سلیمان شیخ معروف دھلوی ، حضرت قاضی حجت ، شیخ الاسلام گجراتی ، شیخ مبارک گجراتی ، شیخ راجا سید عبدالوھاب اور شیخ کبیر مسرور پوری مشہور ھیں -

بعض امراء بھی آپ کے خلیفہ تھے ، ان میں نواب سیف خاں حاکم اودھ ، امیر تیمور کے دو امیر، شیخ ابوالمکارم اور شیخ جمشید بیگ ، ان کے علاوہ ایک اور خلجی امیر شیخ حسین نے غیر معمولی شہرت حاصل کی [۲] -

لطائف اشرفی میں ھے کہ حضرت اشرف جہانگیر سمنانی اپنی وفات سے پہلے ایک رات اور دن قبر میں جا کر رہے ، اور وھیں آپ نے اپنی کیفیات کو قلم بند کیا جن کا نام بشارات المریدین ھے ، صاحب اخبارالاخیار نے آپ کے مکتوبات اور ملفوظات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ھے کہ آپ کے مکتوبات ھیں جو تحقیقات غریبہ پر مشتمل ھیں ، آگے چل کر تحریر فرمایا کہ آن کے ملفوظات بھی ھیں جو آن کے ایک مرید نے جمع کیے تھے -

---

۱ - ماخوذ از لطائف اشرفی جلد ۲ - ص ۳۰۶ - ۳۱۲ -
۲ - لطائف اشرفی جلد ۱ - ص ۳۰۴ -

صاحب اخبارالاخیار نے آپ کا ایک مکتوب بھی نقل کیا ہے، جو آپ نے قاضی شہاب‌الدین دولت آبادی کے نام لکھا تھا جس میں فرعون کے ایمان پر بحث کی گئی ہے، جس کے متعلق شیخ محی‌الدین ابن عربی[1] کی کتاب فصوص الحکم میں اشارہ ملتا ہے[2]

---

۱ - شیخ محی‌الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبد اللہ طانی، حاتمی - اندلسی - ثم‌المکی‌ثم الدمشقی مشہور باین عربی اندلس کے شہر مرسیہ میں ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ — ۱۱۶۴ء کو پیدا ہوئے، آن کا شمار اکابر صوفیائے کرام میں ہوتا ہے، آپ کو خرقے کی نسبت ایک واسطے سے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے حاصل ہے، اور دوسری نسبت خرقہ ولایت‌میں ایک واسطے سے حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہے وہ تعلیم کے لئے مرسیہ سے لسبن آئے، وہاں قران و حدیث و فقہ کی تعلیم حاصل کی، پھر اشبیلیہ چلے گئے، اور وہاں کے مشاہیر سے فیوض حاصل کیے -

سفینۃ‌الاولیاء میں ہے کہ آپ کے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے درمیان جو واسطہ ہے وہ ابو محمد یونس القصار ہاشمی ہیں - دوسری نسبت ایک واسطے سے آپ کو حضرت خضر علیہ السلام سے حاصل ہے، صاحب نفحات الانس نے آپ کا قول‌نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ خود حضرت محی‌الدین ابن عربی کا بیان ہے کہ میں نے یہ خرقہ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع کے ھاتھ سے ۶۰۱ھ — ۱۲۰۴ء میں آن کے باغ میں پہنا جو مقلی میں موصل سے باھر ہے اور ابن جامع نے یہ خرقہ اسی جگہ اور بعینہ اسی صورت سے حضرت خضر علیہ السلام سے پہنا تھا -

حضرت شیخ ابن عربی کی تصانیف کی تعداد پانچ سو سے زائد ہے، آن میں خصوص الحکم اور فتوحات مکیہ بہت مشہور ہیں، کیونکہ شیخ کے نظریات اور عقائد کا نچوڑ انہیں دو کتابوں میں ہے -

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۳ پر)

۲ - اخبار الاخیار ص ۱۶۶

آپ کے ملفوظات میں بعض بعض فقرے آردو کے بھی ملتے ہیں ، جن سے ان بزرگوں کی اردو سے دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے ، اور بنگال میں ابتدائی دور کی آردو کے نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں " بنگال میں آردو" میں وفا راشدی نے آن کے دو ملفوظ نقل کیے ہیں ، جنھیں ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں ، فرمایا : "چھیری کے منہ کھنڈا سہائے" ، چھیری یعنی بکری اور کھنڈ کے معنی ہیں چاول کا چورا ۔

ایک اور موقع پر فرمایا : " سوا لاکھ سپاری بندھوں"[۱] یعنی باندھ

آپ کی جلالت شان اور عظمت روحانی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صاحب اخبارالاخیار شیخ عبدالحق محدث دھلوی نے آپ کی جلالت شان کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

"سید اشرف جہانگیر گویند از کاملان است، صاحب کرامات و تصرفات"[۲]

صاحب خزینۃ الاصفیا آپ کے محامد و مناقب کو بیان کرتے ہوئے ان الفاظ میں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں ۔

از عظمائے اولیاء کبریٰ و اتقیاء خطۂ ہندوستان است مرید و خلیفہ شیخ علاءالدین علاءالحق بنگالی و فیض یافتہ پیران چار خانوادہ است[۳] ۔

صاحب مراۃ الاسرار آپ کے کمالات روحانی کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ :

آں سلطان مملکت الدنیا والدین ، آں سر حلقۂ عارفان ارباب علم و

---

(صفحہ ۲۹۵ کا بقیہ حاشیہ) •

شیخ محی الدین ابن عربی نے جمعہ کی شب میں ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ — ۱۲۴۰ء کو دمشق وفات پائی ، اور جبل قاسیون میں مدفون ہوئے جو آج کل صالحیہ کے نام سے مشہور ہے ۔

(معجم المطبوعات العربیہ ۔ ص ۱۷۵ ۔ نفحات الانس ۔ ص ۴۹۶ و ۵۰۴ و سفینۃ الاولیاء تذکرہ حضرت شیخ محی الدین عربی )

۱ ۔ بنگال میں اردو ، تصنیف وفا راشدی ۔

۲ ۔ اخبار الاخیار ۔ ص ۱۶۶ ۔

۳ ۔ خزینۃ الاصفیاء ۔ جلد اول ۔ ص ۳۷۱ ۔

یقین ، آں محب و محبوب خاص ربانی ، غوث‌الوقت حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ' از بے نظیران روزگار بود ، شان بغایت رفیع و ہمتے بلند و کرامتے وافر داشت'' [۱] -

صاحب گلزار ابرار غوثی مانڈوی نے آپ کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :

''کشف و کرامات اور منازل و مقامات کے آپ مالک تھے آپ کے بیان سے عرفان کا آب حیات بہتا تھا ، اور آپ کے دل سے شوق و محبت کے شعلے آٹھتے تھے'' [۲] -

---

۱ - بزم صوفیہ - ص ۳۶۳ بحوالہ مراۃالاسرار قلمی -

۲ - اردو ترجمہ گلزار ابرار - ص ۱۴۵ - مطبوعہ مطبع مفید عام آگرہ -

(۴۸)

# مولانا عثمان بنگالی

**حالات :** مولانا عثمان بنگالی ، قدیم مشائخ میں تھے ، سنبھل میں رہتے تھے ، میاں حاتم ۱ نے ان سے شرف تلمذ حاصل کیا تھا ، کبھی کبھی میاں حاتم ان کی خدمت میں حاضر ہوتے اور آن سے دعا کے لیے التماس کرتے تھے -

---

۱ - میاں حاتم سنبھلی ، میاں عزیز اللہ طلنبی کے شاگرد تھے ، اس زمانے میں معقول اور منقول کا ایسا جامع عالم کوئی نہ تھا ، خصوصاً علم کلام ، اصول فقہ اور عربیت میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے ، مشہور ہے کہ شرح مفتاح اور مطول اور کتب منتہیانہ انھوں نے اول سے آخر تک چالیس مرتبہ پڑھائی تھیں ، مخدوم الملک کہا کرتے تھے کہ علم محاضرات میں وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے - ملا علاءالدین لاری شرح عقائد نسفی پر ایک حاشیہ بڑے دعوی کے ساتھ لکھ کر پاس لے گئے ، انھوں نے اس پر اس قدر اعتراض کیے کہ ملا علاءالدین سے جواب بن نہ پڑا ، فقہ میں گویا امام اعظم ثانی تھے ، ریاضت اور مجاهدہ بھی بہت کرتے تھے ، صلاح و تقویٰ میں بہت کامل تھے ، میاں حاتم نے ستر برس کی عمر پا کر ۹۶۸ھ میں وفات پائی -

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۸ پر)

ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ میں بھی ایک مرتبہ میاں حاتم کے ساتھ صغر سن میں مولانا عثمان کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔

---

(صفحہ ۳۱۷ کا بقیہ حاشیہ)

(ماخوذ از اردو ترجمہ منتخب التواریخ۔ نو لکشور ایڈیشن۔ مترجمہ مولانا احتشام الدین)

(۴۹)

# شاہ عمر

**حالات :** شاہ عمر چاٹگام کے صوفیاء میں خاص عظمت و شہرت کے مالک ھیں ، ان کا شمار چاٹگام کے مشہور بارہ اولیاء میں ھوتا ھے ، لیکن اس عظمت و جلالت کے باوجود ان کے حالات بنگال کے کسی تذکرے میں نہیں ملتے ، صرف اس قدر ملتا ھے کہ وہ ایک عظیم المرتبت مبلغ تھے ، اور انھوں نے چاٹگام کے جنوبی حصے کو اسلام کی تبلیغ سے منور و تاباں بنایا تھا ۔

بنگال کے مشہور محقق ڈاکٹر انعام الحق نے ان کے سلسلے میں ایک روایت نقل کرتے ھوئے لکھا ھے کہ نواکھالی ضلع میں مشہور ھے کہ ایک ایرانی صوفی عمر شاہ اس ضلع میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنی کشتی ھی میں سکونت اختیار کی ، اور مختلف کرامات کا آن سے ظہور ھوا جس کی وجہ سے بہت سے لوگ مشرف بہ اسلام ھوئے۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ھے کہ اگر یہ شاہ عمر وھی نواکھالی کے شاہ عمر ھیں تو یہ اٹھارویں صدی کے اوائل میں حیات تھے ، لیکن چاٹگام کے باشندے کہتے ھیں کہ یہ دوسرے بزرگ ھیں ، اور یہ بزرگ شاہ عمر نواکھالی سے بہت عرصہ قبل تھے[۱] ۔

---

۱ - ھسٹری آف صوفی‌ازم ان بنگال - ص ۲۵۹ -

(۵۰)

## شاہ عبدالرحیم شہید

**حالات :** شاہ عبدالرحیم شہید کشمیری الاصل تھے ، آپ کی ولادت با سعادت ۱۰۷۲ھ — ۱۶۶۱ء میں ہوئی پہلے آپ مرشد آباد تشریف لائے ، وہاں سے عہد عالمگیر کے اواخر میں ڈھاکہ آئے ۱۔

تواریخ ڈھاکہ میں ہے کہ جس وقت آپ ڈھاکہ تشریف لائے ، اس وقت یہ بالکل ویران میدان تھا ، آپ کی تشریف آوری سے آباد ہوا ، یہاں کے لوگ آپ کو میاں صاحب کہتے تھے ۲ -

**بیعت :** شاہ عبدالرحیم شہید نے صوفی هدایت اللہ عرف صوفی حسن سے بیعت ہو کر عرفان و سلوک کے مقامات طے کئے آپ کے پیر صوفی هدایت اللہ صوفی عبداللہ کے مرید تھے ، اور صوفی عبداللہ نے حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے حضرت خواجہ محمد معصوم ۳ سے خرقۂ خلافت حاصل کیا تھا ۴ -

---

۱ - رود کوثر - ص ۴۶۵ -
۲ - تواریخ ڈھاکہ - ص ۱۷۴ -
۳ - خواجہ محمد معصوم حضرت مجدد الف ثانی کے تیسرے صاحبزادے تھے ، آن کی ولادت باسعادت ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ — ۱۵۹۹ء میں ہوئی ، حضرت مجدد الف ثانی فرمایا کرتے تھے کہ محمد معصوم کی ولادت ہمارے لیے بہت مبارک و مسعود ہے کہ ہم آن کی پیدائش
( باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۲ پر)
۴ - رود کوثر - ص ۴۶۵

(صفحہ ۳۲۱ کا بقیہ حاشیہ)

کے چند ماہ بعد اپنے خواجہ کی زیارت سے مشرف ہوئے ، اور ہم نے دیکھا جو کچھ بھی دیکھا ۔ خواجہ محمد معصوم نے شعور سنبھالنے کے بعد علوم رسمیہ کی تکمیل کی ، دوران تعلیم میں حضرت مجدد الف ثانی آن سے فرمایا کرتے تھے کہ بابا ! جلد علوم کی تعلیم سے فارغ ہو کہ ہمیں تم سے بڑے کام ہیں ، سترہ سال کی عمر میں آنھوں نے علوم ظاھری کی تکمیل سے فراغت حاصل کی ، اور اپنے والد سے سلوک و معرفت کے اعلیٰ منازل طے کر کے خلافت اور قطبیت کی بشارت حاصل کی ، اور اپنے والد کی وفات کے بعد آن کی جگہ مسند ارشاد پر رونق آفروز ہوئے ، پھر حج و زیارت کے لیے حرمین شریفین کا سفر کیا اور ایک عرصے تک مدینۂ منورہ میں مقیم رہ کر ھندوستان لوٹے اور اپنے وطن میں درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ۔ درس سے آپ کو غیر معمولی شغف تھا ، تفسیر بیضاوی ، مشکواۃ ، ھدایہ ، عضدی اور تلویح کو خاص طور پر پڑھاتے تھے ۔

شیخ مراد بن عبد اللہ قزانی نے ذیل الرشحات میں خواجہ محمد معصوم کے متعلق لکھا ھے کہ وہ اپنے والد کی طرح ایت من آیات اللہ تھے ، آنھوں نے اپنے فیوض باطنی سے عالم کو منور کردیا تھا ۔ کہا جاتا ھے کہ آپ کے مریدوں کی تعداد ۹ ھزار اور آپ کے خلفاء کی تعداد ۷ ھزار تھی ، آن میں سے شیخ حبیب اللہ بخاری مشہور ھیں ۔ خواجہ محمد معصوم کے مکاتیب تین جلدوں میں ھیں ۔

خواجہ محمد معصوم نے ۹ ربیع الاول ۱۰۷۰ھ — ۱۶۵۹ء میں وفات پائی ، آپ کا مزار پر انور سرھند میں ھے ۔

(ماخوذ از تذکرۂ صوفیائے پنجاب ۔ فٹ نوٹ صفحہ ۵۵۹ - ۵۶۰ بحوالہ نزھۃ الخواطر ۔ جلد ۔ ۵ ۔ ص ۳۰۷ - ۳۰۸ و زبدۃ المقامات ۔

خواجہ محمد معصوم کے تفصیلی حالات حسب ذیل کتابوں میں ملتے ھیں ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۳ پر)

**سلسلہ مجددیہ کا فروغ:** شاہ عبدالرحیم شہید نے بنگال میں سلسلۂ مجددیہ نقشبندیہ کو غیر معمولی فروغ بخشا ، اور یہ سلسلہ ان کی وجہ سے بنگال میں خوب پھلا پھولا ، چٹاگانگ کے مشہور بزرگ صوفی شاہ امانت اللہ آپ ہی کے خلیفہ تھے ، جن کی وجہ سے چٹگانگ میں اس سلسلے کی ترویج ہوئی -

**شہادت:** ۴ ستمبر ۱۱۵۸ھ — ۱۷۴۵ء کو ایک دیوانے نے آپ پر وار کیا ، جس کی وجہ سے آپ زخمی ہوئے ، اور زخمی ہونے کے ایک ماہ تین دن بعد ۹ رمضان المبارک ۱۱۸۵ھ — ۱۷۷۱ء میں آپ نے وفات پائی ، وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۴ سال کی تھی ، تاریخ وفات میں اختلاف ہے -

صاحب تواریخ ڈھاکہ نے لکھا ہے کہ اس خانوادے کی ایک بیاض میں ہے جس کی نقل یہ ہے:

حضرت حقائق و ارشاد پناہ ، قدوۃالسالکین ، زبدۃ الواسلین ، شہید فی سبیل اللہ ، حضرت شاہ عبدالرحیم نقشبندی قدس سرہ ہفتم شعبان ۱۱۵۸ ہجری مابین عصر و مغرب ہفت زخم شمشیر منتشر بر بدن ایشان از دست دیوانہ رسیدہ بود ، یک ماہ و سہ روز صاحب فراش بودند و نہم ماہ رمضان المبارک ، شب پنجشنبہ اول وقت عشا انتقال فرمودند ، و بتاریخ دھم رمضان مدفون گشتند -

---

(صفحہ ۳۲۲ کا بقیہ حاشیہ)

(۱) رود کوثر ص ۲۸۷ - ۲۹۱

(۲) مفتاح التواریخ - ص ۳۱۹ - ۳۲۰

(۳) خزینۃ الاصفیاء جلد اول - ص ۳۱۹ - ۳۲۰

(۴) انوار العارفین - ص ۳۹۱ - ۳۹۴

(۵) جواہر علویہ - ص - ۱۰۹ - ۱۲۲

(۶) حالات مشائخ نقشبندیہ مجددیہ - ص ۲۳۵ - ۲۵۸

(ماخوذ از فٹ نوٹ تذکرۂ علمائے ہند ، ترجمہ محمد ایوب قادری - ص ۴۷۰ - ۴۷۱)

۱ - تواریخ ڈھاکہ - ص ۱۷۵ - ۱۷۶

اس کے بعد تواریخ ڈھاکہ میں ان کی وفات پر کسی ہم عصر شاعر کا ایک قطعہ تاریخ بھی درج ہے ، جسے ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں :

مزار شاہ دیں عبدالرحیم است
پر از فیض خداوند کریم است

زہے روشن دل صاحب سکینہ
اثر میداشت از سینہ بسینہ

اوصافش کرامت منجلی بود
چرا پنہاں کنم بیشک ولی بود

سن تدفین از روئے وفائے
دھم ''رمضان'' بود آمد ندائے[1]

۱۱۵۰

مزار : ڈھاکہ میں آپ کا مزار اندرون شہر محلہ میدان میاں صاحب میں واقع ہے ، اور یہ محلہ آپ ہی کے نام سے موسوم ہے ، مزار پر کوئی کتبہ نہیں ہے ۔

خلفاء : شاہ عبدالرحیم شہید کی وفات کے بعد آپ کے بھتیجے شاہ نجم الدین نے مسند سجادگی کو رونق بخشی ، شاہ نجم الدین کی وفات کے بعد آن کے صاحبزادے شاہ بدیع الدین مسند آرائے رشد و ہدایت ہوئے جو صاحب علم و فضل اور عارف کامل تھے ، ان کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحب زادے شاہ نصیرالدین مسند سجادگی پر متمکن ہوئے ان کے بعد بھائی شاہ قمرالدین نے اس مسند سجادگی کو رونق بخشی ۲ ، آسودگان ڈھاکہ میں ہے کہ ان کے کوئی اولاد ذکور نہ تھی ، اس لیے ان کی وفات کے بعد ان کے نواسے حضرت سید شاہ ابو یوسف محمد عبداللہ رضوی سید آباد سے لائے گئے ، اور آن کو سجادہ بنایا گیا ۔ سید محمد عبداللہ

---

۱ - تواریخ ڈھاکہ - ص ۱۷۶

۲ - آسودگان ڈھاکہ میں شاہ قمرالدین کی بجائے شاہ نصیر الدین ہے ۔

رضوی کے آباء و اجداد موضع سید آباد ، تھانہ کلیا کور ضلع ڈھاکہ کے رہنے والے تھے ، ان کے خاندان کے جس بزرگ نے بنگال کی سرزمین کو اپنے قدم میمنت لزوم سے سب سے پہلے شرف بخشا ، اُن کا اسم گرامی سید عبداللہ رضوی تھا ، جو حلب سے بنگال تشریف لائے تھے[1]۔

---

۱ ۔ ماخوذ از آسودگان ڈھاکہ ، مؤلفہ حکیم حبیب الرحمن آخون زادہ ص ۱۰ ۔

(۵۱)

## قتل پیر

**حالات :** قتل پیر حضرت پیر بدر کے ہم عصر ہیں قتل پیر آپ اس لیے کہلاتے ہیں کہ آپ کو جہاد سے غیر معمولی شغف تھا وہ محلہ جس میں آپ قید کیے گئے تھے، اور اب چاٹگام کی میونسپلٹی کی شمالی سرحد پر واقع ہے ، اسی مناسبت سے قتل گنج کہلاتا ہے ، قتل پیر کا اصل نام کیا تھا ، آن کے حالات زندگی کیا تھے ، ان کی تبلیغ کے محور کون کون سے علاقے تھے ، افسوس ہے کہ تذکروں میں ان کی تفصیل نہیں ملتی ، پیر بدر کی ہم عصری سے صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ یہ بزرگ چودھویں صدی عیسوی کے اواخر میں تھے[۱] -

---

۱ - یہ تفصیل ہسٹری آف صوفی‌ازم ان بنگال ص ۲۵۵ سے ماخوذ ہے -

(۵۳)

## حضرت شاہ کاکو

حضرت شاہ کاکو شیخ فریدالدین گنج شکر کے مرید تھے - انھوں نے ابتدائی روحانی تعلیم شیخ پیر محمد لاہوری سے حاصل کی - اس کے بعد وہ شیخ نور قطب عالم کے مرید ہوگئے - روحانی تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ پیر محمد لاہوری سے خلافت حاصل کی - ان کی روحانی قوت غیرمعمولی تھی اور بہت سی کرامات ان سے منسوب ہیں - ۸۸۲ھ — مطابق ۱۴۷۷ء میں آپ نے انتقال فرمایا[۱] -

۱ - سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال -

( ۵۴ )

## شاہ لنگر

ڈھاکہ سے تقریباً دس میل دور شمال کی طرف معظم پور نامی گاؤں میں شاہ لنگر کا مزار آج بھی واقع ہے - ایک روایت کے مطابق مشہور ہے کہ وہ بغداد کے شہزادے تھے جنھوں نے تخت و تاج کو چھوڑ کر سیر و سیاحت کو ترجیح دی - سیر و سیاحت کرتے کرتے وہ ڈھاکہ آئے اور معظم پور میں مقیم ہو گئے - اور یہیں کے ہو رہے -

---

۱ - سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال ص ۱۳۶ -

( ۵۵ )

# مخدوم شاہ محمود غزنوی

مخدوم شاہ محمود غزنوی ''راھا پیر'' کے نام سے مشہور ھیں مروجہ روایات کے مطابق ''راھا پیر'' ھندو راجا کرم کیساری کے دور حکومت میں منگل کوٹ تشریف لائے اور تبلیغ و اشاعت میں مصروف ھو گئے۔ راجا وکرم کیساری نے ان پر ظلم و تشدد روا رکھا اور طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں اور اشاعت اسلام کو روکنے اور مسلمانوں کا قلع قمع کرنے کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ مخدوم شاہ محمود غزنوی نے اس امر کی شکایات سلطان دھلی کو لکھ کر بھیجی۔ اس کے جواب میں دھلی کے سلطان نے ایک جمیعت روانہ کی۔ اس فوج نے وکرم کیساری کو شکست فاش دی۔ راجا مشرقی بنگال کی طرف بھاگ گیا اور منگل کوٹ مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

راجا وکرم کیساری کا ذکر سنسکرت کی ایک کتاب ''شیک سبھ ودیا'' میں آتا ھے۔ اس کے علاوہ بنگالی ادب کی بالکل ابتدائی تصانیف میں بھی اس راجا کا ذکر آتا ھے۔ اس سے پتا چلتا ھے کہ پیر راھا تیرھویں صدی ھجری میں منگل کوٹ میں موجود تھے۔ اس علاقے میں پیر راھا کے اثر کا یہ عالم تھا کہ وہ بے تاج بادشاہ تھے۔ عوام و خواص کے دلوں پر ان کی حکومت تھی اور سب ان کی دل سے عزت کرتے تھے۔

ان کی درگاہ ضلع بردوان کے علاقہ منگل کوٹ میں آج بھی موجود ھے[۱]۔

۱ - بنگے صوفی پربھاوا ص ۱۲۹ - مصنفہ ڈاکٹر انعام الحق -

(٥٦)

# شاہ ملا مسکین

**حالات :** حضرت شاہ ملا مسکین حضرت بدرالدین زاہدی کے کچھ دن بعد بہت سے درویشوں کے ساتھ بنگال تشریف لائے ، ان درویشوں میں شاہ نور ، شاہ اشرف ، کابلی شاہ اور بندۂ رضا اور شاہ مبارک علی شاہ جیسے عظیم المرتبت صوفی و درویش تھے ، جنھوں نے بنگال میں اپنی تبلیغی کوششوں سے اسلام کو سربلند کیا ۔

**مقبرہ :** شاہ مسکین کا مقبرہ چاٹگام کے میونسپل علاقے میں چاندپور کی ایک پہاڑی پر واقع ہے، اس پرانے مقبرے کو تکیہ ملا شاہ کہتے ہیں ۔

شاہ مسکین کے مقبرے کے پاس ایک پرانی مسجد ہے ، جس کے طرز تعمیر سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عہد مغلیہ سے پہلے کی ہے ، اس لیے قیاس چاہتا ہے کہ شاہ ملا مسکین عہد مغلیہ سے پہلے بنگال میں تشریف لائے [۱] ۔

---

۱ - اے ہسٹری آف صوفی ازم ان بنگال - ڈاکٹر انعام الحق ، باب ہشتم

(۵۷)

## شاہ محسن اولیاء

**حالات :** شاہ محسن اولیاء کا اصل وطن پانی پت تھا ، آپ پانی پت سے گوڑ تشریف لائے ، اور وھاں سے ڈھاکہ آئے۔

ایک روایت کے مطابق آپ پیر بدر اور پیر قتّال کے ساتھ بحری راستے سے چاٹگام کی طرف روانہ ہوئے ، اور آپ نے یہاں پہنچ کر جہاری گاؤں میں سکونت اختیار فرمائی اور رشد و ھدایت میں مصروف ہو گئے۔

شاہ محسن اولیاء کے صرف ایک صاحبزادی نرمی بی بی تھیں ، اور آپ کے ایک بھتیجے جن کا نام شاہ سکندر تھا ، آپ کے ساتھ تھے ، آپ نے شاہ سکندر کا عقد اپنی صاحبزادی سے کر دیا ، شادی کے بعد آپ نے ان دونوں سے فرمایا کہ وہ اپنے وطن پانی پت واپس چلے جائیں ، لیکن وہ دونوں آپ کو تنہا چھوڑنے پر آمادہ نہ تھے ، ابھی اس مسئلے کا کوئی تصفیہ نہیں ھوا تھا کہ شاہ محسن اولیاء نے وفات پائی ، شاہ محسن کی وفات کے بعد یہ دونوں یہیں رہ گئے ، اور رشد و ھدایت میں مصروف ہوگئے۔

**وفات :** شاہ محسن اولیاء کا سن وفات ۸۰۰ھ — ۱۳۹۷ء آپ کا مزار پُر انوار جہاری گاؤں نواح چاٹگام میں واقع ھے ، آپ کا مزار ابتداً دریائے سنکھا کے کنارے واقع تھا یہ دریا ہر سال اپنا راستہ بدلتا رہتا ھے ، ایک دفعہ اس دریا نے اس طرح رخ بدلا کہ آپ کے مزار کو خطرہ لاحق ہو گیا ، وھاں کے ایک زمیندار زبردست خاں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ محسن اولیاء اس سے فرما رہے ھیں کہ ھمارا مزار کسی دوسری

جگہ منتقل کر دو ، لیکن اس نے کوئی پروا نہ کی ، رفتہ رفتہ اس خواب کی شہرت گاؤں میں ہوگئی اور گاؤں کے لوگوں نے آپ کے جسد مبارک کو قریب ہی کے گاؤں بتالی میں منتقل کر دیا ۔

مشہور ہے کہ زبردست خاں کے خاندان کا کوئی فرد آج بھی آپ کے مزار پر چراغ نہیں جلا سکتا[1] ۔

---

[1] ۔ شاہ محسن اولیاء کے یہ تمام حالات ہسٹری آف صوفی ازم ان بنگال مصنفہ ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونی ورسٹی باب ہشتم ۔ ص ۲۵۴ تا ۲۵۸ سے ماخوذ ہیں ۔

( ۵۸ )

# شیخ محمد علا بنگالی

**حالات :** شیخ محمد علا بنگالی شیخ قاضن شطاری کے لقب سے مشہور ہیں ، اور حضرت شاہ عبداللہ شطاری[۱] کے مرید و خلیفہ ہیں -

گلزار ابرار میں ہے کہ شیخ محمد علا کو ریاضت و مجاہدے اور مراقبے و مشاہدے میں کمال حاصل تھا ، اور وجدانی حالات آپ کی ذات میں عیاں تھے ، علمائے باللہ کے سرگروہ اور سالکان سیر فی سبیل اللہ کے آپ سردار تھے -

---

۱ - شاہ عبداللہ شطاری کا لقب حضرت اعلیٰ ہے ، آپ حسام الدین کے صاحبزادے ہیں ، آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے :
عبداللہ شطاری بن حسام الدین بن رشیدالدین بن ضیاءالدین بن نجم الدین بن جمال الدین بن شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی -

آپ شیخ محمد عارف کے خلیفہ ہیں ، جن کو شیخ محمد عاشق سے خلافت حاصل تھی ، آپ کا سلسلۂ طریقت یہ ہے :
شاہ عبداللہ ، شیخ محمد عارف ، شیخ محمد عاشق ، شیخ خدا قلی ماوراءالنہری ، شیخ ابوالحسن عشقی ، مولانا ابوالمظفر ترک ، شیخ ابو یزید اعرابی ، شیخ محمد مغربی ، سلطان العرفا شیخ ابو یزید بسطامی -

اس سبب سے اس سلسلے کو ایران و توران میں عشقیہ اور دارالملک روم میں بسطاطیہ کہتے ہیں - تذکروں میں ہے کہ آپ نے
(باقی حاشیہ صفحہ ۳۵۰ پر)

نویں صدی ہجری کے اوائل میں جب شاہ عبداللہ شطاری۲ ہندوستان تشریف لائے تو آپ کا گزر بنگال میں بھی ہوا ، شاہ عبداللہ شطاری کی عادت تھی کہ اثنائے سیاحت میں جس شہر یا قصبے میں پہنچتے ، اس سرزمین کے مشائخ کو پیغام بھیجتے تھے کہ ایک درویش نے اس خیال سے سیاحی اختیار کی ہے کہ اگر کلمۂ توحید کے معنی کوئی شخص اس سے بہتر جانتا ہو تو وہ اس مسافر کو تعلیم دے ، اور اگر ایسا نہ ہو تو مقیم لوگوں کا بے مشقت فائدہ اس میں ہے کہ وہ گنج توحید سے استفادہ کریں کیونکہ ایسی فرصت جس میں اسباب سعادت بہم پہنچیں

---

(صفحہ ۳۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

دعوت کا علم ، اذکار کا طریقہ اور شغلوں کی روش کہ جن پر مشہور سلسوں میں سلوک و ھدایت کا دار و مدار ہے ، ان سب پر عمل کیا ، اور یہ بزرگان طریقت سے حاصل کیے تھے - آپ کی تصانیف میں ایک رسالہ لطائف غیبیہ ہے جو آپ نے سلطان غیاث‌الدین خلجی شاہ مالوہ کے نام ترتیب دیا تھا ، اس رسالے میں آپ نے توحید کے اسرار اور طریقت و حقیقت کے دقیقے جو صفحہ خاطر کی لوح پر محفوظ تھے یہ یا تو وعلمناہ من لو نا علماً کی رھنمائی کی بدولت مبداء فیاض سے بے واسطہ پہنچے تھے یا فسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کے حکم کے بموجب مشائخ طریقت سے بالواسطہ معلوم ہوئے تھے ، ان سب باتوں کو اس رسالے میں لکھا ہے -

شاہ عبداللہ نے ۸۹۰ھ — ۱۴۸۵ء میں وصال فرمایا ، آپ کی خواب گاہ مانڈو میں سلاطین خلجی کے مقبرے کی جنوبی سمت میں ہے (ماخوذ از ترجمہ گلزار ابرار ص ۱۶۱—۱۶۲) -

۲ - اس سلسلے کے پیروں کو شطاری اس وجہ سے کہتے ھیں کہ شطاری مشائخ شاھراہ طریقت کے سلوک میں دوسرے خانوادوں کے مشائخ سے زیادہ تیز اور تیز رفتار ھوتے ھیں ، کہتے ھیں کہ جو ان کا اول قدم ھوتا ہے وہ دوسرے درویشوں کا آخیر قدم ھوتا ہے (آردو ترجمہ گلزار ابرار - ص ۱۶۳) -

دشواری سے ہاتھ آتی ہے ، چنانچہ جب آپ بنگال پہنچے تو آپ نے حسب معمول یہی پیغام شیخ محمد علا کے پاس بھی بھیجا ، اور کہلایا کہ ایک درویش ایران و توران سے آیا ہے ، وہ کہتا ہے کہ خواہ خلوت میں خواہ انجمن میں جس کسی کو جس صورت میں آسان معلوم ہو ملاقات کرے ، اور اس موقع پر کلمۂ توحید کی اہم معلومات بیان کی جائیں ، ملاقات کرنے والوں میں جس میں بھی معلومات کی کمی ہو وہ دوسرے سے فائدہ اٹھا کر کمال حاصل کرے ، شاید اس طریقے سے آہستہ آہستہ اس کمال کے میدان میں پہنچنا نصیب ہو جو اس کے نام زد ہے ، شیخ محمد علا نے یہ پیغام سن کر جواب دیا کہ ایسے فضول گو اشخاص خراسان اور پارس سے بہت آتے ہیں ، یہ جواب جب شاہ عبداللہ کے پاس پہنچایا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ محمد علا کے کمالات کا ظہور مجھ ہی فضول گو کی تلقین پر منحصر ہے ، آخر میں شیخ محمد علا کی بازگشت اسی فقیر کی طرف ہوگی ۔

اسی زمانے میں سلطان غیاث‌الدین خلجی نے چتوڑ کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا ، شاہ عبداللہ بنگال سے لوٹ کر آئے تو اسی راستے سے آ کر قلعے کے نیچے قیام فرمایا ، سلطان غیاث‌الدین نے حاضر ہوکر آستاں بوسی کی سعادت حاصل کی ، چنانچہ اسی مورچہ سے جو شاہ عبداللہ کی قیام گاہ کے برابر تھا آپ کی دعا اور یمن و برکت سے یہ قلعہ چند ہی دن میں فتح ہوگیا ، سلطان غیاث‌الدین نے آپ کو نہایت تعظیم و احترام سے اپنی روانگی کے پیشتر دارالاسلام مانڈو روانہ کیا ۔

کہتے ہیں کہ اسی زمانے میں شیخ محمد علا نے ایک چلہ کھینچا ، دوران چلہ میں ایک روز اپنے والد کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں کہ علا ! تمھاری گرہ کشائی اس ریاضت سے تعلق نہیں رکھتی ، بلکہ اسی خراسانی کے حوالے ہے ، جس کو تم فضول گو کہہ کر انکار کر چکے ہو ، چنانچہ اس خواب کے بعد وہ مانڈو حاضر ہوئے کہتے ہیں کہ شاہ عبداللہ نے ان کی طرف التفات نہیں فرمایا ، ایک تو مسافرت ، اس پر اس شکستہ دلی نے اور بھی بے سہارا کر دیا ، شیخ علا نے ایک روز شاہ عبداللہ سے عرض کیا کہ حضور ! پیری ، ناتوانی ، خواہش اور غیرت یہ

تمام چیزیں جمع ہوکر زبان حال سے میرے لیے مرحمت و نوازش کی سفارش کر رہی ہیں ، پھر عنایت عامہ کے لیے یہ مناسب نہیں کہ اس قسم کی سزا دی جائے ، بلکہ بہتر یہ ہے کہ میری گزشتہ تقصیر کو معاف فرمایا جائے ، ایک شکستہ دل کی اس تقریر نے شاہ عبداللہ کی ناراضی کا رخ بدل دیا ، آپ نے فرمایا اگر اپنے آبا و اجداد کی رسم ، اسم اور سلسلہ چھوڑ کر خانوادۂ درویش کے آئین اور نام پر اپنے آپ کو نام زد کرو تو تمھارے التماس کے مطابق میں تمھیں تلقین کروں گا ، بالآخر شیخ علا نے یہ سب کچھ قبول کیا ، اور بہت تھوڑے عرصے میں خلعت خلافت حاصل کر کے کمال اور تکمیل کی انتہائی منزل پر پہنچ گئے ، پھر اپنے مرشد کی اجازت کے بعد اپنے وطن بنگال لوٹ آئے ، اور یہاں رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے[۱] -

---

۱ - شیخ محمد علا کے حالات کی یہ تمام تفصیل اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۱۶۱ یادِ شاہ عبداللہ شطاری سے اور یادِ شیخ محمد علا بنگالی ص ۲۰۳—۲۱۴ سے ماخوذ ہے -

(۵۹)

# شاہ محمد صغیر

**حالات :** بنگال کے مشہور صوفی اور درویش شاعر شاہ محمد صغیر سلطان غیاث الدین اعظم شاہ[1] کے زمانے میں تھے ، افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت شاعر اور صوفی کے تفصیلی حالات نہیں ملتے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ وہ ایک درویش خاندان سے تھے ، اور اپنا تخلص شاہ فرماتے تھے -

شاہ محمد صغیر بنگالی شعرا میں سب سے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اپنی شاعری میں بنگلہ زبان کو مذہب کی اشاعت کا ذریعہ بنایا -

آنھوں نے مشہور واقعہ یوسف و زلیخا کو نظم کیا ، یہ مثنوی آنھوں نے سلطان غیاث الدین اعظم شاہ کے دور میں لکھی ، اور آسے غیاث الدین کے نام سے انتساب کیا ، اسی سے یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ شاید سلطان غیاث الدین اعظم شاہ کے دربار میں ملازم تھے ، شاہ محمد صغیر اس کتاب میں سلطان غیاث الدین اعظم شاہ کو دعا دیتے ہوئے کہتے ہیں -

میں والی ملک کے سامنے سر جھکاتا ہوں
جس کے خوف سے شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں
بادشاہوں میں وہ سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے -
لوگ آسے خدا کا اوتار سمجھتے ہیں

---

۱ - سلطان غیاث الدین اعظم شاہ (۱۳۸۹ – ۱۴۰۹) کے حالات کے لیے فٹ نوٹ بضمن شیخ نورالحق نور قطب عالم -

انسانوں میں وہ صداقت کا پیکر ہے
اُس کا نام غیاث والی ملک ہے
اس نے عاقلوں کی یہ مثل ثابت کر دی ہے کہ بادشاہ ہر شخص پر فتح حاصل کرنا چاھتا ہے ، اس کی خواھش ہے کہ اس کا اپنا بیٹا یا شاگرد اس پر فتح پائے
چنانچہ اس نے بنگال اور گوڑ فتح کیے
اُس کا دل نیکی اور شرافت سے معمور ہے
وہ تمام خوبیوں کا مجسمہ ہے
اس کا چہرہ ماہ کامل کی طرح دمکتا ہے اور اس کے الفاظ شیریں اور دلکش ھیں
وہ تمام خوانین کا مرکز توجہ ہے
قلم میں اتنی طاقت کہاں کہ اس کی خوبیاں بیان کرے
اس نے تمام بادشاھوں پر فتح حاصل کی ہے
اس کے طبل جنگ زور زور سے بج رہے ھیں
وہ دشمنوں کو تباہ کرتا ہے لیکن اپنے پیرووں پر شفقت کی نظر رکھتا ہے
''ھویلوں'' کی طرح وہ اپنی رعیت پر حکومت کرتا ہے
میں نے بہت سے لوگوں اور اُن کے کارناموں کو دیکھا ہے
لیکن صرف وھی میری عقیدت کا مرکز ہے اور میرا ملجا و ماویٰ
محمد صغیر اس کا خادم ہے
اور اس کی عظمت کا نغمہ خوان[۱]

ایسا معلوم ھوتا ہے کہ اس زمانے میں مذھبی واقعات اور تعلیمات کو محض اس خیال سے دوسری زبانوں میں منتقل کرنا گناہ سمجھا جاتا تھا کہ شاید ان کا صحیح مفہوم دوسری زبانوں میں ادا نہ ھو سکے ، اور بجائے ثواب کے عذاب گلے پڑے ، لیکن یہ ایک ایسی خام خیالی تھی جو مذھب اور اس کی اشاعت میں سدِ راہ بنی ھوئی تھی ، شاہ محمد صغیر

---

۱ - مسلم بنگالی ادب - ص ۷۰ - ۷۱ - ۷۲ -

کو عوام کی اس خام خیالی کا اندازہ تھا ، چنانچہ مثنوی یوسف زلیخا منظوم کرنے کی وجوہ بیان کرتے ہوئے انھوں نے لکھا :

اب میں اس کتاب کے متعلق بتاتا ہوں ، میں نے یہ کتاب لکھنے کا فیصلہ کر لیا تھا ، اور گناہ کا خوف اپنے دل سے نکال دیا تھا ، لوگ مختلف قسم کی افواہیں اڑاتے ہیں ، ہر شخص اپنے ضمیر کو اس چیز سے اطمینان دلا دیتا ہے جو اس کو عزیز ہوتی ہے ، کوئی شخص مذہبی قصوں کے بارے میں کچھ نہیں لکھتا ، اس ڈر سے کہ دوسرے اس پر الزام لگائیں گے ، میں نے بھی اس پر غور کیا ، اور اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ خوف بے بنیاد ہے، عبارت اتنی ضروری چیز نہیں اگر الفاظ صحیح ہوں ، میں نے بڑے لوگوں کو کہتے سنا ہے کہ ہیرے اور جواہرات کے زخائر میں الفاظ بھی ایک بے بہا خزانہ ہیں ، میں بھی ہیرے جیسے الفاظ لے کر ایک محبت کا قصہ لکھوں گا ۔ یوسف اور زلیخا آپس میں ایک دوسرے کے گرویدہ ہو گئے جیسا کہ کتاب میں لکھا ہے ، وہ مذہبی نقطہ نگاہ سے ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے ، میں نے بہت کچھ کتاب اور قران میں پڑھا ہے ، یوسف زلیخا کی داستان مذہب اور عقیدت سے بھرپور ہے[1] ۔

شاہ صغیر اس کے مدعی ہیں کہ انھوں نے یہ قصہ قران حکیم اور مستند کتابوں کو ماخذ بنا کر نظم کیا ہے ۔ ان کا مقصد اس قصہ کے نظم کرنے سے یہ ہے کہ بنگالی بولنے والے اس قصے سے واقف ہوں ، لیکن مقامی حالات کی چاشنی اس میں موجود ہے ، اور فنی اعتبار سے ان کی یہ مثنوی نہایت کامیاب مثنوی ہے ۔

مثنوی یوسف زلیخا میں آنھوں نے حمد و نعت کے سلسلے میں جو شعر کہے ہیں ان کا ترجمہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں ، جن سے اندازہ ہو سکے گا کہ عشق الٰہی اور محبت رسول کا کتنا عظیم جذبہ ان کے قلب میں موجزن ہے ، فرماتے ہیں :

---

۱ - سوشل تاریخ آف مسلم ان بنگال ، بحوالہ بنگالہ سہتیہ

سب سے پہلے سلام کرتا ہوں اپنے پالن ہار کو
جو بخشنے والا ، کریم اور رحیم ہے
اس کے روپ بے شمار ہیں
جن کی کوئی حد نہیں
اس نے آسمان ، زمین اور سمندر کو پیدا کیا
انسان کے روپ میں کائنات کو سجایا
اور انسان کو اپنی ساری حکمتیں بخشیں
اسے کسی چیز کی تمنا نہیں
کسی شے کی آرزو نہیں
رب لایزال کی کوئی ابتدا نہیں
اس کی تمنا محبت ہے
باطن میں وہ نور و ضیا کا پیکر ہے
ظاہر میں وہ برق ہے اور بھونچال ہے
اس نے روح پیدا کی ، سمندر بنائے
کائنات کو تخلیق کیا اور ستارے پیدا کیے
اس نے اپنے سامنے ایک آئینہ رکھا
اور پھر چشم زدن میں آسمان ، زمین اور سمندر بنائے
اس نے حضرت محمد کے روپ میں عظیم ترین روح تخلیق کی
جو آسمان ، زمین اور سمندر کے تنہا بیش قیمت موتی ہیں
رب لایزال نے حضرت محمد کے اندر اپنی محبت بھر دی
کیونکہ کل مخلوق میں یہ سب سے برتر اور عظیم ہیں
اس نے حضرت محمد کو اپنا دوست اور ہمدم بنایا
اس لیے ان کی امت جنت کی مستحق ہے
ان ہی کی محبت تھی کہ خدا نے کائنات کی تخلیق کی
ورنہ اس کی بندگی کے لیے کروبیاں کی کمی نہ تھی
ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء آئے
ان میں حضرت محمد عظیم ترین نبی ہیں
میں خدا کے اوصاف کہاں تک گناؤں

جو کچھ لکھ گیا ہوں کم ہے
اب میں اس کے آگے سر بسجود ہو جاؤں
پھر ہزاروں سلام کروں
محمد صغیر اس کے غلام کا غلام ہے
اس سے زیادہ میری خوش بختی اور کیا ہوگی ۱

---

۱ - انتخاب کلام مسلم شعرائے بنگال ، بحوالہ یوسف زلیخا - ص ۹ تا ۱۱

## (۶۰)

# مولانا شاہ معظم دانشمند معروف بہ شاہ دولہ

**حالات :** حضرت مولانا شاہ معظم دانشمند مشہور بہ شاہ دولہ جو قادریہ سلسلے کے ایک بزرگ ھیں ۹۲۵ھ — ۱۵۱۹ء میں بغداد سے باگھا ضلع راج شاھی میں تشریف لائے[۱] ، ایک روایت کے مطابق آپ عباسی خلیفہ سلطان ھارون الرشید کی اولاد سے ھیں[۲] اور انھوں نے مخدوم پور کے ایک شاھی جاگیردار اللہ بخش برخوردار کی صاحبزادی زیب النساء سے شادی کی جو باگھا کے قریب رھتے تھے ، اور باگھا ھی میں آباد ھو گئے ، وھیں درس و تدریس کے لئے ایک مدرسے کا آغاز کیا ۔ کہتے ھیں کہ گوڑ کے ایک بادشاہ نے ان کو عقیدت مندی کی بنا پر کچھ زمین نذر کرنی چاھی ، لیکن انھوں نے انکار کر دیا ، آس پر اس نے ۲۲ گاؤں آن کے صاحبزادے شاہ حامد دانشمند کو دئے ، پھر آن کے پوتے شاہ عبد الوھاب دانشمند کو شہزادہ خرم نے جب وہ بنگال آیا تھا ۴۲ گاؤں دیے ، جن کی آمدنی اس زمانے میں ۸ ھزار سالانہ تھی[۳] ۔

۱۰۳۷ھ — ۱۶۲۷ء میں شاہ عبدالوھاب کے صاحبزادے شاہ محمد رفیق نے نصف جائداد وقف کر دی ، اور بقیہ نصف اپنے بھائی نور العارفین کی اولاد کے لیے رھنے دی ۔

شیخ محمد اکرام نے اپنی مشہور کتاب ”رود کوثر“ میں لکھا ہے

---

۱ - رود کوثر - ص ۳۶۸

۲ - سوشل ھسٹری آف مسلم ان بنگال ۔

۳ - ایضاً

کہ اُس وقت سے یہ وقف برقرار اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ قائم ہے ، اس وقف کا متولی مدرسہ ، مسجد ، مزار اور مسافروں کی نگہداشت کا انتظام کرتا ہے ، انیسوی صدی عیسوی کے شروع میں جب مسٹر اڈم نے بنگال بہار کے تعلیمی اداروں کا دورہ کیا ، اور اپنی مشہور تعلیمی رپورٹ مرتب کی اُس وقت اس مدرسے میں عربی ، فارسی کی تعلیم کا باقاعدہ انتظام تھا ، مسٹر اڈم نے اپنی رپورٹ میں قصبہ باگھا کے مدرسے کے متعلق کئی صفحات لکھے ہیں ، وقف کی آمدنی کے متعلق اس زمانے کے کلکٹر کا اندازہ تیس ہزار تھا ۱ -

اس سے ایک یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ باگھا شاہ دولہ کی آمد کے بعد اسلامی علوم و فنون کا مرکز بن گیا تھا ، اور اس کی یہ حیثیت اس وقت تک قائم تھی جب کہ ۶۶۲ھ — ۱۲۶۲ء میں شہزادہ خرم اپنے باپ جہانگیر سے بغادت کر کے بنگال آیا تھا ۱ -

۱ - رود کوثر - ص ۳۶۸

( ٦١ )

## شاہ مخدوم

رام بولیا (راج شاہی) کے مشہور بزرگ شاہ مخدوم بنگال کے صوفیہ میں غیر معمولی شہرت و عظمت رکھتے ہیں ، افسوس ہے کہ ان بزرگ کے حالات کسی تذکرے میں نہیں ملتے ، بنگال کے مشہور محقق ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی نے ہمارے ایک استفسار کے جواب میں اس پُر عظمت شیخ کے متعلق ہمیں جو کچھ لکھ کر بھیجا ہم اس کا اقتباس ذیل کی سطور میں پیش کرتے ہیں ۔ انھوں نے تحریر فرمایا کہ :

> حضرت شاہ مخدوم کے متعلق اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ ایک سید سند تھے ، ان کے مقبرے کے دروازے پر ایک کتبہ فارسی میں نصب ہے ، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علی قلی بیگ نامی ایک شخص نے سید سند شاہ درویش کا مقبرہ ۱۰۴۵ھ – ۱۶۳۴ء میں تعمیر کرایا تھا ، اس مقبرہ بنانے والے کا تعلق فرقۂ اثنا عشری سے تھا ۔

اب غور طلب سوال یہ کہ یہ شاہ درویش کون بزرگ ہیں جنھیں سید بتایا گیا ہے ، کیا یہی شاہ مخدوم ہیں یا یہ کوئی دوسرے بزرگ ہیں ؟ پھر یہ سوال بھی حل طلب ہے کہ فارسی کے یہ الفاظ ''سید سند شاہ درویش'' کا نام ہیں یا محض اسم صفت ؟ پھر یہ سوال بھی سامنے آتا ہے کہ ۱۰۴۵ھ – ۱۶۳۵ء کا زمانہ جو کتبہ میں منقوش ہے شاہ درویش کا ہے یا شاہ مخدوم کا ، یہ وہ الجھے ہوئے تاریخی مسائل ہیں جن کا حل تلاش کرنا ضروری ہے ۔

پھر ڈاکٹر صاحب نے ان مسائل کو حل کرتے ہوئے لکھا کہ میرا خیال ھے کہ کتبے کے الفاظ ان بزرگ کا اصلی نام نہیں ھے بلکہ صرف لقب ھے ، فارسی لفظ شاہ کے معنی صوفیوں کی اصطلاح میں روحانی مملکت کے بادشاہ کے ہیں ، اور درویش و مخدوم صوفیوں کے دو طبقوں کے القاب ھیں ، مولانا جلال الدین رومی نے ۱۲۰۷ھ — ۱۲۷۳ء صوفیا کا جو مدرسہ قائم کیا تھا ، وہ درویشوں کا سلسلہ کہلایا ، اس جماعت کے صوفی درویش کہلائے ، یہ فارسی لفظ ھے جس کے معنی ھیں اللہ سے لو لگانے والا ، مخدوم صوفیوں کا دوسرا سلسلہ ھے ، یہ لوگ زھد و تقویٰ کی ایک طویل زندگی گزارنے کے بعد معرفت الٰہی حاصل کرتے ھیں ، مخدوم کے معنی ھیں ، بزرگ اور محترم - یعنی جو اپنی عمر ، کردار ، اخلاق اور روحانی زندگی کی بنا پر لائق احترام ھو ، گزشتہ دور میں مخدوم اور درویش کے الفاظ اسم معرفہ کے طور پر شاید ھی کبھی استعمال کیے گئے ھوں ، حالانکہ اب پاک و ھند میں یہ الفاظ اسم معرفہ کے طور پر استعمال ھوتے ھیں ، اس سے یہ حقیقت ھمارے سامنے آتی ھے کہ راج شاھی کے لوگوں کو ان بزرگ کا اصل نام معلوم نہ تھا ، نہ علی قلی بیگ جس نے یہ کتبہ نصب کرایا تھا ، ان بزرگ کے اصل نام سے واقف تھا ، ساتھ ھی ساتھ یہ بات بھی ذھن میں آتی ھے کہ شاہ مخدوم اور شاہ درویش ایک ھی بزرگ کے دو القاب ھیں - کم ازکم اس وقت تک اس درگاہ کے متوسلین کو اس میں بالکل شبہہ نہیں کہ شاہ درویش اور شاہ مخدوم ایک ھی بزرگ ھیں -

محکمۂ آثار قدیمہ کے سابق ڈائرکٹر جناب شمس الدین احمد نے اپنی کتاب ''بنگال کے کتبے'' جلد چہارم میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ سید سند شاہ درویش کا رشتہ شیخ درویش سے ملتا ھے جو پنڈوہ کے مشہور بزرگ شیخ علاءالحق کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، انھوں نے فارسی کے ایک قلمی نسخے کی روشنی میں (جو مغربی بنگال کے مقام پنڈوہ مالدہ کی شاہ ھزاری درگاہ میں ابھی تک محفوظ ھے ) یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ھے کہ شیخ درویش شیخ علاء الحق کے پانچویں جانشین تھے ، لیکن تاریخی اعتبار سے ھر شخص کی چوتھی نسل کے لیے ایک صدی شمار

کی جائے تو شیخ درویش (۹۱۵ھ — ۱۵۰۹ء) سے زیادہ مدت تک زندہ نہیں رہ سکتے ، اس صورت میں شیخ درویش (۱۵۰۹ء) اور علی قلی بیگ (۱۰۴۵ھ — ۱۶۳۴ء) کے درمیان کم سے کم سوا سو برس کا فاصلہ ہے ، بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ ، اس کا مطلب یہ ہوا کہ درگاہ پاڑے شاہ مخدوم کا مقبرہ شیخ درویش کی وفات کے ایک سو پچیس برس بعد تعمیر ہوا ۔

اس کے علاوہ جناب شمس الدین احمد صاحب سید شاہ درویش اور شیخ درویش میں مماثلت قائم کرتے ہوئے یہ بھول گئے کہ شاہ درویش کے ساتھ سید کا لقب بھی لگا ہوا ہے ، اگر شیخ درویش کا سلسلۂ نسب شیخ علاءالحق سے ملتا ہے تو وہ یقیناً سید نہ تھے کیونکہ دوسرے شواھد اس کے خلاف پائے جاتے ھیں ، اس بنا پر ھمیں یہ ماننا پڑے گا کہ علی قلی بیگ نے جن بزرگ (شاہ درویش) کی یادگار قائم کرنے کے لیے یہ مقبرہ بنوایا ، ان کا اصل نام ھی انھیں معلوم نہ تھا ، البتہ انھیں یہ ضرور معلوم تھا کہ شاہ درویش سید سند تھے ، یعنی انھیں سید کا لقب دیا گیا تھا ، اس لیے ان دونوں بزرگوں کو ایک نہیں سمجھا جا سکتا ۔

ھم یہ بات پہلے واضح کر چکے ھیں کہ شاہ مخدوم ، مخدوم شاہ یا شاہ درویش اصل نام نہیں ھیں ، بلکہ عوام انھیں اس نام سے پکارتے تھے ، اور اس کی وجہ یہ بھی ھو سکتی ہے کہ مشرقی روایات کے مطابق لوگ اپنے پیر و مرشد کا نام لینا بے ادبی سمجھتے ھوں ، ھم مشرقی لوگوں میں یہ احترام و عقیدت آج بھی عام ہے ، مثلاً حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اب بھی ھم لوگ ”بڑے پیر“ کہتے ھیں ، اسی طرح خواجہ معین الدین چشتیؒ کو غریب نواز یا خواجۂ بزرگ کہا جاتا ہے ، اسی طرح سلسلۂ مداریہ کے مشہور شیخ شاہ بدیع الدین کو شاہ مدار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے ، شیخ اخی سراج کو ”پیران پیر“ یا ”دادا پیر“ اور شیخ نور قطب عالم کو ”قطب صاحب“ اور سید عباس علی مکی کو پیر گورا چاند کے لقب سے یاد کرتے ھیں ، ممکن ہے اسی طرح مخدوم شاہ کا اصل نام استعمال نہ ھونے کی وجہ سے لوگ بھول گئے ھوں ، اور پھر لوگوں کو صرف شاہ مخدوم یا مخدوم شاہ یاد رہ گیا

ہو ، اس کا بھی امکان ہے کہ جس وقت علی قلی بیگ نے یہ کتبہ نصب کرایا ہو ، اُس وقت لوگ شاہ مخدوم کو شاہ درویش بھی کہتے ہوں جو سید تھے -

اب حل طلب امر یہ ہے کہ مخدوم شاہ کس زمانے میں تھے ، یہ سوال جتنا اہم ہے اُس کا جواب اتنا ہی مشکل ہے ، بہرحال اس قدر یقینی ہے کہ وہ ۱۰۴۵ھ — ۱۶۳۴ء کتبہ نصب کرنے کی تاریخ سے بہت پہلے تھے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم اُن کے حالات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں اُن میں اور مسلمانوں کے ابتدائی عہد کے صوفیائے کرام کے حالات و واقعات میں بڑی مماثلت ملتی ہے، مثلاً شاہ مخدوم سے جو روایات منسوب ہیں وہ بنگال کے مشہور بزرگ شیخ جلال تبریزی (۶۲۲ھ — ۱۲۲۵ء) کے حالات سے بہت ملتی جلتی ہیں ، ان بزرگ کے حالات کتاب شیخ سبھودیا (شیخ کا ورود مسعود) اور دوسری کتابوں میں مذکور ہیں -

چنانچہ میری رائے ہے کہ شاہ مخدوم کا تعلق ترکی عہد کے ابتدائی زمانے سے ہے ، اور یہ مقبرہ ان بزرگ کے وصال کے خاصے عرصے بعد تعمیر کیا گیا ، جب کہ عوام اُن کا اصل نام فراموش کر چکے تھے ، اس لیے کتبے پر جو ان کا نام شاہ درویش درج ہے وہ ان کا اصل نام نہیں ہے ، بعینہ اسی طرح جیسے اُن کا موجودہ لقب مخدوم شاہ ان کا اصل نام نہیں ہے -

مقبرے کے طرز تعمیر کو دیکھ کر بھی اس بیان کی تائید ہوتی ہے ، اگرچہ یہ بہت چھوٹا ہے لیکن یہ پنڈوہ کے مشہور اکلخی مقبرے کے نمونے پر بنایا گیا ہے ، مجھے جناب شمس الدین احمد کے اس بیان سے بالکلیہ اتفاق ہے کہ مشہور بزرگ شاہ درویش بہت پہلے فوت ہوئے تھے ، اور مرور زمانہ کی وجہ سے ان کے مزار کی عمارت خراب و خستہ ہوتی گئی ، علی قلی بیگ نے اس مقبرے کو یا تو نئے سرے سے تعمیر کرایا ، یا بڑے پیمانے پر اس کی مرمت کرائی ، اور اُس پر نیا گنبد تعمیر کرایا تا کہ ان بزرگ کی یاد قائم رہے ، کتبے کے آخری حصے کی عبارت یہ ہے :

غـرض نقشت گز مـا یـاد مانـد
کـہ ہستی را نمے بینم بقـائے

**راج شاہی میں تشریف آوری :** رام پور بوالیا جو اب راج شاہی کہلاتا ہے ، یہاں حضرت شاہ مخدوم کی تشریف آوری کے بارے میں ایک دلچسپ روایت مشہور ہے ، جہاں تک کہ اندازِ بیان اور اس روایت میں شاہ صاحب کی روحانی طاقتوں کا ذکر ہے ، بنگال کے اکثر صوفیہ کے متعلق اسی قسم کی باتیں مشہور ہیں ، کہتے ہیں کہ جس زمانے میں شاہ مخدوم یہاں تشریف لائے ، اس وقت رام پور بوالیا دریائے پدما کے شمالی کنارے پر ماہی‌گیروں کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا ، ایک روز اس گاؤں کے کئی ماہی‌گیر دریا میں مچھلیاں پکڑ رہے تھے کہ انھوں نے دوسرے کنارے پر ایک عجیب شکل و صورت دیکھی ، یہ ایک طویل قامت انسان تھا ، جس کے سر پر ڈھیلا عمامہ اور اس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا ، اور وہ کھڑاؤں پہنے ہوئے پیدل دریا پار کر رہا تھا اور وہ اسی کنارے کی طرف آ رہا تھا جہاں ماہی گیر مچھلیاں پکڑنے میں مشغول تھے ، ماہی گیروں کو یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی اور وہ جال چھوڑ کر دریا کے کنارے جمع ہو گئے تاکہ معلوم کریں یہ عجیب و غریب کون شخص ہے ، کچھ اور لوگ بھی وہاں اکٹھے ہو گئے ، یہاں تک کہ لوگوں کا خاصا ہجوم ہوگیا ، یہ عجب و غریب انسان نہایت اطمینان سے دریا پار کر کے اس کنارے پر پہنچا جہاں یہ لوگ جمع تھے ، لوگوں نے ان کی عظمت کو محسوس کیا اور فرط عقیدت سے دعاؤں کے خواستگار ہوئے ، یہ شخص ان کے سامنے کھڑا رہا اور انھیں غور سے دیکھتا رہا ، پھر اس نے کہا کہ میرے لیے کچھ کھانا لاؤ ، لوگوں نے مٹی کے برتن میں کھانا پیش کیا ، وہ زمین پر بیٹھ گیا ، سر سے اپنا عمامہ اتارا اور اسے کھانے پر ڈھک دیا ، پھر اس بزرگ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ، کچھ دیر تک کچھ پڑھتے ہے ، پھر عمامے کو کھانے پر سے ہٹایا ، کھانا زندہ مچلیوں میں تبدیل ہو گیا اور مٹی کے برتن سونے کے بن گئے ، ماہی‌گیر آپ کی اس کرامت کو دیکھ کر آپ کے مرید ہو گئے ، اس کے بعد وہ شمال کی طرف بڑھے اور ایک جگہ بیٹھ گئے ، یہی جگہ اب

درگاہ پاڑا کہلاتی ہے۔

**رشد و ہدایت :** ماھی گیروں کے اسی گاؤں میں رہ کر آپ نے رشد و ہدایت کا چراغ روشن کیا، رفتہ رفتہ لوگ دور دور سے آ کر آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوتے گئے، یہاں تک کہ یہ چھوٹا سا گاؤں تبلیغ و اشاعت کا مرکز بن گیا، اور بہت سے باھر سے آنے والے لوگ آپ سے روحانی فیوض حاصل کرنے کے لیے مستقل طور پر وھیں آباد ہو گئے، جب رام پور کی آبادی حد سے بڑھی تو لوگوں کو قریب کے ایک گاؤں بوالیا میں آباد ہونا پڑا۔ رفتہ رفتہ رام پور اور بوالیا ایک شہر میں تبدیل ہو گیا اور بعد میں اس کا نام راج شاھی پڑا۔

**وفات و مزار :** اسی شہر میں حضرت شاہ مخدوم نے وفات پائی، اور یہیں مدفون ہوئے، اب جس جگہ آپ کا مزار پرانوار زیارت گاہ خاص و عام ہے وہ جگہ درگاہ پاڑا کہلاتی ہے، یہ جگہ راج شاھی گورنمنٹ کالج کے جنوب مغربی گوشے میں واقع ہے، آج بھی آپ کی درگاہ پر عقیدتمندوں کا غیر معمولی ھجوم رھتا ہے، راج شاھی کے نئے شادی شدہ جوڑے آپ کی درگاہ پر حاضری دیتے ھیں، اور اپنی ازدوجی زندگی کے لیے دعائے خیر کرتے ھیں۔ ھر سال عاشورے کے دن آپ کی درگاہ پر ایک میلہ لگتا ہے، جہاں شہر بھر کے تعزئے اکٹھے ہوتے ھیں، مرثیے پڑھے جاتے ھیں، اور بنوٹ کے کرتب دکھائے جاتے ھیں، راج شاھی شہریوں کے قلب میں آپ کی بڑی گہری عقیدت ہے اور یہاں کے باشندے بغیر مذھب و ملت آپ کا بڑا احترام کرتے ھیں۔

**درگاہ کے اوقاف :** لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کی درگاہ کے لیے بہت بڑی جائداد وقف تھی جو رام پور اور بوالیا کے قدیم مواضعات پر مشتمل تھی، یہ املاک پٹھانوں نے آپ کی درگاہ کے لیے وقف کئے تھے اور ان پٹھانوں میں سے کچھ لوگ درگاہ کے قریبی علاقے میں آباد ہو گئے تھے، اور یہی جگہ اب "درگاہ پاڑہ" کہلاتی ہے، اب اس علاقے کے لوگ پٹھانوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے، بعد میں مغلوں اور نوابوں نے بھی اس موقوفہ جائداد کو بحال رکھا اور ان کے دور میں بھی درگاہ کا انتظام

نہایت عمدگی سے چلتا رہا ، برطانوی عہد میں حکومت اور اس کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے اس درگاہ کے بہت سے سابقہ اوقاف قبضے سے نکل گئے ، اب موقوفہ جائداد نہایت مختصر ہے جو درگاہ اور اس کے گرد ڈھائی سو بیگھ زمین پر مشتمل ہے ، جس کی سالانہ آمدنی تقریباً چار ہزار روپے ہوتی ہے ، اس آمدنی سے چھوٹے سے دفتر املاک درگاہ اور اس سے ملحقہ جامع مسجد کے مصارف پورے کیے جاتے ہیں ، حضرت مخدوم شاہ کی درگاہ کی موجودہ املاک کا انتظام اور اس کے نگرانی کے فرائض حکومت مشرقی پاکستان انجام دیتی ہے [۱] -

---

۱ - حضرت شاہ مخدوم کے یہ تمام حالات محقق تاریخ صوفیائے بنگال ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی کے اس خط سے ماخوذ ہیں جو موصوف نے میرے بعض استفسارات کے جواب میں مجھے لکھا تھا - (مؤلف)

(۶۲)

## سید مرتضیٰ شاہ

**حالات :** سترھویں صدی عیسوی میں سید مرتضیٰ شاہ نے بحیثت ایک صوفی اور شاعر کے غیر معمولی شہرت حاصل کی ، آن کا اصل نام مرتضیٰ انندا ھے۔ آن کے والد ماجد کا نام سید حسن تھا ، سید حسن مرتضیٰ بریلی کے رھنے والے تھے ، ان کے پیر و مرشد کا اسم گرامی سید شاہ عبدالرزاق ھے ، سید مرتضیٰ شاہ کے والد سید حسن ترک وطن کر کے مرشد آباد میں سکونت پذیر ھوگئے تھے ، اسی شہر کے ایک قصبہ بالی گھاٹ میں سید مرتضیٰ شاہ کی ولادت ھوئی ، وہ شاہ نعمت اللہ فیروز پوری (متوفی ۱۰۷۵ھ — ۱۶۶۴ء) کے ھم عصر ھیں ، اور مرتضیٰ شاھی فقیر انھیں کی طرف اپنی نسبت کرتے ھیں ۔

مسلم بنگالی ادب میں ھے کہ سید مرتضیٰ کی دوستی شاہ نعمت اللہ سے تھی ، اس خصوصی محبت اور تعلق کی بنا پر جو ان دونوں بزرگوں میں تھا آج بھی جو درویش سید مرتضیٰ شاہ کے عرس میں حاضر ھوتے ھیں وہ وھاں سے رخصت ھو کر شاہ نعمت اللہ کے مزار پر فیروز پور حاضر ھوتے ھیں ، اور آن کے عرس تک وھیں ٹھہرتے ھیں ۔

رود کوثر میں ھے کہ اس دوستی کے باوجود جو سید مرتضیٰ اور شاہ نعمت اللہ میں تھی ، شاہ نعمت اللہ ان کی بعض غیر شرعی باتوں پر معترض رھتے تھے ، لیکن بعد میں انھوں نے یہ مخالفت ترک کر دی تھی ۔

سید مرتضیٰ شاہ کو سماع اور موسیقی سے غیر معمولی دلچسپی تھی ، اور سماع سے ان پر ایک وجد کی کیفیت طاری ھو جاتی تھی ۔

خزینۃ الاصفیاء میں ہے کہ سید مرتضیٰ شاہ راج محل میں رہتے تھے جو شاہ شجاع[1] کے زمانے میں بنگال کا صدر مقام تھا ، ان کے بعض طرنقے جوگیوں کے مماثل تھے ، صاحب کرامات تھے ، توحید خداوندی کے گیت گاتے رہتے تھے ، ان سے بہت سی کرامتیں منسوب کی جاتی ھیں ۔

**وفات :** سید مرتضیٰ شاہ نے ۱۰۷۳ھ - ۱۶۶۲ء میں جنگی پور اسٹیشن کے موضع سوتی میں وفات پائی ، اور سوتی ھی میں ان کا مزار ھے ، ان کا عرس ھر سال ۱۱ - ۱۲ اور ۱۳ رجب کو بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ھے ۔

**تصانیف :** سید مرتضیٰ شاہ بنگالی زبان کے بلند پایہ شاعر تھے ، بنگالی کے علاوہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ، صاحبِ تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں ایک یوگ قلندر ( جوگ قلندر ) اور دوسری پداولی مشہور ھیں ۔

یوگ قلندر اگرچہ ۶۰ یا ۷۰ صفحات پر مشتمل ھے لیکن بنگالی ادب کی اھم خصوصیات کی آئینہ دار ھے ، اس کتاب میں اسلامی تصوف اور ھندوانہ یوگ کے علوم کو نہایت عجیب طریقے پر سمویا گیا ھے ، اور یہ اپنے موضوعات میں دارا شکوہ[2] کی کتاب مجمع البحرین سے مشابہ ھے ،

---

۱ - شاھجہاں کا دوسرا لڑکا شاہ شجاع ۱۰۴۹ھ - ۱۶۳۹ء میں بنگال کا گورنر مقرر ھوا ، تقریباً تیس سال تک بنگال کی زمام حکومت اس کے ھاتھ میں رھی ۔ اس نے ڈھاکے کی بجائے راج محل کو اپنا صوبے کا صدر مقام بنایا ، اور تمام دفاتر راج محل میں منتقل کیے ، اس کے زمانے میں بنگالہ کا خراج ایک کروڑ سات لاکھ روپے وصول ھوتا تھا ۔

۲ - دارا شکوہ ، شاھجہاں کا سب سے بڑا لڑکا تھا ، جو اپنی دو بہنوں حور النساء اور جہاں آرا بیگم کے بعد ۲۱ صفر روز شنبہ ۱۰۲۴ھ - ۱۶۶۵ء کو بانو بیگم المخاطب بہ ممتاز محل کے بطن سے اجمیر میں بمقام ساگر تالاب پیدا ھوا ، ابو طالب کلیم نے اس کی تاریخ ولادت اس مصرع سے نکالی :

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۱ پر

یوگ قلندر عوام میں بے حد مقبول ہوئی ، اس کے اب تک متعدد قلمی نسخے بنگال میں ملے ہیں ، ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونیورسٹی نے حال ہی میں یوگ قلندر کو متعدد نسخے سامنے رکھ کر ایڈٹ کیا ہے ، اس کو ایڈٹ کرتے وقت جو نسخے ان کے پیش نظر رہے ان کی

---

(صفحہ ۳۷۰ کا بقیہ حاشیہ)

گل اولین گلستان شاہی
۱۰۲۴ھ

اس نے شیخ میرک بن فصیح الدین ہروی اور دوسرے علماء سے تعلیم حاصل کی ، شعر و سخن سے ذوق رکھتا تھا ، اور شاعری میں قادری تخلص کرتا تھا ، شاہجہان کو اپنی اولاد میں اس سے خاص لگاؤ تھا ، اس نے اسے '' شاہ بلند اقبال '' کا خطاب دے رکھا تھا ، اس کے مراتب و مناصب بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے زیادہ تھے ، شاہجہان اسے اپنے پاس ہی دارالخلافہ میں رکھتا تھا ، اس کا علمی مرتبہ بھی بلند تھا ، تصوف سے اس کو خاص دلچسپی ، اور صوفیائے کرام سے غیر معمولی عقیدت تھی ، صاحب تصانیف تھا ، اس کی تصانیف جن کا اس وقت تک پتہ چل سکا ہے حسب ذیل ہیں :

(۱)سفینۃ الاولیاء (۲) سکینۃ الاولیاء (۳) رسالہ حق نما (۴) حسنات العارفین یا شطحیات (۵) مجمع البحرین (۶) سر اکبر (۷) ترجمہ بھگوت گیتا (۸) بیاض دارا شکوہ (۹) دیوان دارا شکوہ (۱۰) دیباچۂ مرقع (۱۱) مثنوی (۱۲) نادرالنکات (۱۳) رسالہ معارف (۱۴) مکاتیب ۔

دارا شکوہ ۲۱ ذوالحجہ ۱۱۶۹ھ—۱۷۵۵ء اپنے بھائی اورنگ زیب عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا ، سیف خاں ، نظر بیگ چیلہ اور بعض دوسرے لوگوں نے اسے قتل کیا اور ہمایوں کے مقبرے کے تہ خانے میں جس میں شہزادہ دانیال اور شہزادہ مراد مدفون ہیں ، دفن کیا گیا ، جو لباس قتل کے وقت اس کے جسم پر تھا اسی لباس میں دفن کیا گیا ۔ (ماخوذ از فٹ نوٹ مقالات الشعرا بضمن قادری ۔ ص ۵۰۴تا۵۱۰ ۔

تعداد انھوں نے نو لکھی ہے ، جس میں سے دو نسخے عربی رسم الخط میں ہیں ، یوگ قلندر کی ابتدا اس طرح ہوتی ہے :

سب سے پہلے میں رب الارباب کی خدمت میں سر تعظیم خم کرتا ہوں اس کے بعد بارگاہ رسول پاک میں ، خدائے رحمٰن و رحیم قوی و حی القیوم ہے -

اٹھارہ ہزار عالم اسی کے پیدا کیے ہوئے ہیں -

یوگ قلندر میں وہ عالم ناسوت کی کیفیات کو منظوم کرتے ہوئے کہتے ہیں :

تیسرا (آسمان) ناسوت کا مقام ہے
اور عزرائیل فرشتہ یہاں متعین ہے
یہ ایک آگ کا عالم ہے
ایسی آگ جو کبھی بجھتی نہیں

ان کی دوسری تصنیف پداولی ہے ، جس میں پد ہیں ، سید مرتضیٰ شاہ کے ۲۶ پد اب تک مختلف رسالوں میں شائع ہوچکے ہیں [۱] -

**فارسی شاعری :** سید مرتضیٰ شاہ فارسی میں بھی شعر کہتے تھے ، ان کی فارسی کی ایک غزل جو ان کی طرف منسوب کی ہے جاتی ہے ہم یہاں نموتناً نقل کرتے ہیں :

فارغ از سود و بے غم از ضررم
دو جہاں را بہ نیم جو نہ خرم

از فریب جہاں خبر دارم
تانہ گوئی کہ مرد بے خبرم

قانعم هم چو شیر در بیشه
نه چو سگ بہر جیفه در بدرم

---

۱ - سید مرتضیٰ شاہ کے یہ حالات مسلم بنگالی ادب - ص ۲۱۲ تا ۲۱۷ اور خزینة الاصفیا سے ماخوذ ہیں -

سرخ رویم چو لعل رمانی
زر از آں روست زرد در نظرم

گزرآں است مرتضیٰ دنیا
بہتر آنست تیز تر گزرم[1]

---

۱ - رود کوثر - ص ۴۷۶ بحوالہ جنرل بنگال ایشیاٹک سوسائٹی -

## (٦٣)

# صوفی سید محمد دائم

**حالات :** حضرت صوفی سید محمد دائم بنگال کے مشہور بزرگ حضرت بختیار ماهی سوار کی اولاد میں سے هیں ، جو تقریباً پانچ سو سال هوئے چٹگانگ تشریف لائے۔

**بیعت :** صوفی محمد دائم نے چٹگانگ میں شاہ امانت اللہ کے دستِ حق پرست پر نقشبندیہ سلسلے میں بیعت کی جو صوفی شاہ عبدالرحیم شہید کے مرید و خلیفہ تھے ، لیکن وهاں اپنی راہ کو ناهموار پا کر اپنے پیر کی اجازت سے شاہ عبدالرحیم شہید کی خدمت میں ڈھاکہ حاضر هوئے ، شاہ عبدالرحیم نے آن کو دیکھ کر ارشاد فرمایا جاؤ تمھارا حصہ شاہ منعم پاکباز[۱] کے پاس پٹنہ میں ھے :

---

۱ - شاہ منعم بن امان بن عبدالکریم بن عبدالنعیم نقشبندی ، بہاری مشہور مشائخ میں تھے ، ان کا اصل وطن مضافات بہار میں قریہ '' بلوری '' تھا ،وہ شعبان ۱۰۸۲ھ - ۱۶۷۱ء میں مونگیر کے نواح قصبہ ''بچنان'' میں پیدا هوئے ، ابھی وہ بچے هی تھے کہ ان کے والد نے وفات پائی ، پھر ان کی پرورش ان کی والدہ کے دادا نے کی ، پھر وہ پٹنہ کے نواح باڑہ میں آئے ، اور سید خلیل الدین بن جعفر بن قطبی قادری کے دستِ حق پرست پر بیعت کی ، اور دس سال تک آپ کی خدمت میں رهے ، پھر دهلی پہنچے ، اور وهاں دس سال مقیم رہ کر مختلف علماء سے تعلیم حاصل کی ، اور شیخ فرهاد سے طریقت کا درس لیا ، اور ایک (باقی حاشیہ صفحہ ۳۷۶ پر)

**شاہ منعم پاکباز کی خدمت میں حاضری :** چنانچہ وہ شاہ منعم پاکباز[۲] کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور حضرت منعم پاکباز سے فیوض روحانی حاصل کرکے ڈھاکہ تشریف لائے۔

**ڈھاکہ میں قیام :** ڈھاکہ تشریف لانے کے بعد محلہ عظیم پورہ میں اس طرح مقیم ہوئے کہ اپنے دائرے سے کبھی باہر نہ نکلتے تھے، ان کے سجادہ نشینوں نے بھی ان کے بعد ان کی اس روش کی پابندی کی[۳]۔

**مقبولیت :** حضرت صوفی محمد دائم حق اللہ میں مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ دور دور سے طالبان حق آپ کے پاس روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے حاضر ہوتے، منشی رحمن علی طیش نے تواریخ ڈھاکہ میں لکھا ہے :

> حضرت صوفی محمد دائم قدس سرہ جن کا مزار شہر (ڈھاکہ) کے پچھمی حصے محلہ اعظم پورہ میں واقع ہے، اور انہیں سے یہ صوفی خانوادہ اعظم پورے میں کا قائم ہوا ہے، بڑے صاحب کمال شخص تھے، ان کے بعد حضرت شاہ لقیت اللہ قدس سرہ سجادہ نشین اس خانوادے کے ہوئے، یہ بڑے عارف کامل اور صوفی صاحب دل تھے، انھوں نے بھی امیری کے ساتھ فقیری کی، چاٹگام، نواکھالی اور کمرلہ کے اکثر اشخاص آپ کے مرید تھے۔

---

(صفحہ ۳۷۵ کا بقیہ حاشیہ)

طویل عرصے تک شیخ فرہاد کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ مرتبۂ کمال پر فائز ہوے، شیخ فرہاد کی وفات کے بعد عظم آباد واپس ہو کر مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی، اور بہت سے علماء و مشائخ آپ کے حلقۂ بیعت میں داخل ہوئے۔

شاہ منعم نے رجب ۱۱۸۵ھ — ۱۷۷۰ء میں عظیم آباد میں وفات پائی اور مسجد میر بدیع الدین عالمگیری کے صحن میں مدفون ہوئے۔

ان کی تصانیف میں ملہات منعمی اور ایک رسالہ حقائق و معارف مشہور ہے۔ (نزہۃ الخواطر - جلد ٦ - ص ۳۷۵)

۲ - ماخوذ از رود کوثر - ص ٦٦۳ -

آن کے بعد ان کے لڑکے شاہ صوفی ولی اللہ قدس سرہ اس خانوادے کے سجادہ نشین ہوئے ، انھوں نے حج کے واسطے مکۂ معظمہ جا کر وہیں انتقال فرمایا ۔

آن کے چچیرے بھائی حضرت صوفی شاہ وجیہہ اللہ قدس سرہ بڑے صاحب کمال و فاضل عدیم المثال تھے ، وہ بھی زیارت حرمین شریفین کو تشریف لے گئے ، اور وہیں قالب تہی کیا ، اس وقت دائرۂ شریف اعظم پورے میں حضرت صوفی شاہ ولی اللہ قدس سرہ کے لڑکے حضرت شاہ صوفی خلیل اللہ سجادہ نشین ہیں[1] ۔

**شریعت کی پابندی :** صوفی محمد دائم بے حد متبع شریعت تھے ، مزامیر کے ساتھ سماع کبھی نہیں سنتے تھے ، ان کا دائرہ اللہ اور اس کے رسول کے ذکر سے گونجتا رہتا تھا ۔

**اشاعت علم :** اشاعت علم سے صوفی محمد دائم کو غیر معمولی دلچسپی تھی ، آپ کی خانقاہ طالب علموں سے آباد تھی ، درس و تدریس کے لیے علماء مقرر تھے ، اور طلبہ اور اساتذہ کے کھانے پینے کا انتظام لنگر خانے سے ہوتا تھا ۔

**وفات :** صوفی محمد دائم نے ۱۲۱۴ھ — ۱۷۹۹ء میں وصال فرمایا ، آج بھی ڈھاکہ میں آپ کا مزار پُرانوار مرجع خاص و عام ہے[2] ۔

---

۱ ۔ تواریخ ڈھاکہ ۔ ص ۱۷۷ - ۱۷۸ ۔

۲ ۔ یہ تمام تفصیل رود کوثر ۔ ص ۶۷۴ سے ماخوذ ہے ۔

( ٦٤ )

# قاضی موکل

**حالات :** قاضی موکل اورنگ زیب کے زمانے میں دھلی کے قاضی القضات تھے ، آن کے دور ملازمت میں بادشاہ کے ایک سالے نے کوئی جرم کیا ، اس کا مقدمہ قاضی صاحب کی عدالت میں پیش ھوا ، ملکه کو جب یه معلوم ھوا که آس کے بھائی کا مقدمه قاضی صاحب کی عدالت میں پیش ھے تو آس نے ایک سفارشی خط قاضی صاحب کے نام لکھا ، جس میں آس نے بھائی کے معاملے میں درخواست کی تھی که اس کے معاملے کو نرمی سے دیکھا جائے ، اور اس کے ساتھ رعایت برتی جائے ، لیکن قاضی صاحب نے ملکه کے خط کی پرواہ نہیں کی ، اور رعایت و مروت کے مقابلے میں عدل و انصاف کا دامن نه چھوڑا ، اور جرم کی نوعیت کے مطابق اس کو سزا دے دی ، ملکه کو جب معلوم ھوا تو وہ سخت برھم ھوئی ، اور اس نے خفیه طور پر قاضی صاحب کو دھمکی دی ۔

**بنگال میں تشریف آوری :** قاضی صاحب نے مطلقاً اس دھمکی کی پروا نہیں کی ، اور شاھی ملازمت سے استعفا دے کر ترک وطن کر کے چاٹگام پہنچے ، اور مرسرہ میں سکونت اختیار کی ، اور وھیں مقیم ھو کر آخر عمر تک اعلاء کلمة الحق اور تبلیغ اسلام میں مصروف رھے ۔

**مزار :** قاضی موکل نے مرسرہ ھی میں وفات پائی ، آن کا مزار مبارک تھانه مرسرہ کے مشرق جانب ایک پرانے تالاب گوبلہ دگی کے شمالی ساحل کے قریب واقع ھے[1] ۔

---

۱ ۔ ھسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ، ص ۔ ۲٦۳

(٦٥)

## شاہ محمدی

**حالات :** شاہ محمدی ، شاہ نوری کے صاحبزادے تھے ، آپ کے والد نے آپ کا نام محمدی اس لیے رکھا تھا کہ اُن کے مرشد شاہ باگو کے بھانجے اور جانشین کا نام بھی محمدی تھا ۔ شاہ محمدی ابھی بچے ھی تھے کہ آپ کے والد کا سایۂ شفقت آپ کے سر سے اٹھ گیا ، ان کے بعد شاہ محمدی کی تعلیم و تربیت شاہ قمرالدین نے فرمائی[۱] ۔

**سجادگی :** شاہ نوری کی وفات کے بعد ، شاہ محمدی رونق افزائے بزم روحانیاں ہوئے ، شاہ محمدی علوم ظاہری و باطنی کی دولت سے مالا مال تھے ، فقر و درویشی کے ساتھ دولت دنیوی سے بھی نوازے گئے تھے ، صاحب کرامات تھے ، اور سارا شہر ان کا معتقد تھا ۔

**اتباع شریعت :** اتباع شریعت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت باوضو رہتے ، کوئی بے وضو ان کی محفل میں بار نہ پاتا تھا ، صائم الدھر تھے ۔

**فیاضی :** فیاضی کی یہ کیفیت تھی کہ جو علماء و مشائخ آپ کے پاس رہتے تھے ، اُن کے قیام کے لیے علحدہ علحدہ مکانات بنوائے تھے ، دونوں وقت پُر تکلف کھانے دسترخوانوں میں سجا کر ان کو بھجواتے ، لیکن خود فقر کی یہ کیفیت تھی کہ آپ صرف دال روٹی یا ساگ روٹی یا ساگ خشکہ تناول فرماتے تھے[۲] ۔

---

۱ ۔ آسودگان ڈھاکہ ۔ ص ۱۲۹ ۔
۲ ۔ تواریخ ڈھاکہ ۔ ص ۱۷۶ ۔ ۱۷۷ ۔

**وفات :** شاہ مہدی ۱۲۵۱ھ — ۱۸۳۵ء میں رحمت حق سے پیوست ہو گئے ، آپ کا مزار مگ بازار ڈھاکہ میں اسی احاطے میں ہے ، جس میں آپ کے والد کا مزار ہے ۔

مزار کے سرھانے یہ کتبہ نصب ہے :

رحمت بروح پاک او کہ مرقدش
پُر نور با ظہور فتوحات ایز دی ست
پُرسند گر تعین سال وفات او
گو درگہہ مقدس شاہ مہدی است ۱
۱۲۵۱ھ

۱ ۔ آسودگان ڈھاکہ ۔ ص ۱۳۰ ۔

## (٦٦)

# حضرت شاہ نعمت اللہ بت شکن

**حالات :** حضرت شاہ نعمت اللہ بت شکن کا شمار بنگال کے قدیم ترین صوفیہ میں ہوتا ہے آپ اپنی حیات میں اسی جگہ رہتے تھے جہاں آج آپ کا مزار پر انوار واقع ہے ۔

افسوس ہے کہ شاہ نعمت اللہ بت شکن کے متعلق ہمیں کوئی تفصیلات نہیں ملتیں ، صرف تذکروں سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُن بزرگوں میں ہیں جنھوں نے ابتدا میں بنگال میں اسلامی تبلیغ کے چراغ روشن کیے۔

بت شکن کے سلسلے میں ان کے متعلق یہ روایت مشہور ہے کہ ایک بڑی آبادی پانڈو ندی کے کنارے یعنی کھل گاؤں تک تھی[۱] ، اس آبادی کے ہندو باشندے جب اپنی مورتیاں بوڑھی گنگا میں لے جا کر ڈبوتے تھے تو انھیں حضرت شاہ نعمت اللہ بت شکن کی قیام گاہ کے سامنے سے ہو کر گزرنا پڑتا تھا ، جب کوئی بُت حضرت شاہ نعمت اللہ کے سامنے سے گزرتا تو اُن کے اشارے سے دو ٹکڑے ہو جاتا تھا ، اسی لیے آپ "بت شکن" کہلائے ۔

خدا جانے اس روایت میں صداقت کہاں تک ہے ، مگر یہ حقیقت ہے

---

۱ - غالباً یہ پٹھانوں کے عہد کا تذکرہ ہے ، کیونکہ پٹھانوں کا شہر جسے ڈھاکہ کہا جاتا تھا وہ مس ندی سے لے کر شمال کی جانب پانڈو ندی تک تھا ، مس ندی اصل میں مویشی منڈی کو کہتے تھے ۔ (ماخوذ از آسودگان ڈھاکہ ص ۱۲)

کہ وہاں ہندو آبادی ضرور تھی ، اور آج بھی وہاں ہندو آبادی کے آثار پائے جاتے ہیں ۔

**مزار :** شاہ نعمت اللہ کا مزار پُر انوار ڈھاکہ میں " باغ دلکشا " کے متصل علحدہ احاطے میں دکنی صاحب کی مسجد کے جانب شمال میں ایک بلند چبوترے پر واقع ہے ، مسجد دکنی صاحب اپنے طرز تعمیر کے لحاظ سے پٹھانوں کے عہد کی تعمیر معلوم ہوتی ہے ۔

آپ کے مزار مبارک کے ساتھ ہی آپ کے دائیں اور بائیں آپ کے دو ُخلفاء کے مزارات ہیں[1] ۔

---

۱ - یہ تمام تفصیل آسودگان ڈھاکہ ۔ ص ۳۰ ۔ ۳۱ سے ماخوذ ہے ۔

(٦٧)

# شیخ نورالحق والدین
### معروف بہ
# شیخ نور قطبِ عالم

**نام و خاندان:** شیخ نور الحق و الدین جو شیخ نور قطب عالم کے نام سے مشہور ہیں ، حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق بنگالی کے بڑے صاحبزادے تھے ، انھوں نے بنگال میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کو غیر معمولی ترقی اور فروغ بخشا ، ریاض السلاطین میں ہے کہ وہ سلطان غیاث الدین اعظم شاہ[1] کے ہم جماعت تھے ، اور انہوں نے قاضی

---

[1] - سلطان غیاث الدین بن سکندر شاہ اپنے والد کی وفات کے بعد بنگال کے تخت سلطنت پر بیٹھا ، اس نے سب سے پہلے اپنے علاتی بھائیوں کی آنکھیں نکلوا کر اپنی ماں کے پاس بھیجیں تاکہ ان کی طرف سے کوئی خطرہ نہ رہے ۔

منقول ہے کہ ایک دفعہ وہ بیمار ہوا اور اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا ، اس نے اپنے تین مصاحبوں کو جن میں سے ایک کو سرو ، دوسرے کو گل اور تیسرے کو لالہ کہتے تھے ، وصیت کی کہ اس کے مرنے کے بعد وہ اس کو غسل دیں ، جب حق تعالیٰ نے اس کو صحت دی تو اس نے ان تینوں کے مراتب میں اور بھی اضافہ کیا ، لیکن اس کے دوسرے ندما ان کو حسد سے غسال کہنے لگے ، ایک

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۶ پر)

(صفحہ ۳۸۵ کا بقیہ حاشیہ)

روز انبساط کے موقع پر ان تینوں نے بادشاہ سے اس امر کی شکایت کی ، سلطان کے ذہن میں فوراً یہ مصرع آیا ۔ ع

ساقی ، حدیث سرو و گل و لالہ میرود

لیکن سلطان غیاث الدین اس پر دوسرا مصرع نہ لگا سکا ، سلطان غیاث الدین نے اپنا یہ مصرع لکھ کر حضرت حافظ شیرازی کو بھجوایا ، حافظ نے برجستہ اس پر یہ دوسرا مصرع لگا کر سلطان کو بھیجا ۔ ع

ایں بحث با ثلاثۂ غسالہ میرود

پھر اس پر ایک پوری غزل اس کو لکھ کر بھیجی ، جس کے دو شعر یہ ھیں :

شکر شکن شوند همه طوطیان هند
زیں قند پارسی که به بنگاله میرود
حافظ ز شوق مجلس سلطان غیاث دیں
خامش مشو که کار تو از ناله میرود

سلطان غیاث‌الدین نیک سیرت انسان تھا ، اور متبع شریعت تھا ، اس کے عدل و انصاف کے بعض واقعات صاحب ریاض السلاطین نے اپنی کتاب میں دیے ھیں ۔

سلطان غیاث الدین ابتدا ھی سے حضرت نور قطب عالم سے بے حد عقیدت رکھتا تھا اور آپ کا ھم عصر اور ھم سبق تھا ، دونوں نے شیخ حمید الدین کنج نشیں نا گوری سے تعلیم حاصل کی تھی ، ساری عمر سلطان غیاث الدین شیخ نور قطب عالم کی خدمت کرتا رھا ، ۷۷۵ھ — ۱۳۷۳ء میں راجا کانس (گنیش) زمیندار نے دغا سے اس کو قتل کرایا ، سلطان غیاث الدین کی **مدت** حکومت سات سال اور چند ماہ تھی ۔

(ماخوذ از ریاض السلاطیں ۔ ص ۱۰۵ - ۱۰۶ - ۱۰۸ - ۱۰۹)

حمید الدین ناگوری۱ سے تعلیم حاصل کی تھی۔

**بیعت و خلافت:** شیخ نور قطب عالم نے اپنے والد حضرت شیخ علاء الحق کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔

---

۲۔ قاضی حمید الدین کا اصل نام محمد، ان کے والد کا نام عطا اللہ محمود التجاری تھا، مگر یہ مشہور حمید الدین کے نام سے تھے، ان کے والد سلطان شہاب الدین غوری کے زمانے میں بخارا سے دہلی تشریف لائے، اور یہیں ان کا انتقال ہوا، قاضی حمید الدین ناگور کے عہدۂ قضا پر تین سال تک مامور رہے، اس کے بعد دنیا سے کنارہ کش ہو کر بغداد پہنچے اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی سے بیعت ہو کر آن سے خرقۂ خلافت حاصل کیا، اسی زمانے میں خواجہ قطب الدین بختیار اوشی بغداد میں تھے، آن سے ان کے گہرے مراسم قائم ہو گئے، اس کے بعد اپنے شیخ کی اجازت سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے، وہاں تین سال قیام کر کے سلطان شمس الدین ایلتمش کے زمانے میں دہلی تشریف لائے، اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ساتھ رہنے لگے، قاضی حمید الدین ناگوری کی بیعت اگرچہ سلسلۂ سہروردیہ میں تھی مگر حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی خدمت میں رہنے کی وجہ سے وہ چشتی سمجھے جاتے ہیں۔ لطائف اشرفی میں ہے کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے انہیں خرقۂ خلافت بھی عطا کیا تھا، اگرچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے انہیں سے علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی تھی، اور وہ خواجہ صاحب کے آستاد بھی تھے۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ محمد حمید الدین ناگوری قدس سرہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید و خلیفہ تھے، لیکن سماع میں غیر معمولی غلو رکھتے تھے۔ اگرچہ بعض سہروردی شاذ و نادر ہی سماع سنتے ہیں لیکن ان کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار اوشی کی صحبت کی وجہ سے سماع سے

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۸ پر)

(صفحہ ۳۸۷ کا بقیہ حاشیہ)

غیر معمولی دلچسپی تھی ، اور اس میں وہ استغراق اور غلو رکھتے تھے -

اخبار الاخیار میں ہے کہ قاضی حمید الدین پر سماع اس قدر غالب تھا کہ اس زمانے میں ان کے برابر کوئی غلو نہ رکھتا تھا ، اس دور کے علماء نے آن کے خلاف محضر مرتب کیا تھا - ان کے بعد شیخ نظام الدین محبوب الٰہی نے سماع کے سلسلے کو جاری رکھا ، اور تغلق شاہ کے زمانے میں آن کے خلاف بھی محضر مرتب ھوا ، اور اس محضر میں وھی تمام دلائل پیش کیے گئے جو قاضی حمید الدین ناگوری کے خلاف پیش کیے گئے تھے -

قاضی حمید الدین کی عظمت و جلالت شان کا اس سے اندازہ ھوتا ہے کہ خزینۃ الاصفیا میں ہے کہ آن کے متعلق شیخ شہاب الدین عمر سہروردی فرماتے تھے بلکہ انھوں نے بعض رسائل میں بھی لکھا ہے کہ میرے ھندوستان کے خلفاء میں سب سے بڑے حمیدالدین ھیں -

مولانا قطب الدین کاشانی دھلی آئے تو فرمایا کہ میں حمید الدین کے عشق کی وجہ سے دھلی آیا ھوں ، ایک روز انھوں نے قاضی حمید الدین کے رسائل طلب کیے ، اور ان کا مطالعہ کرتے ھوئے ان دانشمندوں سے فرمایا جو آس وقت آن کے پاس جمع تھے کہ دوستو ! تمھیں معلوم ھونا چاھیے کہ جو کچھ ھم نے اور تم نے پڑھا ہے وہ ان رسائل میں موجود ہے ، اور جو کہ ھم نے اور تم نے پڑھا نہیں اور ان علوم کو پا بھی نہیں سکتے وہ بھی ان میں موجود ھیں -

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی فرمایا کرتے تھے کہ جو حال و کمال آن کو بارگاہ الٰہی سے ملا ہے وہ ھر شخص کا حصہ نہیں -

بابا فرید گنج شکر کو بھی ان سے غیر معمولی عقیدت تھی ، وہ (باقی حاشیہ صفحہ ۳۸۹ پر)

(صفحہ ۳۸۸ کا بقیہ حاشیہ)

اپنے ملفوظات میں قاضی حمید الدین کے ملفوظات کا بار بار حوالہ دیتے تھے۔

سیر العارفین کے مولف مولانا جمالی نے ان کو علم و وقار کا کوہ، بحر اسرار کا لجہ اور ثانی ابو سفیان ثوری کہا ہے۔

غوثی مانڈوی نے اپنی مشہور کتاب گلزار ابرار میں لکھا ہے کہ قاضی حمید الدین کو رسمی علوم میں اجتہاد کا درجہ حاصل تھا۔ صاحب تصانیف تھے، اخبار الاخیار میں ہے کہ:

قاضی حمید الدین را تصانیف بسیار است، بزبان عشق و ولولہ سخن میکند۔

سیر العارفین میں ہے کہ:

شیخ حمید الدین محمد را در سلوک و اسرار تصانیف بسیار است

غوثی مانڈوی نے گلزار ابرار میں آپ کے علم و فضل، شاعری اور سخن سنجی کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ:

سخن دانی و سخنوری میں آپ کو بہت کچھ کمال تھا، اور آپ کی تصنیفات آپ کی سخن دانی کی گواہ ہیں۔

قاضی حمید الدین صاحب تصانیف کثیرہ تھے، آن کی سب سے مشہور تصنیف ''طوالع الشموس'' ہے۔ گلزار ابرار میں ہے کہ طوالع الشموس دو جلدوں پر مشتمل ہے جس میں انھوں نے اسمائے حسنی کی شرح کی ہے، صاحب سیرالعارفین نے ان کی ایک اور کتاب لوائح کا بھی تذکرہ کیا ہے۔

قاضی حمید الدین کے مکاتیب کی دل آویزی اور ان کے ادب کی شیرینی کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ صاحب فوائد الفواد نے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی کی زبانی روایت نقل کی ہے کہ ایک دفعہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۰ پر)

(صفحہ ۳۸۹ کا بقیہ حاشیہ)

کی محفل میں حضرت بابا فرید گنج شکر کے ذوق سماع کا تذکرہ چلا، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی نے فرمایا کہ ایک دن حضرت بابا فرید گنج شکر سماع سننا چاہتے تھے لیکن اتفاق سے کوئی قوال موجود نہ تھا ، حضرت بابا فریدگنج شکر نے حضرت بدرالدین اسحاق علیہ الرحمہ سے فرمایا کہ وہ خط جو قاضی حمید الدین نے ہمیں لکھا ہے ، لے کر آؤ ، حضرت بدر الدین اسحاق وہ تھیلہ اٹھا کر لائے کہ جس میں آپ کے خطوط جمع رہتے تھے، خط نکالنے کے لیے اس میں ہاتھ ڈالا ، اتفاق سے جو خط سب سے پہلے ہاتھ آیا وہ قاضی حمید الدین ناگواری کا خط تھا ، وہ اس خط کو لے کر حضرت بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت بابا فرید نے آن سے فرمایا کہ یہ خط کھڑے ہو کر پڑھو ، انھوں نے کھڑے ہو کر خط پڑھنا شروع کیا ، وہ خط یہ تھا :

فقیر حقیر ، ضعیف نحیف محمد عطا کہ بندۂ درویشان است
و از سر و دیدہ خاک قدم ایشان ۔

شیخ بدر الدین اسحاق اسی قدر پڑھ پائے تھے کہ حضرت بابا فرید پر ایک وجد و حال کی کیفیت طاری ہوئی ، پھر آپ عالم شوق میں اس رباعی کو پڑھنے لگے جو اس خط میں لکھی ہوئی تھی ۔

آں عقل کجا کہ در کمالِ تو رسد
آں روح کجا کہ در جلال تو رسد
گیرم کہ تو پردہ بر گرفتی ز جمال
آں دیدہ کجا کہ در جمالِ تو رسد

سیر العارفین میں ہے کہ اس دن چاشت سے لے کر شام تک اس رباعی پر آپ پر وجد و حال کی کیفیت طاری رہی ۔

قاضی حمید الدین ناگوری نے ۹ رمضان ۶۰۵ھ — ۱۲۰۸ء تراویح کے اور وتر کے بعد سر سجدے میں رکھا اور رحمتِ حق سے پیوست ہو گئے حالانکہ آپ کو کوئی بیماری نہ تھی ۔ (سیر العارفین ۔ ص ۱۵۵

( باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۱ پر )

**ریاضتیں اور مجاھدے :** صاحب اخبار الاخیار نے آن کی ریاضتوں اور مجاھدوں کو بیان کرتے ھوئے لکھا ھے کہ وہ ھندوستان کے مشاھیر اولیاء میں تھے ، صاحبِ عشق و محبت ، اھل ذوق و شوق اور صاحب تصوف و کرامات تھے ، اپنے والد کی خانقاہ کے فقیروں کے کپڑے دھونا اور ان کے لیے پانی گرم کرنے کی خدمت ان کے سپرد تھی ، اس کے علاوہ وہ اپنے والد کی خانقاہ کے فقرا کی ھر خدمت بجا لاتے ، آٹھ سال تک آنھوں نے خانقاہ کی لکڑیاں کاٹیں ۔ خانقاہ کے درویشوں میں سے کوئی بیمار ھوتا تو اس کی تیمارداری کرتے ۔

ایک دن آپ کے والد حضرت شیخ علاء الحق نے آپ سے فرمایا کہ نور الحق ! دیکھو جس جگہ عورتیں پانی بھرتی ھیں وھاں کی زمین میں پھسلن ھو گئی ھے ، پاؤں پھسلتے ھیں ، اور برتن ٹوٹ جاتے ھیں ، تم

---

(صفحہ ۳۹۰ کا بقیہ حاشیہ)

(اردو ترجمہ گلزار ابرار ص ۴۵ - ۴۶)

صاحب گلزار ابرار نے ان کی تاریخ وفات ۲۹ رمضان ۶۴۳ھ — ۱۲۴۵ء لکھی ھے ، صاحب اخبار الاخیار نے ان کا سنہ وفات ۶۰۵ھ — ۱۲۰۸ء لکھا ھے ، صاحب لطائف اشرفی نے ان کا سنہ وفات ۶۴۱ھ — ۱۲۴۳ء اور صاحب خزینۃ الاصفیاء نے ان کا سنہ وفات ۶۷۸ھ — ۱۲۷۹ء لکھا ھے ، ان کا مزار خواجہ قطب الدین کے پاس ایک بلند چبوترے پر ھے ۔ سیر العافین اور خزینۃ الاصفیا میں ھے کہ قاضی حمید الدین ناگوری نے تمام عمر میں صرف تین بزرگوں کو مرید کیا تھا ، ان میں سے ایک شخص احمد نہروانی تھے ، دوسرے عین الدین قصاب اور تیسرے شیخ حسن رسن تاب تھے ۔

قاضی حمید الدین ناگوری کی وفات کے بعد آن کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیز علی مسند آرائے رشد و ھدایت ھوئے ، انھوں نے ۶۸۰ھ — ۱۲۸۱ء میں وفات پائی ۔

(ماخوذ از اخبار الاخیار ص ۳۷ ۔ سیر العارفین ص ۱۴۷ تا ۱۵۱ ۔ خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص ۳۰۹ تا ۳۱۳ )

انہیں اپنے سر پر رکھ کر پانی نکال دیا کرو ، اس ارشاد کی تعمیل میں چار سال تک حضرت نور قطب عالم نے یہ خدمت انجام دی ، عرس کے زمانے میں بھی آپ پانی بھرتے تھے [۱] -

ملفوظات شیخ حسام الدین مانکپوری میں ہے کہ اس زمانے میں کہ حضرت شیخ نور الدین قطب عالم اپنے والد کی خانقاہ میں لکڑیاں کاٹ کر لاتے تھے ، ان کے بھائی شیخ اعظم خاں نے جو وزیر سلطنت بھی تھے ، آن کو دیکھا کہ وہ اپنے کاندھے پر لکڑیاں لیے چلے آ رہے ہیں ، انھوں نے شیخ نور قطب عالم کو اس حال میں دیکھ کر کہا کہ نور الدین ! تم کب تک خانقاہ کی لکڑیاں اپنے کاندھے پر ڈھوتے رہو گے ، میرے پاس آؤ تاکہ میں تمھیں دولت و جاہ سے مالا مال کر کے اس تکلیف سے مستغنی کر دوں ، شیخ نور قطب عالم نے ان کو ہنستے ہوئے جواب دیا کہ مجھے اس فانی دولت و حشمت کی کہ جس سے آپ مجھے نوازنا چاہتے ہیں ضرورت نہیں . مجھے تو خانقاہ کی لکڑیاں ڈھونا آپ کی وزارت عظمیٰ سے زیادہ عزیز ہے [۲] -

**راجہ کینس اور اس کے مظالم :** حضرت شیخ نور قطب عالم نے بنگال میں اس وقت رشد و ہدایت کی شمع روشن کی جب کہ بنگال نہایت سخت سیاسی بحران سے گزر رہا تھا ، سلطان شمس‌الدین ایلتمش کی وفات کے بعد راجہ کنس (گنیش) بنگال پر قابض ہو چکا تھا ، اس نے اپنی حکومت کی بنیاد ظلم و سفاکی پر رکھی تھی ، وہ چاہتا تھا کہ عیاذاً باللہ وہ اپنی حکومت کے حدود میں اسلام کو ختم کر دے ، اسی منصوبے کے تحت آس نے بنگال کے مسلمانوں اور اکابر علماء و مشائخ کو شہید کر ناشروع کر دیا -

کہتے ہیں کہ ایک روز شیخ بدر الاسلام ولد شیخ معین الدین عباس اس ظالم کے سامنے بغیر سلام کے بیٹھ گئے ، راجا کنس نے غضبناک ہو کر آن سے پوچھا کہ تم نے مجھے سلام کیوں نہیں کیا ؟ شیخ بدر الاسلام

---

۱ - اخبار الاخیار - ص ۱۵۲

۲ - خزینۃ الاصفیاء - جلد اول - ص ۳۹۲ بحوالہ ملفوظات شیخ حسام‌الدین مانک پوری -

نے جواب دیا کہ اهل علم کے لئے کافـروں کو سلام کرنا روا نہیں ، خصوصاً تو کہ ظالم و سفاک ہے اور مسلمانوں کا خون بہا رہا ہے ، اس جواب پر راجا کنس اور بھی بپھر گیا ، اور آپ کو شہید کرنے کی فکر میں لگ گیا ، ایک دن وہ ایسے مکان میں جس کا دروازہ تنگ اور چھوٹا تھا بیٹھا ، اور اس نے شیخ کو طلب کیا ، اس سے آس کا مطلب یہ تھا کـہ شیخ جب دروازے میں داخل ہوں گے تو دروازہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے جھک کر داخل ہوں گے ، اور اس طرح میں آن سے اپنی تعظیم کا مقصد پورا کرا لوں گا ، لیکن شیخ جب اس دروازے میں داخل ہوئے تو انہوں نے بجائے سر جھکا کر داخل ہونے کے پہلے پاؤں دروازے میں رکھا ، اور اس طرح دروازے میں داخل ہوئے کہ سر جھکنے نہیں پایا ، یہ دیکھ کر راجا کنس اور بھی آگ بگولہ ہوگیا ، اور اس نے مشتعل ہوکر حکم دیا کہ ان کو ان کے ساتھیوں میں بٹھایا جائے ، جنھیں اس نے اپنے ظلم کا نشانہ بنانے کے لیے پہلے اکٹھا کیا تھا پھر اس نے شیخ کو شہید کرا دیا ، اور بقیہ علماء کو جو وهاں بیٹھے ہوئے تھے ایک کشتی میں بٹھا کر دریا میں غرق کرا دیا ۔

یہ دور بنـگال میں مسلمانوں اور اسلام کے لیے نہایت کٹھن تھا ، راجا کنس اور اس کی حکومت کی طـاغوتی طاقتیں اس فکر میں لگی ہوئی تھیں کہ بنگال سے عیاذاً باللہ اسلام کو نیست و نابود کر دیا جائے ، اس ماحول نے حضرت شیخ نور قطب عالم کو بے حد متاثر کیا ، انہوں نے تہیـہ کر لیا کہ ظلم کے خبیث درخت کو اکھاڑ کر اسلام کو سر بلند کیا جائے ۔

**سلطان ابراهیم شرقی کے نام حضرت نور قطب عالم کا خط :** راجا کنس (گینش) کے ان مظالم کو دیکھ کر شیخ نور قطب عالم نے سلطان ابراهیم شرقی والی جونپور کو ایک خط تحریر فرمایا ، جس کا ماحصل یہ تھا کہ :

> کنس نامی ایک کافر و بے دین حاکم اس ملک پر غالب آگیا ہے اور ظلم و خوں ریزی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہے اکثر علماء و مشائخ کو اس نے قتل کرا دیا ہے ، اور اب بقیہ اهل اسلام کی فکر

میں ہے ، بادشاہان اسلام پر مسلمانوں کی حفاظت واجب ہے ؛ میں آمید کرتا ہوں کہ آپ یہاں آ کر مسلمانوں کو اس کے ظلم سے نجات دلائیں گے ۔

**سلطان ابراہیم شرق کے مشورے :** شیخ نور قطب عالم کا جب یہ خط سلطان ابراہم شرقی[1] کو ملا تو اس نے نہایت عزت و احترام سے اس کو پڑھا ، اور سید اشرف جہانگیر سمنانی اور قاضی شہاب الدین[2] دولت آبادی سے مشورہ طلب کیا ، سید اشرف جہانگیر سمنانی نے سلطان ابراہیم شرق کے جواب میں جو خط لکھا ، اس میں تحریر فرمایا :

---

۱ - سلطان فیروز تغلق کا وزیر خواجہ جہاں جب شہزادوں کے جنگ و جدل دیکھ کر جون پور چلا آیا تو اس نے یہاں ایک آزاد حکومت (سلطنت شرقیہ) کی بنیاد ڈالی ، شاہ ابراہیم شرق سلطنت شرقیہ کا تیسرا بادشاہ تھا جو اپنے باپ مبارک شاہ کی وفات کے بعد ۸۰۳ھ — ۱۴۰۰ء میں تخت سلطنت پر بیٹھا اس نے ۸۴۴ھ — ۱۴۴۰ء میں وفات پائی ، مراۃ الاسرار میں ہے :

سلطان ابراہیم بادشاہ نیک و درویش دوست و رعیت پرور بود ، و خلائق بعہد آو در مہد امن و آسائش قرار گرفت ۔

اس نے اپنی سلطنت میں شریعت اسلامیہ کو رواج دینے کے لیے قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے '' فتاوی ابراہیم شاہی '' مرتب کرایا تھا ، سلطان ابراہیم نے چالیس سال اور چند ماہ حکومت کی (سیر المتاخرین - ص ۱۳۹ ، ۱۴۴ و بزم صوفیہ - ص - ۴۵۹ -

۲ - سلطان ابراہیم مشرق کے حالات کے ضمن میں صاحب تاریخ فرشتہ نے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے متعلق لکھا ہے کہ :

و از جملہ فضلائے عصر قاضی شہاب الدین جون پوری است اصل او از غزنین است ، در دولت آباد دکن نشو و نما یافت ، سلطان ابراہیم در تعظیم و توقیر آو بسیار میکوشید و در روزھا در مجلس آو بر کرسی می نشست ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۹۵ پر)

" اگر آپ کی مدد اور آپ کی فوجوں کی اعلیٰ ھمتی سے یہ متبرک ھستیاں صاحبزدگان اور ان کے سلسلۂ نسب سے تعلق رکھنے والے خاندان حضرت قطب عالم کے دوسرے افراد اس کالے کافر کے پنجوں سے نجات پا جائیں تو یہ ایک بہترین کارنامہ ہوگا۔

میں جو کہ مجروح فقیر ھوں علائی سلسلے کا، میں آپ کے اس عزم پر جو آپ نے کیا ھے، مبارک باد دیتا ھوں، اور اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ھوں کہ وہ بنگال کو ان کافروں کے ھاتھ سے نجات دے، میں نے ابھی ابھی اللہ تعالیٰ کے حضور میں سورۂ فاتحہ پڑھی ھے اور اس سے انصاف طلب کیا ھے، کیونکہ آپ کا اور آپ کے آمرا کا مقصد سرزمین بنگال کو آزاد کرانا ھے، اور اسلام کے علم کو سربلند کرنا ھے، انشاءاللہ تعالیٰ آپ اپنے مقصد میں بہترین طریقے پر کامیاب ھوں گے۔ کیونکہ بادشاہ کا یہ قطعی اور صحیح فیصلہ حضرت مخدوم (علاءالحق) کے صاحبزادے کی تمنا کے

---

(صفحہ ۳۹۴ کا بقیہ حاشیہ)

اخبارالاخیار میں ھے کہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی جن اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے وہ شرح سے بے نیاز ھیں، اگرچہ آن کے زمانے میں بہت سے علماء اور دانشور تھے لیکن جو شہرت اور مقبولیت اپنے ھمعصروں میں ان کو حاصل تھی وہ آن کے زمانے میں کسی دوسرے کو میسر نہ آسکی، صاحب تصانیف تھے، ان کی تصانیف میں حواشی کافیہ ھیں، یہ تصنیف ان کی زندگی ھی میں بے حد مقبول ھوئی، ان کی دوسری تصنیف بلاغت میں مجمع البیان ھے اس کے علاوہ انھوں نے " بحر مواج " کے نام سے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی تھی، اس کے علاوہ ان کے بعض رسائل اور کتب بھی ھیں، مناقب السادات کے نام سے انھوں نے اھل بیت رض اطہار کے فضائل و مناقب پر ایک رسالہ بھی لکھا تھا، شعر بھی کہتے تھے، قاضی شہاب الدین نے ۸۴۸ھ — ۱۴۴۴ء میں وفات پائی، ان کا مزار جون پور میں ھے (اخبارالاخیار - ص ۱۸۰)۔

مطابق اور اُن کے مقصد کی تکمیل کے لیے معاون و مددگار ہے لہذا آپ کو اس بزرگ ہستی کی عقیدت میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرنی چاہیے ، اور کبھی جان بوجھ کر اُن سے ملنے سے گریز نہ کرنا چاہیے اور ان کے مقصد کے حصول کے لیے لڑنے سے روگردانی نہ کرنی چاہیے''[1]

قاضی شہاب الدین دولت آبادی نے بھی سلطان ابراہیم شاہ کو اُس کے مشورے پر ترغیب دی کہ سلطان کو جلد روانہ ہونا چاہیے کہ اس یورش میں دینی فوائد کے علاوہ بنگال بھی قبضے میں آئے گا ، اور حضرت نور قطب عالم کی بھی زیارت ہوگی -

**سلطان ابراہیم کی بنگال کو روانگی :** چنانچہ سلطان ابراہیم ایک فوج کے ساتھ بنگال روانہ ہوا ، اور سرائے فیروز پور میں منزل انداز ہوا ، راجا کنس کو جب اُس کی آمد کی خبر ہوئی تو بے حد پریشان ہوا ، اور گھبرا کر حضرت نور قطب عالم کے پاس دوڑ کر آیا ، اور نہایت عاجزی و زاری سے معافی کا طالب ہوا ، حضرت نور قطب عالم نے اس سے فرمایا کہ میں ایک کافر ظالم کی سفارش کر کے سلطان کو جہاد سے نہیں روک سکتا - راجہ کنس نے کہا اب آپ جو ارشاد فرمائیں میں اس کی تعمیل کے لیے حاضر ہوں ، حضرت نور قطب عالم نے اس سے فرمایا جب تک تو اسلام قبول نہیں کرے گا میں تیری سفارش نہیں کر سکتا ، کنس نے کہا اچھا میں اسلام قبول کرتا ہوں ، لیکن اس کی بیوی نے اس کو بہکا دیا -

**جدو کا اسلام اور تخت نشینی :** آخر وہ اپنے لڑکے کو لے کر ، جس کا نام جدو تھا حضرت نور قطب عالم کے پاس آیا اور کہا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور اب سلطنت چھوڑنے کے لیے تیار ہوں ، آپ اس لڑکے کو مسلمان کیجیے ، اور سلطنت بنگالہ اس کو بخشیے ، حضرت نور قطب عالم نے اپنے کھائے ہوئے پان میں سے کچھ اس لڑکے کے

---

۱ - بنگال پاسٹ اینڈ پریذنٹ - منقولہ سید حسن عسکری - ص ۳۶ مطبوعہ ۱۹۴۸ء و سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال ص ۱۰۹ ، ۱۱۰ -

منہ میں دیا ، اس کو مشرف بہ اسلام کیا ۔ اور اس کا نام جلال الدین رکھا ، اور اسے تخت سلطنت پر بٹھایا ، پھر تمام شہر میں منادی کرائی گئی کہ جلال الدین کے نام کا خطبہ پڑھا جائے ، اس لڑکے کی تخت نشینی کے بعد بنگال میں شریعت اسلامیہ کی ترویج ہونے لگی ۔

**حضرت نور قطب عالم کی سلطان ابراهیم سے واپسی کی درخواست :** پھر حضرت نور قطب عالم سلطان ابراهیم کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے ، اور معذرت کر کے سلطان سے واپس لوٹ جانے کی درخواست کی ، سلطان ابراهیم کو یہ بات نا گوار گزری ، اور اس نے بغیر کچھ کہے قاضی شہاب الدین کی طرف رخ کر لیا ، قاضی شہاب الدین نے حضرت نور قطب عالم سے عرض کیا کہ حضرت ! سلطان نے آپ کے ارشاد پر یہاں تک آنے کی زحمت گوارا کی ، اور اب آپ اس ظالم راجا کی حمایت اور جانبداری کر کے اس کی وکالت فرما رہے ھیں ، آپ خود ھی فرمائیے کہ اس کے متعلق کیا خیال قائم کیا جا سکتا ھے ، حضرت نور قطب عالم نے فرمایا کہ بے شک جب میں نے سلطان کو یہاں آنے کی دعوت دی تھی ، اس وقت یہاں ایک ظالم راجا مسلط تھا ، اور اب سلطان کے تشریف لانے کی وجہ سے یہاں کا راجا مشرف باسلام ہو گیا ھے ، جہاد تو صرف کافروں سے کیا جا سکتا ھے نہ کہ اھل اسلام سے ۔ یہ سن کر قاضی شہاب الدین لا جواب ہو گئے ۔

**سلطان ابراهیم کی برهمی :** لیکن سلطان ابراهیم کا مزاج برهم هو چکا تھا ، سلطان کے پاس خاطر کے لیے قاضی شہاب الدین نے امتحاناً بہت سے علمی سوالات حضرت نور قطب عالم سے کیے ، آپ نے ان سب کے جواب دے کر قاضی صاحب کو شرمندہ اور منفعل کر دیا ۔

**حضرت نور قطب عالم کا ارشاد اور سلطان ابراهیم کی واپسی :** آخر میں حضرت نور قطب عالم نے فرمایا کہ درویشوں کو حقارت اور انکار سے دیکھنا اور طالب امتحان ہونا اس کا نتیجہ سوائے خسارے اور نقصان کے کچھ نہیں ، اور سلطان پر غضبناک نگاہ ڈالی ، آخر سلطان دلگیر هو کر جون پور لوٹ گیا ، کہتے ھیں کہ اس کے کچھ دن ھی بعد سلطان

ابراهیم اور قاضی شہاب الدین نے وفات پائی ۔

با دل شدگاں ہر کہ در افتاد بر افتاد

**راجا کنس کی عہد شکنی :** جب راجا کنس نے سنا کہ سلطان ابراهیم کی وفات هوگئی تو وہ اپنے بیٹے سلطان جلال الدین کو معزول کر کے خود تخت پر بیٹھ گیا ، اور اپنے مذهبی عقیدے کے مطابق اس نے چند گائیں سونے کی بنوائیں ، جدو کو ان گایوں کے اندر سے گزارا اور اس سونے کو برهمنوں میں تقسیم کر کے اپنے لڑکے جلال الدین کو اپنے مذهب کی تلقین کی ، لیکن اس کا لڑکا اسلام پر ثابت قدم رها ، راجا کنس نے پھر مسلمانوں پر مظالم شروع کر دیے ۔

**شیخ نور قطب عالم کے صاحبزادے کی اپنے والد سے گذارش :** جب اس کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو ایک دن حضرت نور قطب عالم کے صاحبزادے شیخ انور نے آپ سے عرض کیا کہ عجیب بات هے کہ آپ جیسے قطبِ وقت کے هوتے هوئے بھی مسلمان اس کافر کے هاتھ سے آزار پا رهے هیں ۔

**شیخ نور قطب عالم کا صاحبزادے کو جواب :** حضرت نور قطب عالم اس وقت عبادت اور یاد الٰہی میں مصروف تھے ، صاحبزادے کی یہ بات سن کر آپ کو غصہ آیا ، اور غضبناک هو کر فرمایا کہ یہ ظلم اس وقت تک ختم نہیں هوگا جب تک کہ تیرا خون زمین پر نہ بہے گا ، شیخ انور سمجھ گئے کہ جو کچھ آپ نے فرمایا هے وہ یقیناً پورا هو کر رهے گا ، تھوڑے سے توقف کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ جو کچھ آپ نے ارشاد فرمایا هے بے شک وہ صحیح هے ، لیکن میرے بھائی کے حق میں کیا حکم هوتا هے ، فرمایا اس کی نیک نامی کا ڈنکا قیامت تک بجے گا ۔

**راجا کنس کے شیخ انور پر مظالم :** اس کے بعد راجا کنس نے حضرت شیخ نور قطب عالم کے خدام اور لواحقین پر مظالم شروع کر دیے ، اور ان کا سامان و اثاثہ لوٹ لیا اور شیخ انور اور شیخ زاهد کو قید کر لیا ، پھر انھیں سنار گاؤں بھجوا دیا ، اور اپنے ملازموں کو تاکید کی کہ ان کے باپ دادا کا جو سونا مدفون هے وہ ان سے معلوم کرنے کے

بعد ان کو قتل کر دیا جائے ، سنارگاؤں پہنچنے کے بعد ان دونوں پر سونے کے دفن ہونے کا مقام دریافت کرنے کے لیے نہایت سختیاں کی گئیں، در آں حالیکہ جب سونا کہیں دفن تھا ہی نہیں تو یہ دونوں اس کا نشان کہاں بتا سکتے تھے ، انھوں نے پہلے شیخ انور کو شہید کیا ، پھر جب وہ شیخ زاھد کے قتل کا ارادہ کرنے لگے تو انھوں نے ان ظالموں سے فرمایا کہ فلاں موضع میں ایک بڑی دیگ مدفون ہے چنانچہ یہ لوگ ان کو لے کر اس موضع میں پہنچے ، اور جہاں انھوں نے نشان دھی کی تھی وہ جگہ کھودی گئی ، وھاں سے ایک دیگ برآمد ہوئی ، لیکن اس میں ایک اشرفی کے سوا کچھ نہ تھا ، اُن لوگوں نے جو گرفتار کر کے آپ کو لائے تھے پوچھا کہ باقی سونا کیا ہوا ، شیخ زاھد نے جواب دیا کہ کسی نے چرا لیا ہوگا۔

**راجا کنس کا انجام:** کہتے ھیں کہ جس دن شیخ انور کو سنارگاؤں میں شہید کیا گیا اُسی دن راجا کنس مر گیا۔

بعضوں کا بیان ھے کہ اس کے لڑکے جلال الدین نے جو اس وقت قید خانے میں تھا ، قید خانے کے خدمتگاروں کو ملا کر اپنے باپ کو قتل کرا دیا[1]۔

**خشیتِ الٰہی:** حضرت نور قطب عالم حسنِ اخلاق ، اتباع رسول ص کا ایک پیکر مجسم تھے ۔ آپ کے آئینۂ اخلاق میں خشیت الٰہی کے جوھر سب سے زیادہ نمایاں نظر آتے ھیں۔

شیخ حسام الدین مانکپوری کا بیان ھے کہ ایک روز آپ گھر سے نکلے اور پالکی میں سوار ہوئے ، بار بار یہ مصرع آپ کی زبان پر تھا :

همه شب بزاریم شد

اور آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے ، یہاں تک کہ ایک بُڑھیا کے مکان پر تشریف لے گئے ، بُڑھیا نے کچھ دینی مسائل آپ سے پوچھے ، وھاں سے لوٹے تب بھی آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا ، اور فرماتے

---

۱ - یہ تمام تفصیل ریاض السلاطین - ص ۱۱۰ تا ۱۱۶ سے ماخوذ ہے -

جاتے تھے کہ شاید اس بڑھیا کے طفیل خدائے تعالیٰ مجھے بھی بخش دے [۱]۔

ایک روز آپ سوار ہوکر جا رہے تھے ، بے شمار خلقت آپ کی زیارت کے لیے کھڑی ہوئی تھی ، کوئی ہاتھ چومتا تھا ، کوئی پیر ، مگر آپ کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری تھیں ، اور روتے روتے بے ہوش ہوئے جاتے تھے ، شیخ حسام الدین نے رونے کا سبب پوچھا تو فرمایا آج خدائے تعالیٰ نے اتنے لوگوں کو ہمارا مسخر بنا دیا ہے کہ کوئی مصافحہ کرتا ہے کوئی ہاتھ چومتا ہے اور کوئی پیر ، لیکن قیامت کے دن خدا جانے ہمارا کیا حال ہوگا ، کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارا سر انہیں لوگوں کے آگے پامال نہ کرایا جائے [۲]۔

**انکسار :** بے حد منکسر المزاج تھے ، ایک دفعہ ایک شخص خانۂ کعبہ سے آیا ، اور آپ سے کہنے لگا کہ مخدوم میری اور آپ کی ملاقات باب السلام میں ہوئی تھی ، فرمایا میں تو کبھی گھر سے باہر نہیں نکلا ، لوگ ایک دوسرے کے مشابہ ہوتے ہیں ۔ ممکن ہے کہ تمھیں مغالطہ ہوا ہو ، اس نے کہا کہ نہیں مخدوم ! میں نے آپ ہی کو دیکھا تھا ، آپ نے اسے کچھ دے کر رخصت کر دیا [۳]۔

شیخ حسام الدین مانک پوری کا بیان ہے کہ میرے شیخ سوائے سردی کے موسم کے گدڑی نہ پہنتے تھے اور نہ سجادے پر بیٹھتے تھے ، اور فرمایا کرتے تھے کہ سجادے پر بیٹھنے کا حق اسے ہے جو اس پر بیٹھ کر دائیں بائیں نہ دیکھے [۴]۔

**حلم :** طبیعت میں بے حد حلم تھا ، آپ لوگوں کی سخت سے سخت باتوں کو برداشت کرتے ، اور زبان سے اُف نہ کرتے۔

ایک دفعہ ایک شخص آپ کے پاس سُوالی بن کر آیا ، اور اپنے

---

۱ - اخبار الاخیار - ص ۱۵۲
۲ - ایضاً - ص ۱۵۳
۳ - ایضاً - ص ۱۰۵
۴ - ایضاً - ص ۱۵۳ -

سوال کو اس نے گالیوں سے شروع کیا ، شیخ اس کی تمام باتیں سنتے رہے ، اور ذرا بھی پیشانی پر شکن نہ آئی ، آخر آپ اسے اپنے جماعت خانے میں لے کر آئے ، اس نے کہا کہ اس زمین پر بیٹھنا حرام ہے ، آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ اس کے لیے کھانا لاؤ ، اس بد بخت نے کہا کہ یہ سؤر کا گوشت میں نہیں کھاتا ، پھر آپ نے فرمایا اس کے لیے کچھ ٹنکے لاؤ ، جیسے ہی ٹنکے لائے گئے وہ اس نے لے لیے اور چلا گیا ، پھر آپ نے ان لوگوں سے جو وھاں بیٹھے ہوئے تھے فرمایا دوستو ! تم نے دیکھا کہ اس درویش نے کس قدر شوریدگی دکھائی ۱ ۔

**ملفوظات :** شیخ نور قطب عالم کے ملفوظات و ارشادات پند و موعظمت ، اسرار و معارف ، سلوک و تصوف کے گوھر گرا نمایہ ھیں ، حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی۲ نے اخبارالاخیار میں آپ کے چند

---

۱ ۔ اخبارالاخیار ۔ ص ۱۵۳ ۔

۲ ۔ شیخ عبد الحق محدث دھلوی کے بزرگ آغا محمد ترک تیرھویں صدی عیسوی میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں قتل و خون کا ھنگامہ برپا کیا ، اپنے وطن سے بد دل ھو کر سلطان علاء الدین خلجی کے زمانے میں ھندوستان آئے ، سلطان علاء الدین خلجی (۱۲۹۶ء — ۱۳۱۶ء) نے آن کو فوجی عہدے پر مامور کر کے گجرات کی مہم پر روانہ کیا ، آغا محمد ترک نے ۷۳۹ھ — ۱۳۳۸ء کو سلطان محمد تغلق کے زمانے میں وفات پائی ۔

شیخ عبدالحق کے دادا شیخ سعد اللہ تھے ، جو بہت بڑے عابد و زاھد بزرگ تھے ، شیخ سعداللہ نے علم ظاھری کے حصول کے بعد شیخ محمد منگن کے دست حق پر بیعت کی ، شیخ سعداللہ کے دو صاحبزادے تھے ، ایک شیخ رزق اللہ مشتاق ، دوسرے شیخ سیف الدین ، شیخ سیف الدین شیخ عبدالحق محدث دھلوی کے والد ماجد تھے ، شیخ محدث کی والدۂ ساجدہ مولانا زین الدین معروف بہ شیخ ادھن کی صاحبزادی تھیں ۔

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۲ پر)

(صفحہ ۳۰۱ کا بقیہ حاشیہ)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی ماہ محرم ۹۵۸ھ — ۱۵۵۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے، اس وقت اسلام شاہ کا دور حکومت تھا، انہوں نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد ماجد شیخ سیف الدین سے حاصل کی، اٹھارہ سال کی عمر میں علوم عقلیہ و نقلیہ کی تعلیم مکمل کی، تکمیل علم کے بعد آپ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے، ۹۹۶ھ — ۱۵۸۷ء میں آپ عازم حجاز ہوئے، اس وقت آپ کی عمر اڑتیس سال کی تھی، ۹۹۹ھ — ۱۵۹۰ء تک آپ کا قیام حجاز میں رہا، وہاں آپ کا تمام وقت شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گزرا، جنھوں نے آپ کو علم کی تکمیل کرائی، اور عرفان و تصوف کی راہوں سے آشنا کیا، ۱۰۰۰ھ — ۱۵۹۱ء میں آپ ہندوستان واپس تشریف لائے، اور دہلی میں مسند درس و ارشاد بچھائی، اور آخر وقت تک اپنے مدرسے میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے ابتداً اپنے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی، پھر اپنے والد کے ارشاد پر قادریہ سلسلے میں حضرت سید موسیٰ گیلانی سے بیعت ہوئے، انہوں نے آپ کو سلسلۂ چشتیہ قادریہ شاذلیہ اور مدنیہ میں خلافت سے سرفراز فرمایا، آپ نے خواجہ باقی باللہ سے بھی مراقبہ، حضور اور یاد داشت کی تعلیم حاصل کی تھی، ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ء — ۱۶۴۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں آپ دہلی میں واصل الی اللہ ہوئے، آپ کی قبر قطب صاحب میں حوض شمسی کے کنارے ہے، آپ کی وفات کی تاریخ ”فخرالعلماء“ سے نکلتی ہے۔

آپ کی تصانیف میں لمعات شرح مشکواۃ (عربی) اشعۃ اللمعات شرح مشکواۃ (فارسی) شرح سفر السعادت، شرح فتوح الغیب، مدارج النبوۃ، شرح اسماءالرجال بخاری، اخبار الاخیار، جذب القلوب، زبدۃ الاثار، جامع البرکات، مرج البحرین، زاد المتقین،

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۰۳ پر)

ملفوظات اور ارشادات درج کئے ہیں جنھیں ہم یہاں تبرکاً نقل کرتے ہیں :

فرمایا کرتے کہ پہلے مشائخ نے اسمائے الٰہی کے اعداد کے مطابق سلوک کی ۹۹ منزلیں قرار دی ہیں جس پر سلوک منتہی ہوتا ہے ، پھر ہمارے پیروں نے سلوک کی پندرہ منزلیں قرار دیں اور اس فقیر نے سلوک کی تین منزلیں قرار دی ہیں ، پہلی منزل یہ ہے کہ حاسبوا قبل آن تحاسبوا ، دوسری منزل یہ ہے کہ من استوی یوماً فھو مغبون ، تیسری منزل یہ ہے کہ عبادۃ الفقیر نفی الخواطر ، ان تینوں منزلوں پر عمل کرنے سے انشاءاللہ سالک کا کام پورا ہو جائے گا ۔

شیخ حسام الدین مانکپوری جب رخصت ہونے لگے تو آپ نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ سخاوت میں سورج کی طرح ہونا ، عاجزی میں پانی کی طرح ، تحمل میں زمین کی طرح اور خلق کے مظالم کو برداشت کرنا ۔

فرمایا کہ ریاضت کی انتہا یہ ہے کہ سالک جب بھی دل کی طرف توجہ کرے آسے یاد الٰہی میں مشغول پائے ، خواہ وہ نیند میں ہو یا بیداری میں ، جس طرح کے بچہ جب کسی چیز کو طلب کرتے ہوئے سوتا ہے ، جاگنے پر بھی وہی مانگتا ہے ۔

شیخ حسام الدین نے ایک روز پوچھا کہ اس میں کیا اسرار ہے کہ مشائخ نماز فرض کے سلام کے بعد مصافحہ کرتے ہیں ؟ فرمایا سنت یہ ہے کہ جب مسافر سفر سے لوٹتا ہے تو اپنے دوستوں کے ساتھ مصافحہ کرتا ہے ، جب درویش نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور اس میں مستغرق ہو جاتا ہے ، اور اپنے سے باہر ہو جاتا ہے ، اس کو سفر باطن حاصل

---

(صفحہ ۴۰۲ کا بقیہ حاشیہ)

فتح المنان فی مناقب النعمان ، ما ثبت بالسند ، حلیہ سید المرسلین اور چہل رسالہ مشہور ہیں ۔

(ماخوذ از حیات شیخ عبدالحق محدث دھلوی ، تالیف پروفیسر خلیق احمد نظامی و ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند ۔ ص ۲۷۶ تا ۲۷۷ ۔)

ہوتا ہے ، جب وہ سلام پھیرتا ہے تو وہ اپنے میں لوٹتا ہے ، اس لیے مصافحہ کرتا ہے[1] -

**مکاتیب :** شیخ نور قطب عالم کے مکاتیب دل آویزی ، شیرینی اور سوز و گداز کا ایک شاھکار ھیں ، صاحب اخبار الاخیار نے آپ کا ایک مکتوب نقل فرمایا ہے ، اس مکتوب کا ایک ٹکڑا ھم یہاں نموتناً نقل کرتے ھیں ، جس سے آپ کی انشائی خوبیاں سامنے آتی ھیں -

نور بجانب نجم

بیچارہ حزین نور مسکین عمر بباد دادہ و بوئے مقصود نیافتہ و درتیہ حیرت و میدان حسرت چو گوے سرگرداں شدہ -

همه شب بزاریم شد که صبا نداد بوے
ندمید صبح بختم چه گنه نهم صبا را

عمر از شصت گذشته و تیر از شست جسته و از شر نفس اماره یک ساعت نرسته جز باد بر دست و آتش در جگر ، و آب در دیده و خاک بر سر نه پیوسته ، جز ندامت و خجالت دست آویزے جز نه ، و جز درد و آه پائے گریزے - ع

درد را باش اے برادر ! درد را

**بیت :**

دلِ مردانِ دیں پر درد باید
ز محنت فرق شاں پر گرد باید

هر چند دست پا زدیم بمقصود نرسیدیم :

گفتم مگر که کار بساماں شود ، نشد
یار از جفائے خویش پشیماں شود نشد
گفتم مگر زمانه عنایت کند ، نکرد
بخت ستیزه کار بفرماں شود ، نشد[2]

---

۱ - اخبار الاخیار - ص ۱۵۳
۲ - ایضاً - ص ۱۵۳ - ۱۵۴

اس کے علاوہ آپ کے مکاتیب حکمت و موعظمت ، فصاحت و بلاغت اور رموز تصوف کے آئینہ دار ہیں ، بعض مکاتیب میں ہے کہ :

قرار درویش در بے قراری و عبادت درویش از غیر حق بیزاری مشغولی بغیر حق گرفتاری ، طاعت بے استغراق باطن بیکاری و ظاہر آستین بدکاری ، خون جگر خوردن بزرگواری ، و چشم از غیر دوختن برخورداری عوام در طہارت ظاہر کوشند و خواص در طہارت باطن از حق تعالیٰ ندا آید و عتاب شود عبدی طہرت منظر الخلائق سنین ھل طہرت منظری ساعة فیہا افنیت عمرک ، طہارت ظاہری بخروج حدوث بشکند و طہارت باطن بیاد محدث بشکند ، مشائخ گفتہ اند ہر کرا اندیشۂ دنیا در دل آید غسل جنابت طریقش پیش آید ، دل بچیزے مدہ و مہر کس بر دل منہ کہ رقم بے وفائی بر نامیۂ ہر مخلوق کشیدہ اند[1] ۔

**تصانیف :** ان مکاتیب کے علاوہ آپ کی ایک اور تصنیف "انیس الغربا" کا بھی پتہ چلتا ہے ، جو تقریباً ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ ہے ۔

**اردو پر احسان :** ان کے کلام میں ہمیں بعض نشانات اردو کے بھی ملتے ہیں ، ان سے جہاں بنگال میں ابتدائی اردو کی نشو و نما کا پتہ چلتا ہے ، وہیں یہ حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ یہ صوفیائے کرام اردو کے ان محسنین میں ہیں کہ جن کے گہوارے میں اردو پلی اور بڑھی ہے ، وفا راشدی نے اپنی کتاب بنگال میں اردو میں ان کا یہ مصرعہ نقل کیا ہے :

پیوند پوچھے پاتری مجھ سہاگن ماؤں[2]

**وفات :** حضرت شیخ نور قطب عالم کے سنہ وفات میں بے حد اختلاف ہے ، سلطان نصیرالدین محمود (۱۴۳۷ء تا ۱۴۶۸ء کے زمانے کے

---

۱ - اخبار الاخیار - ص ۱۵۴

۲ - بنگال میں اردو - ص ۷ بحوالہ نظم اردو - حاشیہ نمبر ۲۴ - تالیف وفا راشدی -

ایک کتبے کے مطابق آن کی وفات ۸۰۸ھ—۱۴۰۵ء میں ہوئی ، اخبارالاخیار کے اندراج کے مطابق ۸۱۳ھ— ۱۴۱۰ء میں آپ نے وفات پائی ، آئین اکبری کی رو سے آپ کا سنہ وفات ۸۰۸ھ — ۱۴۰۵ء ہے ، خزینۃ الاصفیاء میں بحوالۂ سیر الاقطاب آپ کا سن وفات ۸۵۱ھ — ۱۴۴۷ء ملتا ہے ، لیکن مراۃ الاسرار اور ایک اور کتاب جو آپ کی خانقاہ کے خادم کے پاس ہے اس میں آپ کا سنہ وفات ۸۱۸ھ — ۱۴۱۵ء درج ہے جو سب سے زیادہ صحیح ہے ، اور اسی کو مستند قرار دیا گیا ہے ۔

سلطان نصیرالدین محمود شاہ اول کے زمانے کے کتبے کی عبارت کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :

ہمارے بزرگ مولیٰ ، اماموں کے آستاد ، عبادت و ریاضت کا ماحصل ، ایمان کے آفتاب ، اسلام کے مظہر اور مسلمانوں کا سہارا جنھوں نے غریب اور بے کسوں پر یکساں اظہار کرم کیا ، صوفیہ کے لیے مشعل راہ ، نفس کو صحیح راستے پر چلانے والے اس بے ثبات دنیا سے ابدالاباد محل میں چلے گئے ، ۲۸ ذوالحجہ روز یک شنبہ ۸۶۳ھ—۱۴۵۹ء میں ، دور حکومت میں سلطان السلاطین محافظ ممالک اسلامیہ ناصرالدنیا والدین ابوالمظفر محمود شاہ بادشاہ کے ۔

عہد حاضر کے مشہور مورخ عابدعلی‌خاں کا خیال ہے کہ یہ کتبہ شیخ زاھد کی طرف اشارہ کرتا ہے جو شیخ نور قطب عالم کے پوتے اور خلیفہ ہیں ، لیکن یہ بات قرین قیاس ہے کہ اس قسم کی عبارت بنسبت شیخ زاھد کے شیخ نور قطب عالم کے لیے زیادہ موزوں ہے ، کیونکہ شیخ زاھد اس قدر مشہور نہ تھے اور پھر بقول عابد علی خاں شیخ زاھد کا انتقال ۸۶۰ھ ۱۴۵۵ء میں ہوا[۱] ۔

**مزار مبارک :** حضرت شیخ نور قطب عالم کا مزار پرانوار پنڈوہ میں ہے ، شیام پرشاد منشی نے اپنے رسالے احوال گوڑ و پنڈوہ میں جو

---

۱ ۔ سنہ وفات کے متعلق سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال تالیف عبدالکریم صاحب لیکچرار ڈھاکہ یونی ورسٹی ۔ ص ۱۰۵ تا ۱۰۹ سے ماخوذ ہے ۔

تفصیلات آپ کے مزار مبارک کے متعلق دی ہیں - ہم انہیں ذیل میں درج کرتے ہیں :

احاطۂ کرامت و جلال حضرت شیخ نور قطب العالم نوراللہ مرقدہ قصبہ پنڈوہ میں حضرت جلال تبریزی کے مزار کے متصل واقع ہے ، جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ آپ کے استاد تھے ، اس احاطے کا رقبہ تقریباً پانچ چھ بیگھ ہے ، اس احاطے میں آپ کا مزار ، مکانات ، مسجد ، چلہ خانہ ، مقابر اور لنگر خانہ ہے ، اس درگاہ کے دائرے کے متصل ایک مسجد سونا[1] ہے جس کا عرض و طول تقریباً ایک بیگھ ہوگا ، اس احاطے میں دو بڑے نقارے یعنی دمامے جو سلاطین اور ملوک کے دروازوں پر ہوتے ہیں ، آپ کی شادی کے وقت سے اس احاطے میں اسی طرح رکھے ہوئے ہیں ، اصل مزار صحن مسجد نماز خانہ میں واقع ہے ، ہر سال ماہ شعبان کی چاند رات سے چودہ شعبان تک آپ کی درگاہ پر زیارت اور حصول ثواب کے لیے فقرا ، صلحا ، سادات ، مشائخ ، اہل‌اللہ اور حاجت‌مندوں ، مریدوں ، اور عوام الناس کا بڑا اجتماع ہوتا ہے ، اطراف و جوانب کے لوگ دور دور سے آستاں بوسی کی سعادت اور یمن و برکت حاصل کرنے کے لیے جمع ہوتے ہیں ، بہت سے مریدین و معتقدین اپنے ساتھ زر و جنس اور نقد نذر و نیاز کے لیے اپنے ساتھ لاتے ہیں ، اسی سے درگاہ کے جاروب کشوں اور خادموں کا گزر چلتا ہے ، اس کے علاوہ لنگر خانے ، فقرا اور درویشوں اور وارد و صادر کے لیے بقدر مداخل چھ ہزار روپے قدیم زمانے سے بطور نیاز درگاہ کے مقرر ہیں -

حضرت نور قطب العالم کے مزار کے دروازے کے باہر ایک بڑی سنگی قبر جس کی تعمیر سنگ سیاہ سے ہے ، موجود ہے ، اس کا کتبہ بجنسہ یہ ہے :

اللہ اکبر قبر طفل نوح عنایت اللہ معصوم بن طاہر محمد بن

---

۱ - پنڈوہ میں سونا مسجد نامی دو مسجدوں کا تذکرہ ہمیں تاریخ میں ملتا ہے -

عمادالله بن حسین ابن سلطان علی سبزواری نور مرقده غره رمضان ۱۰۱۷ الله لااله الا هو الحی القیوم لا تا خذه سنة ولا نوم له ما فی السموات وما فی الارض من ذالذی یشفع عنده الا باذنه یعلم ما بین ایدیهم و ما خلفهم ولا یحیطون بشیٔ من علمه الا بما شاء وسع کرسیه السموات والارض و لا یوده حفظهما وهو العلی العظیم -

آپ کے آستانے کے نیچے ایک ستون پتھر کا ہے ، جسے ایک شخص مراد خاں نامی نے جو آپ کی درگاہ کے معتقدوں میں تھا ، درگاہ کے لیے نذر کے طور پر بھیجا تھا (اس پر جو کتبہ ہے) اس کا مضمون یہ ہے کہ یہ آستانۂ حضرت برہان الحق شیخ نور قطب العالم کے لیے بطور نذر کے بھیجا گیا - بتاریخ ماہ ربیع الاول ....۱ھ -

اور نماز خانہ کی دیوار میں جو کتبہ بخط طغرا نصب ہے ، اس کا جو حصہ پڑھا گیا وہ یہ ہے :

قال النبی صلی الله علیه و سلم لا اله الا الله من بنیٰ مسجد الله بنی الله قصراله فی الجنة - بنی هذ المسجد السلطان العادل الباذل شمس الدنیا والدین ابوالمظفر شاه یوسف السلطان بن باربک (بن) السلطان شاه محمود السلطان خلد الله ملکه و سلطانه و تعالیٰ الله امره و شانه فی المجلس الدین هو اعلی المجالس کان ذالک الباب

---

۱ - یوسف شاہ بن باربک شاہ اپنے باپ باربک شاہ کی وفات کے بعد ۱۴۷۲ء میں بنگال کے تخت سلطنت پر بیٹھا - وہ نہایت حلیم اور سلیم الطبع تھا ، اس کی مدت حکومت (۸۶۶ھ — ۱۴۷۲ء تا ۸۷۱ھ — ۱۴۷۷ء) چھ سال تھی ، اس کی بنائی ہوئی عمارتوں میں سونا مسجد پنڈوہ میں ، نماز خانۂ نور قطب العالم اور مسجد مہاجن ٹولہ احاطۂ شہر گوڑ میں موجود ہیں (احوال گوڑ و پنڈوہ - تصنیف شیام پرشاد منشی - ص ۳۸ مشمولہ کتاب مسلم ارٹی ٹیکچر ان بنگال - تالیف پروفیسر احمد حسین دانی -

فی التاریخ یوم الجمعة اربعة و عشرین رجب سنه ثمانین و ثمان مایة (۸۸۰) من هجرة النبی صلی الله علیه و سلم[۱] -

بنگال کا ایک دوسرا بادشاہ سلطان علاءالدین حسین شاہ[۲] آپ سے اس درجہ عقیدت رکھتا تھا کہ وہ ہر سال اپنے پایۂ تخت اکڈالہ سے پنڈوہ آپ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے آتا تھا ، اس نے کچھ گاؤں بھی شیخ نور قطب عالم کی درگاہ کے لیے وقف کیے تھے -

شاہ شجاع نے جو شاہجہاں کا لڑکا تھا شیخ کبیر کو جو غالباً اس

---

۱ - یہ تمام تفیصل رسالہ احوال گوڑ و پنڈوہ - تصنیف شیام پرشاد منشی - ص ۲۸ تا ۳۰ مشمولہ کتاب مسلم آرٹی ٹیکچر ان بنگال - تالیف پروفیسر دانی سے ماخوذ ہے -

۲ - مظفر شاہ کے قتل ہونے کے بعد اُمرائے سلطنت نے سید شریف مکی سے کہا کہ اگر ہم تجھ کو بادشاہ بنا دیں تو تو ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا ، اُس نے جواب دیا جو تم چاہو گے وہ میں کروں گا ، فوری طور پر تو میرا یہ عمل ہوگا کہ جو کچھ زمین پر ہے وہ تمہارے لیے چھوڑوں گا ، اور جو کچھ زیر زمین ہے اُسے اپنے قبضے میں لاؤں گا ، عوام نے مال کی طمع میں اسے قبول کر لیا ، اور سید شریف مکی بنگال کے تخت شاہی پر علاءالدین کے خطاب سے بیٹھا ، لیکن تمام مملکت بنگالہ اور نواحی گوڑ میں اُس کا نام حسین شاہ مشہور ہے ، صاحب ریاض السلاطین کا بیان ہے کہ اس کا نام حسین شاہ کہیں نہیں ملتا ، لیکن خرابۂ گوڑ میں آج بھی اُس کے بڑے دروازے کے پتھر پر اور سونہ مسجد اور بعض دوسرے مزارات پر کہ سلطان حسین شاہ اور اس کے لڑکے نصرت شاہ اور اس کے دوسرے لڑکے محمود شاہ کے بنوائے ہوئے ہیں ، اُن پر علاءالدین ابوالمظفر شاہ حسین سلطان بن سید اشرف حسینی لکھا ہوا ہے ، اور یہ ماہ و سال سید شریف مکی کی حکومت کے کتبوں سے ملتے ہیں ، جس سے خیال ہوتا ہے کہ سید شریف مکی کے والد کا نام سید اشرف حسینی شریف مکہ تھا ، لہذا (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۰ پر)

(صفحہ ۴۰۹ کا بقیہ حاشیہ)

وہ‌بھی شریف مکی کے نام سے مشہور ہوگیا ، اور بعض رسالوں میں یہ بھی نظر سے گزرا ہے کہ حسین شاہ اور اس کا بھائی یوسف اپنے باپ سید اشرف حسینی کے ساتھ جو ترمذ کے باشندے تھے بنگال وارد ہوئے ، اور ضلع راڈہ موضع چاندپور میں سکونت اختیار کی ، دونوں بھائیوں نے وہاں کے قاضی سے تحصیل علم کی ان دونوں بھائیوں کی شرافت دیکھ کر قاضی نے اپنی بیٹی حسین شاہ سے بیاہ دی ، حسین شاہ نے بادشاہ مظفر شاہ کی ملازمت اختیار کی ، یہاں تک کہ وزارت کے عہدے پر فائز ہوا ، اور پھر شہر گوڑ میں تخت نشین ہوا ،

حسین شاہ ھی کے زمانے میں لوگوں نے گوڑ کو تاخت و تاراج کیا ، پہلے تو اس نے لوگوں اس امر سے باز رکھنے کی کوشش کی ، لیکن جب وہ نہ مانے تو اس نے بارہ ہزار لوٹ مار مچانے والوں کو تہ تیغ کرا دیا ، یہاں تک کہ لوگ تاخت و تاراج سے رک گئے ۔

سلطان علاء الدین حسین شاہ نے دوسرے بنگال کے سلاطین کے برخلاف اپنا پایۂ تخت اکڈالہ کو بنایا جو گوڑ کے متصل تھا ، سوائے حسین شاہ کے سلاطین بنگال میں سے کسی نے بھی اپنا پایۂ تخت سوائے پنڈوہ اور گوڑ کے کہیں نہیں رکھا ۔

سلطان علاء الدین حسین شاہ نے اپنی حسن تدبیر سے اوڑیسہ کو فتح کر لیا ، اس نے بنگال کی آبادی و معموری میں نہایت سعی‌و کوشش کی ، تمام ممالک میں مساجد اور لنگر خانے تعمیر کرائے فقرا اور عزلت گزینوں کو بہت سی املاک عنایت کیں ، حضرت شیخ نور قطب عالم کے لنگر خانے کے لیے متعدد مواضع وقف کیے ، وہ آپ سے اس قدر عقیدت رکھتا تھا کہ ہر سال قطب عالم کے مزار کی زیارت کے لیے اکڈالہ سے پنڈوہ آتا تھا ۔

سلطان حسین شاہ کے آخری دور حکومت میں بابر ھندوستان پر مسلط ہوا ، سلطان شاہ نے ۲۷ سال حکومت کرنے کے بعد ۹۲۷ھ ۱۵۲۰ء میں وفات پائی ۔ (ماخوذ از ریاض السلاطین ۔ ص ۱۲۹ تا ۱۳۵)۔

درگاہ کے متولی تھے ۱۰۵۸ھ — ۱۶۵۸ء میں اس سلسلے میں کچھ اور امداد دی۔

**اولاد :** شیخ نور قطب عالم کے دو صاحبزادے تھے، شیخ رفعت الدین اور شیخ انوار، دونوں صاحبزادے علم و عمل، زھد و تقویٰ اور عرفان و تصوف میں اپنے والد کے نقش قدم پر تھے[۱]۔

**خلفاء :** آپ کے خلفاء میں آپ کے دونوں صاحبزادے، اور شیخ حسام الدین مانک پوری، اور شیخ نور قطب عالم کے پوتے شیخ زاھد، شیخ اکمل اور شیخ راجن مشہور ھیں۔

لیکن آپ کے خلفاء میں جس نے آپ کے سلسلے کو غیر معمولی ترقی دی وہ شیخ حسام الدین مانک پوری ھیں، شیخ حسام الدین مانک پوری کے والد کا نام مولانا خواجہ اور دادا کا نام شیخ جلال الدین تھا، آپ کے والد مولانا خواجہ مانک پوری عالم، فقیہ اور درویش خو انسان تھے، عزم و توکل کا یہ عالم تھا کہ گلزار ابرار میں ھے کہ ایک روز تین فاقوں کے بعد ایک شخص فتویٰ لکھنے کے لیے کچھ نقد آپ کے پاس لایا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، گھر والوں نے اس پر ملامت کی کہ گھر میں فاقہ تھا اور آپ نے یہ نذرانہ قبول نہیں کیا، لیکن آپ خاموش ھو گئے، یہاں تک کہ شام ھونے کو آئی، اتفاق سے اُسی زمانے میں مانک پور میں ایک امیر ملک عین الدین نامی مقیم تھا، وہ ایک دعا پڑھا کرتا تھا، اُس دعا میں اُسے ایک لفظ پر کچھ اُلجھن ھوئی، اُس نے شہر والوں سے پوچھا یہاں کوئی عالم ھے؟ لوگوں نے مولانا خواجہ کا پتہ دیا، وہ آپ کی خدمت میں حاضر ھوا اور آپ کے سامنے اپنی اُلجھن پیش کی، آپ نے اس کی مشکل اُسی وقت حل کر دی وہ آپ کی خدمت میں اُسی قدر نقد جتنا کہ آپ نے لینے سے انکار کیا تھا، اور کھانا اور ایک جوڑا کپڑے پیش کر کے روانہ ھوگیا، اس کے جانے کے بعد آپ نے اُن ملامت کرنے والوں سے مزاحاً کہا کہ جو کوئی عزم و ھمت کے ساتھ ناجائز چیز کو

---

۱ - مجمع الاسرار قلمی - ص ۶۲ء مملوکہ عبیداللہ صاحب قدسی لائبریرین کراچی یونیورسٹی -

نہیں لیتا ، اللہ تعالیٰ آسے حلال طیب عطا فرماتا ہے ، جس طرح آج مجھ کو مشکوک چیز کے رد کر دینے پر مال طیب عطا ہوا ہے[1] -

شیخ حسام الدین مانک پوری کے دادا شیخ جلال الدین بھی عالم ، صاحب تقویٰ و تقدس اور صاحب طریقت بزرگ تھے ، وہ شیخ نظام الدین محبوب الٰہی کے خلیفہ شیخ محمد سے بیعت تھے ہمیشہ عشاء کے بعد اکتالیس بار سورۂ یسین ختم فرمایا کرتے تھے اور چاشت کے وقت سے دینیات کی تعلیم دیتے تھے ، آن کا ذریعۂ معاش قرآن مجید کی کتابت تھی ، جب وہ قرآن مجید لکھ لیتے تو دھلی بھجوا دیتے ، جہاں وہ پانسو ٹنکے میں ہدیہ ہوتا تھا ، کبھی بے وضو قلم کو ھاتھ نہ لگاتے تھے ، اگر کبھی ملک میں لوٹ مار ہوتی ، آس زمانے میں گوشت کھانا چھوڑ دیتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ گوشت ان ہی مویشی کا ہو جو لوٹ مار کے ہوں[2] -

شیخ حسام الدین ابتدا ہی سے عرفان و تصوف کی طرف مائل تھے ، خود ان کا بیان ہے کہ جب میں تعلیم چھوڑ کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے والد کو اس سے بے حد رنج ہوا کہ میں نے تعلیم کیوں چھوڑ دی ، جب اس کی خبر میرے پیر حضرت نور قطب عالم کو ہوئی تو فرمایا کہ فقیر چاھتا ہے کہ اسے اپنے اتباع میں رکھے اور دانش مند چاھتا ہے کہ وہ اسے اپنے اتباع میں رکھے ، لیکن مرد وہ ہے کہ دونوں کام کرے[3] -

ابتدا ہی سے جذب و ربودگی کی کیفیت ان میں اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ ایک مرتبہ اس کیفیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے لیے زبان سے اللہ کہنا ممکن نہ تھا ، جب میں اللہ اکبر کہتا تھا تو بے تاب ہو جاتا تھا ، لوگ مجھے دیکھ کر افسوس کرتے کہ کیسا عقل مند لڑکا

---

۱ - ماخوذ از ترجمہ گلزار ابرار - ص ۱۰۵ - ۱۰۶ و اخبارالاخیار ص ۱۷۸ -

۲ - اخبارالاخیار - ص ۱۷۸

۳ - ایضاً - ص - ۱۷۷ -

دیوانہ ہوگیا[۱] -

اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیخ حسام الدین نے فرمایا کہ جب میں حضرت قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے اپنے وطن سے روانہ ہوا تو ہر منزل میں قطب عالم خواب میں مجھ سے فرماتے تھے کہ فکر نہ کرو میں برابر تمہارے ساتھ ہوں ، میں جب کشتی میں سوار ہوا تو میں نے دیکھا کہ ایک درویش گدڑی پوش ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہوا ، جب وہ کشتی کنارے پر لگنے لگی تو وہ درویش پانی میں کود گیا ، جب میں پنڈوہ میں پہنچا اور میں نے حضرت نور قطب عالم کی پابوسی کی سعادت حاصل کی تو میں نے دیکھا کہ اس درویش میں اور آپ کی صورت میں کوئی فرق نہیں ہے[۲] -

شیخ حسام الدین ، حضرت شیخ نور قطب عالم کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے -

فرمایا کرتے تھے کہ خلافت حاصل کرنے کے بعد میں نے سات سال تک فقر و فاقہ برداشت کیے ، جب مجھے بھوک لگتی تھی تو پانی پی لیتا تھا اور ذکر حق میں مشغول ہو جاتا تھا ، ایک دن بھوک کی شدت سے میرا ایک لڑکا رونے لگا - بے اختیار یہ مصرعہ میری زبان پر آیا -

اے عجبا ! چو توئی ، همچو منے را نہ بس

اتنے میں ایک ایسے آدمی نے جس نے کبھی ہمیں کوئی چیز نہیں بھیجی تھی ایک طبق کھانے کا بھجوایا ایک اور شخص نے چالیس من ماش بھجوائے ، مجھے اس پر بہت پشیمانی ہوئی کہ اس مقدار کے لیے میری زبان سے یہ نکلا ، میں نے اپنے آپ کو ملامت کی[۳] -

حضرت نور قطب عالم سے بیعت ہونے کے بعد کے حالات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ بیعت ہونے سے قبل میرا یہ حال تھا کہ مجھے اکثر کتابوں کا متن حفظ یاد تھا ، لیکن جب میں اپنے شیخ کی خدمت

---

۱ - اخبار الاخیار - ص - ۱۷۷ -
۲ - اخبار الاخیار - ص - ۱۷۷ -
۳ - اخبار الاخیار - ص ۱۷۷

میں پہنچا سب کچھ بھول گیا ، لیکن مجھے آپ کی خدمت میں رہ کر جو علم حاصل ہوا ہے اُس سے زیادہ اچھی طرح سمجھا جاتا ہے ، اگر کوئی چاہے تو تمام ہدایہ کو سلوک کے رنگ میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

شیخ حسام الدین مانک پوری کی تصانیف میں اُن کے ملفوظات ہیں ، جن کو ان کے ایک مرید نے رفیق العارفین کے نام سے جمع کیا تھا ، یہ ملفوظات ابھی تک شائع نہیں ہوئے۔ صاحب اخبار الاخیار نے آپ کے ملفوظات کے چند اقتباسات دیے ہیں جو حکمت و موعظمت تصوف و عرفان کے آئینہ دار ہیں ، ہم اُن میں سے یہاں چند ملفوظ نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

فرمایا کہ مرید کی نسبت پیر کے ساتھ بعینہ ایسی ہے جیسی پیوند کی نسبت کپڑے کے ساتھ ہوتی ہے ، اگر پیوند سفید ہے تو جس وقت کپڑا دھویا جائے گا پیوند بھی صاف ہو جائے گا ، اسی طرح جو فیض پیر کو پہنچے گا ، اس کو بھی پہنچے گا۔ جو کوئی اپنے پیر کے کہنے پر نہیں چلتا اس کی مثال سیاہ پیوند کی طرح ہے جو سفید کپڑے میں ہوتا ہے ، اگرچہ پیر کا فیض اس کو بھی پہنچتا ہے ، لیکن اس کو اتنا نفع نہیں ہوتا[۲]۔

فرمایا کہ سالک ذکر سے عاشق ہوتا ہے اور عارف فکر سے[۳]۔

فرمایا کہ الٰہی فیضان ناگاہ پہنچتا ہے لیکن دلِ آگاہ کو پہنچتا ہے ، پس سالک کو منتظر رہنا چاہیے کہ پردۂ غیب سے کیا ظہور پذیر ہوتا ہے[۴]۔

فرمایا کہ فراق کہاں ہے یا وہ ہے ، یا نور ہے ، یا پرتو نور ہے[۵]۔

فرمایا کہ میں ابتدا ہی سے ہر روز پندرہ پارے قران مجید کے پڑھتا تھا ، وظائف کے بعد سے اُن کی تلاوت شروع کرتا تھا اور چاشت کے

---

۱ - اخبار الاخیار ص ۱۷۶ -
۲ - ایضاً - ص ۱۷۷ -
۳ - ایضاً - ص ۱۷۷ -
۴ - ایضاً - ص ۱۷۷
۵ - ایضاً - ص ۱۷۷

وقت ختم کر دیتا تھا ، دوران تلاوت تفسیر مدارک موجود رھتی تھی اگر کسی جگہ معنی کے سمجھنے میں توقف ھوتا تو تفسیر میں دیکھتا تھا ، اس سے مجھے بہت لذت حاصل ھوتی تھی ، ایک روز غیب سے آواز آئی خوب پڑھتے ھو ، جیسا کہ پڑھنے کا حق ھے ، اس کے بعد فرمایا کہ اگر سالک مقام قطبیت پر بھی پہنچ جائے تو آسے چاھیے کہ قرآن مجید کی تلاوت ترک نہ کرے ، کم از کم آسے ایک پارہ روز پڑھنا چاھیے ،

فرمایا درویش کو چار چیزیں چاھیں دو درست اور دو ٹوٹی ھوئیں ، اسے دین درست اور یقین درست چاھیے اور دل شکستہ اور پا شکستہ چاھیے[۱] -

فرمایا کہ دنیا مثل سایے کے ھے اور آخرت مثل آفتاب کے ، جو کوئی سائے کی طرف دوڑتا ھے اسے پکڑ نہیں سکتا ، جو آفتاب کی سمت جاتا ھے اس کا سایہ اس کے ساتھ چلتا ھے[۲] -

فرمایا کہ اتنے شیریں نہ بنو کہ مکھیاں چاٹ جائیں[۳] -

فرمایا کہ مرید ارادت کے بعد پرانے دوستوں کے ساتھ نشست و برخاست نہ کرے کہ وہ اسے راہ سلوک سے ھٹا دیں گے ، اور دھلیز پر نہ بیٹھے کہ شیطان صفت آدمی آئیں گے اور اس کو راستے سے لے جائیں گے[۴] -

ان ملفوظات کے علاوہ شیخ محمد اکرام صاحب نے آب کوثر میں ان کی ایک اور تصنیف '' انیس العاشقین '' کا تذکرہ کرتے ھوئے لکھا ھے کہ اس کتاب میں تصوف کے حقائق پر دلچسپ پیرائے میں تذکرہ کیا گیا ھے ، اور مضمون کو جا بجا آیات و احادیث ، اور فارسی کے دلگداز اشعار

---

۱ - اخبار الاخیار - ص ۱۷۷
۲ - اخبار الاخیار - ص - ۱۷۷
۳ - ایضاً - ص ۱۷۷
۴ - ایضاً - ص ۱۷۸
۴ - ایضاً ۱۷۸

اور دوھروں سے مؤثر بنایا گیا ھے ۱ -

گلزار ابرار میں ھے کہ شیخ حسام الدین مانک پوری کے خلیفہ شیخ شہاب الدین مانک پوری نے اپنے پیر کے تمام مکاتیب کو ایک جا کر کے ایک جلد بنائی تھی جو شیخ حسام الدین مانک پوری نے اپنے فرزندوں اور خلفاء کے نام لکھے تھے ، یہ جلد ایک سو اکیس مکاتیب پر مشتمل تھی ، ان مکاتیب میں زیادہ تر وہ خطوط ھیں جو آنھوں نے اپنے بڑے صاحبزادے شیخ فیض اللہ قاضی شاہ کے نام لکھے تھے ، اس میں بعض خطوط آن کے دوسرے صاحبزادے شیخ احمد کے نام بھی ھیں ، جنھیں آپ شیخ بدھا ، نور دیدہ اور دیدۂ نور کہا کرتے تھے ، کچھ خطوط شیخ نعمت اللہ کے نام ھیں ، جو لوگوں میں شیخ نتھو کے نام سے مشہور ھیں ، بعض شیخ زاھد ، شیخ اکمل ، شیخ راجاً اور شیخ خوند عالم مشہور بہ عاشق کے نام لکھے گئے ھیں ، یہ سب حضرت نور قطب عالم کے نواسے ھیں۲ ، لیکن یہ مکاتیب ابھی تک شائع نہیں ھوئے -

شیخ حسام الدین نے ۸۸۲ھ - ۱۴۷۷ء میں وفات پائی ، آپ کا مزار مانک پور میں زیارت گاہ خاص و عام ھے -

شیخ حسام الدین کے خلفاء کے متعلق اھل بنگال اس پر متفق ھیں کہ آن کے ایک سو بیس خلفا تھے ، جن میں سے (۱) سید مسعود ابن سید ظہیرالدین فتح پوری جو شیخ سیدن کے نام سے مشہور ھیں (۲) سید حامد شاہ بن راجا شاہ۳ مانک پوری (۳) سید محمد امیر بدھا جن کا لقب

---

۱ - آب کوثر - ص ۳۵۳ - ۳۵۴ء

۲ اردو ترجمہ گلزار ابرار - ص ۲۰۶

۳ - سید حامد شاہ بن راجا شاہ بن راجی سید عزیز الدین بن سید شہاب الدین مثنیٰ بن سید حسام الدین بن سید شہاب الدین گردیزی مانک پوری اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے ، وہ شیخ حسام الدین مانک پوری سے بیعت ھو کر ایک طویل عرصے تک آن کی خدمت (باقی حاشیہ صفحہ ۳۱۷ پر)

سید صوفی ہے (۴) مولانا کمال الدین عزاللہ۱ (۵) مولانا شہراللہ ابوالقاسم ملتانی (۶) شیخ نصیرالدین محمود بن شہراللہ (۷) مولانا فریدالدین سالار عراقی (۸) شیخ احمد قنوجی (۹) معین الاسلام اودھی (۱۰) مولانا منہاج الدین بن یوسف بن داؤد کردی (۱۱) مولانا جمال الدین حسن فخر (۱۲) شیخ ضیاءالدین یوسف ابن داؤدکردی (۱۳) مولانا سوندھوکردی (۱۴) مولانا محمد علا کردی (۱۵) شیخ تاج شہاب مانک پوری ملقب بہ ارزانی شاہ مشہور ہیں -

شیخ حسام الدین کی وفات کے بعد آپ کے بڑے صاحبزادے شیخ فیض اللہ زینت بخش مسند سجادگی ہوئے ، وہ قاضی شہ کے لقب سے مشہور تھے ، وہ ایک طویل عرصے تک رشد و ہدایت میں مصروف رہے ، یہاں تک کہ ۸۶۲ھ — ۱۴۵۷ء میں آنھوں نے وفات پائی۳ ، شیخ حسام الدین

---

(صفحہ ۴۱۶ کا بقیہ حاشیہ)

میں رہے ، یہاں تک کہ تصوف کے اعلیٰ منازل پر فائز ہوئے ، اگرچہ وہ آمی تھے، انھوں نے لکھا پڑھا نہیں تھا ، لیکن وہ کشف و شہود کی بنا پر علمی مسائل میں علماء کو ایسے جواب دیتے تھے کہ علماء حیران ہو جاتے تھے - آنھوں نے شعبان ۹۰۱ھ میں مانک پور میں وفات پائی ، اور وصیت کی کہ ان کی قبر پر کوئی عمارت نہ بنائی جائے -

سید حامد حسینی راجاشہ کے خلفاء میں شیخ حسن بن طاہرعباسی دھلوی ، اور شیخ عبداللہ بن ھداد جون پوری ، جو صاحب تصانیف کثیرہ اور آخوند درویزہ افغانی مشہور ہیں - (نزھۃ الخواطر جلد ۴ - ص ۸۴ و آئینہ اودھ ص ۱۸۳ — ۱۸۴ -

۱ - مولانا کمال الدین عزاللہ معروف بہ مولانا کالو نہایت صاحب ذوق و شوق تھے، آن کا مزار بمقام کٹرا متصل سرائے واقع ھے - (آئینہ اودھ تصنیف سید شاہ ابوالحسن - ص - ۹۲ - مطبع نظامی کان پور) -

۳ - یہ تمام تفصیل آردو ترجمہ گلزار ابرار - ص - ۱۰۶ و نزھۃ الخواطر جلد ۳ - ص - ۱۱۶ سے ماخوذ ھے -

کے دوسرے صاحبزادے شیخ بڈھن تھے ، تیسرے صاحبزادے شاہ محمود معروف بہ شاہ نتھن تھے ، جو مشائخ چشت میں تھے ، اور علم و طریقت کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے - خود بھی عالم تھے - وہ ۸۵۳ھ میں غازی پور چلے گئے ، نصیر خاں لوھانی نے جو اس نواح کا امیر تھا ، ان کی آمد کو غنیمت سمجھ کر بادشاہ سے میر عدل بنانے کی اجازت طلب کی ، بادشاہ نے اسے منظور کر لیا چنانچہ وہ میر عدل بنائے گئے ، اور اپنی حیات تک میرعدل رہے ، انھوں نے ۹۰۵ھ میں غازی پور میں وفات پائی [۱] -

شیخ فیض اللہ کی وفات کے بعد آن کے صاحبزادے شیخ نظام الدین مانکپوری مشہور بہ میراں شہ آن کی جگہ سجادہ نشین ہوئے ، وہ اپنے زمانے کے اکابر مشائخ میں تھے، انھوں نے ذیقعد ۸۹۸ھ میں وفات پائی [۲] -

---

۱ - نزھۃ الخواطر - جلد ۴ - ص ۳۳۶ -
۲ - نزھۃ الخواطر - جلد ۳ - ص ۱۷۷ -

( ٦٨ )

## شاہ نعمت اللہ قادری فیروز پوری

**حالات :** بنگال کے قادریہ سلسلے کے بزرگوں میں جس بزرگ نے غیر معمولی شہرت وعظمت حاصل کی وہ عالم کبیر علامہ جلال الدین نعمت اللہ شاہ بن عطاء اللہ نارنولی ثم فیروز پوری ہیں ، وہ نارنول میں پیدا ہوئے ، پھر حصول تعلیم کے لیے انھوں نے مختلف شہروں کے سفر کیے علم ہیئت کی تعلیم انھوں نے شیخ محمد افضل عثانی ۱ جون پوری سے حاصل کی ، اور شادی کرکے فیروز پور (گوڑ) میں مقیم ہو گئے ، سیف خاں نے انھیں چار سو فدادین ۲ خراجی زمین فیروز پور (گوڑ) میں دے دی تھی -

---

۱ - شیخ محمد افضل بن محمد حمزہ بن سلطان بن فریدالدین بن بہاءالدین عثانی جونپوری جو استادالملک کے لقب سے مشہور تھے شیخ عثمان ہارونی کی اولاد سے تھے ، ان کے والد دماوند علاقہ ماژندران سے ہندوستان آئے اور اودھ کے ایک قصبے بردولی میں مقیم ہوگئے ، اسی قصبے میں ١٦ رمضان ٩٧٧ھ — ١٥٧٠ء کو شیخ محمد افضل پیدا ہوئے انھوں نے بعض کتب درسیہ کی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ، پھر دھلی گئے اور وھاں شیخ طاھر لاھوری کے شاگرد شیخ حسین اور حکیم اسماعیل اور شیخ ابی حنیفہ اور حکیم علی گیلانی سے تعلیم حاصل کی ، یہاں تک کہ وہ علم و فضل کے اعتبار سے اپنے عہد کے اکابر

(باقی حاشیہ صفحہ ٣٢٠ پر)

۲ - فدادین ، فدون اور افدنہ ، فدان کی جمع ھیں ، ایک فدان چار سو مربع گز بانس کا ھوتا ھے - (المنجد)

**سلسلہ طریقت :** شاہ نعمت اللہ نے سلسلۂ قادریہ میں خرقہ خلافت شیخ شمس الدین ابوالفتح سے ، سلسلۂ چشتیہ میں میں شیخ محمد۱ سے اور سلسلۂ نقشبندیہ میں شیخ محمد۲ بن جلال گجراتی سے حاصل کیا تھا ۔

---

(صفحہ ۴۱۹ کا بقیہ حاشیہ)

علماء میں شمار ہونے لگے ، تحصیل علم کے بعد وہ جون پور تشریف لائے ، اور شیخ عبدالقدوس قلندر جون پوری کے دست حق پرست پر بیعت ہوکر درس و تدریس میں مشغول ہوگئے ، شیخ محمد افضل کے تلامذہ میں شیخ محمد دین جون پوری صاحب شمس بازغہ ، شیخ عبدالرشید صاحب رشیدیہ ، شاہ نعمت قادری فیروز پوری مشہور ہیں ۔

شیخ محمد افضل نے ۱۹ ربیع الثانی ۱۰۶۲ھ — ۱۶۵۲ء میں چوراسی سال اور سات مہینے کی عمر میں وفات پائی ، ان کا مزار چاچک پور نواح جون پور میں ہے ۔ (نزھۃ الخواطر - جلد ۴ - ص ۳۵۹)

۱ - شیخ محمد بن حسن بن احمد بن نصیر بن محمد بن سراج بن علامہ کمال الدین دھلوی ثم گجراتی اکابر مشائخ چشتیہ میں تھے ، جو ۹۶۵ھ میں احمد آباد میں پیدا ہوئے ، اور علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ ہو کر اپنے آبا و اجداد کی مسند رشد و ہدایت پر رونق افروز ہوئے ، شدید التوکل ، کثیرالاحسان اور صاحب وجد و حال بزرگ تھے ، سماع بغیر مضامیر کے سنتے تھے ، صاحب تصانیف تھے ، شیخ محمد نے ربیع الاول ۱۰۴۱ھ وفات پائی ، اور احمد آباد میں مدفون ہوئے ۔ (نزھۃالخواطر جلد ۵ - ص ۳۳۸) ۔

۲ - شیخ محمد بن جلال بن حسن بن عبدالغفور حسینی بخاری گجراتی ، محمد بن عبداللہ حسینی بخاری کی اولاد سے تھے ، شیخ محمد بن جلال ۱۴ رجب ۹۸۹ھ میں گجرات میں پیدا ہوئے ، اور اپنے عہد کے علماء سے تعلیم حاصل کی ، اور اپنے والد سے بیعت ہو کر علوم باطنی کی تعلیم حاصل کی ، ۱۰۰۳ھ اپنے والد کی وفات کے بعد مسند رشد و ہدایت کو زینت بخشی ، آن کی تصانیف میں اوراد و وظائف جمعات شاھینہ (باقی حاشیہ صفحہ ۴۲۱ پر)

**شاہ شجاع کی ارادت :** شاہ شجاع نے جب کہ وہ اپنے والد کی طرف سے بنگال کا گورنر تھا ، شاہ نعمت اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کی ، جس کی وجہ سے انہیں غیرمعمولی حسن قبول اور وجاہت حاصل ہوئی ، جب شاہ شجاع شکست کھا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا تو عالمگیر نے انہیں پانچ ہزار نقد ادا کیے ۔

**تصانیف :** شاہ نعمت اللہ صاحب تصانیف تھے ، ان کی تصانیف میں تفسیر قرآن کریم جو انھوں نے تفسیر جلالین کے طرز پر لکھی تھی اور ۱۰۷۰ھ — ۱۶۵۹ء میں مکمل کی تھی ، اور ترجمۂ قرآن کریم جو انھوں نے دہلی کے قیام کے زمانے میں کیا تھا مشہور ہیں ۔

**وفات :** شاہ نعمت اللہ نے ۱۰۷۵ھ — ۱۶۶۴ء میں وفات پائی ، ان کا مزار گوڑ کے نواح ، فیروز پور میں ہے[۱] ۔

---

(صفحہ ۴۲۰ کا بقیہ حاشیہ)

ہے ، ۱۲ رجب ۱۰۴۵ھ کو انھوں نے وفات پائی ، اور اپنے دادا کے حظیرے میں مدفون ہوئے ۔ (نزھۃ الخواطر ۔ جلد ۔ ۵ ۔ ص ۲۳۷ — ۲۳۸) ۔

۱ ۔ شاہ نعمت اللہ قادری کے حالات مسلم بنگالی ادب اور نزھۃ الخواطر جلد ۵ ص ۴۲۳ — ۴۲۴ سے ماخوذ ہیں ۔

( ۶۹ )

## شاہ نوری

**حالات :** ڈھاکہ کے صوفیائے کرام میں جن بزرگوں نے غیر معمولی شہرت و عظمت حاصل کی آن میں شاہ نوری بھی ہیں ، آپ کے والد کا اسم گرامی مولانا شیخ عبداللہ مجددی اور دادا کا نام شیخ غلام محمد مجددی تھا ، جو ڈھاکہ کے محلہ بابو پورہ میں رہتے تھے -

کبریت احمر میں اپنی ابتدائی تعلیم پر روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے لکھا ہے کہ میں بچپن میں پڑھنے کے لیے شائستہ خاں کے مدرسے میں جایا کرتا تھا ، اور گھر میں اپنے والد کے درس میں بھی شریک ہوتا تھا ، جس میں اور بھی بہت سے طالب علم شریک ہوتے تھے -

پھر آپ تعلیم کے حصول کے لیے مرشد آباد تشریف لے گئے ، اور موتی جھیل کے مدرسے میں تعلیم پانے لگے -

**شاہ باگو کی خدمت میں حاضری اور بیعت :** مرشد آباد[۱] کے قیام کے زمانے ہی میں باگو دیوان[۱] کی بزرگی و عظمت کی شہرت سن کر آن

---

۱ - مرشد آباد مغربی بنگال کا ایک بڑا شہر ہے جو نہر بھا کرتی کے کنارے واقع ہے ، اور نہر کے دونوں کناروں پر آباد ہے ، ابتدا میں ایک شخص مخصوص خاں نامی نے اس جگہ ایک سرائے "مخصوص آباد" نام سے آباد کی تھی ، جہاں چند دکانداروں نے شروع میں سکونت اختیار کی جب اورنگ زیب کے زمانے میں نواب جعفر خاں نصیری

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۲۴ پر)

کی عقیدت و محبت کا چراغ آپ کے قلب میں جل اٹھا ، آپ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کے لیے درخواست کی ۔ شاہ باگو نے فرمایا کہ حصول علم بیعت پر مقدم ہے ، پہلے تعلیم مکمل کرو ، پھر میں بیعت کروں گا چنانچہ آپ تحصیل علم میں مشغول ہو گئے ، تعلیم مکمل کرنے کے بعد پھر آپ دوبارہ حضرت شاہ باگو کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت کی ۔

**ریاضت و مجاہدے :** بیعت ہونے کے بعد ایک طویل عرصے تک اپنے پیر کی خدمت میں رہ کر ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہے ، یہاں تک کہ شاہ باگو نے آپ کو خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا ۔

**ڈھاکہ کو واپسی :** اپنے پیر کی وفات سے ڈیڑھ سال پہلے اپنے وطن

---

(صفحہ ۴۲۳ کا بقیہ حاشیہ)

جو دیوانی اڑیسہ پر فائز تھا کار طلب خاں کا خطاب پا کر بنگال کی دیوانی پر سرفراز ہوا ، اور جہانگیر نگر عرف ڈھاکہ پہنچا تو اس وقت شہزادہ عظیم الشان ، اورنگ زیب کی جانب سے حکومت بنگال پر آیا ، نواب جعفر خاں نصیری کی شہزادہ عظیم الشان سے نہ بنتی تھی ، اس نے یہ عذر تراش کر کہ بنگال کے دوسرے مقامات ڈھاکہ سے دور پڑتے ہیں اپنا مسکن مخصوص آباد کو بنایا ، اور عملۂ زمینداراں و قانون گویاں اور ارباب دفاتر کو وہاں مقیم کیا ، جب صوبہ داری اوڑیسہ و بنگال منظم ہوگئی ، اور وہ خطاب مرشد قلی خانی خلعت ، علم و نقارہ و اضافۂ منصب سے سرفراز ہوا تو اس نے اس شہر کا نام اپنے نام پر مرشد آباد رکھا ، اور وہاں دارالضرب قائم کی ، اور سکہ ضرب مرشدآباد مسکوک کیا ، اسی وقت سے یہ شہر صوبہ داری کا مستقر بنا ۔ (ریاض السلاطین چمن سیوم) ۔

۲ ۔ شاہ باگو کا اصلی نام شاہ حفیظ الرحمان تھا ، مگر وہ مشہور شاہ باگو دیوان کے عرف سے تھے ، قصبہ باگھ کے رہنے والے تھے ، شاہ باگو نے ۲۵ ذیقعد ۱۱۹۵ھ — ۱۷۸۰ء میں وفات پائی ۔ (آسودگان ڈھاکہ ص ۱۱۶) ۔

ڈھاکہ واپس تشریف لائے ، آپ کے والد محترم شیخ عبداللہ اس وقت حیات تھے ، انھیں کے ارشاد پر آپ نے بابو پورے کی سکونت چھوڑ کر مگ بازار میں سکونت اختیار کی۱ -

تواریخ ڈھاکہ میں ہے کہ مگ بازار اس وقت ایک ویرانہ تھا ، آپ کے تشریف لانے کے بعد اس ویرانے کی رونق بڑھی ، یہیں آپ رشد و ہدایت میں مصروف ہوگئے۲ -

**علم و فصل :** علم و فضل کے اعتبار سے بھی شاہ نوری کا مرتبہ بہت بلند تھا ، فارسی زبان میں کمال رکھتے تھے -

**تصانیف :** صاحب تصنیف تھے ، آپ کی تصنیف ''کبریت احمر'' مشہور ہے ، اس کتاب میں آپ نے اپنے مرشد کے ملفوظات کو جمع فرمایا ہے -

**وفات :** شاہ نوری نے ۲۷ ربیع الثانی ۱۲۰۰ھ — ۱۷۸۵ء میں وفات پائی ، نساخ مرحوم نے ذیل کے قطعہ میں آپ کی تاریخ وفات نکالی :

شاہ نوری وحید عصر کہ بود
حامی دین و ملت احمد
گفت نساخ سال ترحیلش
پشت پا را بروئے دنیا زد
۱۲۰۰ھ

آپ کا مزار پر انوار مگ بازار ڈھاکہ میں ایک احاطے کے اندر واقع ہے -

**اولاد :** آپ کے صاحبزادے شاہ مجدی تھے۳ -

---

۱ - یہ تمام تفصیل آسودگان ڈھاکہ - تالیف حکیم حبیب الرحمان - ص ۱۱۵ تا ۱۱۷ سے ماخوذ ہے -
۲ - تواریخ ڈھاکہ - ۱۷۶ تا ۱۷۷ -
۳ - آسودگان ڈھاکہ - ص ۱۱۶ -

(۷۰)

# شیخ یوسف بنگالی

**حالات :** شیخ یوسف بنگالی کے متعلق یہ تفصیل ہمیں کہیں نہیں ملی کہ وہ بنگال کے کس شہر یا قصبے کے رہنے والے تھے ، لیکن یہ یقینی امر ہے کہ ان کا اصل وطن بنگال تھا ، آغاز جوانی میں علم کے ذوق نے آنھیں ترک وطن پر مجبور کیا ، اور وہ علوم رسمیہ کی تحصیل کے لیے مشفق اساتذہ کی تلاش میں اپنے وطن سے بے وطن ہوکر مختلف شہروں میں سرگرداں رہے ، آخر ان کی تلاش و جستجو نے آنھیں حضرت شیخ وجیہ الدین علوی[۱] کی خدمت میں پہنچایا ، اور حضرت شیخ وجیہ‌الدین

---

۱ - مولانا شیخ وجیہ‌الدین بن نصراللہ بن عمادالدین علوی گجراتی ۹۰۲ھ ۱۴۹۶ء میں مشرقی گجرات کے مشہور اور قدیم شہر جانپانیر میں پیدا ہوئے ، پانچ سال کی عمر سے تینتیس سال کی عمر تک علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول رہے ، یہاں تک کہ ساٹھ سے زیادہ علوم وفنون میں آپ نے دسترس اور کمال حاصل کیا ، آپ نے علامہ عمادالدین محمد بن محمود طارمی سے منطق وحکمت کلام اور اصول‌اور دوسرے علوم کا درس حاصل کیا ، یہاں تک کہ صاحب فتویٰ اور صاحب درس ہوئے ، اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے- پھر احمد آباد اس آفتاب علم کی ضیا باریوں سے منور بنا ، علوم کی تکمیل کے بعد آپ نے ابتداءً شیخ قاضی خاں چشتی نہر والہ مشہور بہ شیخ قاضن کے دست حق پرست پر بیعت کی ، جب شیر شاہ سوری کے دور میں شیخ محمد غوث گوالیاری

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۸ پر)

(صفحہ ۴۲۷ کا بقیہ حاشیہ)

اپنے اہل و عیال اور مریدوں کے ساتھ ہجرت کر کے گجرات آئے، یہاں شیخ علی متقی نے جو ایک بلند پایہ عالم تھے، ان کی تصانیف پر کفر کا فتویٰ دیا تو اس وقت کے بادشاہ سلطان محمود گجراتی نے وہ فتویٰ شیخ وجیہ‌الدین کے پاس بھجوایا، شیخ وجیہ‌الدین شیخ محمد غوث گوالیری کی روحانیت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ آپ نے شیخ محمد غوث گوالیری سے طریقہ چشتیہ شطاریہ میں بیعت کر لی، اور شیخ علی متقی کے فتوے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

مولانا شیخ وجیہ‌الدین گجراتی کے محامد و محاسن کو بیان کرتے ہوئے ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی مشہور کتاب منتخب التواریخ میں لکھا ہے کہ:

خلائق را پیوستہ از انفاس متبر کۂ او فیض می رسد و حق سبحانہ اسم الشافی را ظاہر دوا را مظہر ساختہ، تا ہر روز جمعے لا تعداد لا تحصیٰ از بیماران و محنت زدگان بہ ملازمت او آمدہ التماس دعا می نمودند، و اثر آن زود می یافتند۔

صاحب نزہۃالخواطر نے آپ کی سیرت و اخلاق کی مدح سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا شیخ وجیہ‌الدین صاحب صدق و اخلاق، شریف النفس تھے اور جو کچھ آپ کو آسانی سے مل جاتا تھا، اس پر قانع تھے اور عام لوگوں کی طرح موٹے کپڑے پہنتے تھے جو کچھ آپ کو حاصل ہوتا تھا اسے طلبہ میں خرچ کرتے تھے، امیروں کے دروازے پر کبھی نہ جاتے تھے، سوائے ایک دو مرتبہ کے کہ باکرہ و مجبوری سے آپ کو جانا پڑا، وہ کبھی گھر اور مسجد کے سوا کہیں باہر نہیں دیکھے گئے، ہمیشہ عبادت اور درس و تدریس میں مشغول رہے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بیس بتائی جاتی ہے، صاحب گلزار ابرار نے آپ کی تصانیف میں سے صرف حواشی و شروح کے جو نام دیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۲۹ پر)

علوی کی خدمت میں رہ کر انہوں نے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تکمیل کی ، ان علوم کی تکمیل کے بعد وہ اپنے استاد کی اجازت سے برہان پور پہنچے ، اور وہاں پہنچ کر شیخ سالم کی ہمسائیگی میں رہنے لگے ۔

**ازدواج :** چند دن کے بعد شیخ سالم نے اپنی صاحبزادی کا عقد شیخ یوسف بنگالی سے کر دیا ، ذرا اطمینان میسر آیا تو وہ درس و تدریس میں مشغول ہو گئے ، لیکن تصوف کی تعلیم سے ہمیشہ احتراز کیا کرتے تھے ، اگر کوئی آرزو مند اصرار کرتا تو آپ اس کو حقیقت آگاہ شیخ طاہر یوسف کی خدمت میں بھیج دیتے تھے ۔

**تبحر علمی :** شیخ یوسف بنگالی کا تبحر علمی اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ مسیح القلوب بعض علوم میں اور دریائے فضیلت و کمال شیخ پیر محمد حلیم اکثر علوم میں آپ کے شاگرد ہیں ۔

**ہمعصروں کے علم و فضل و بزرگی کا اعتراف :** ایک دفعہ شیخ یوسف بنگالی کے داماد شیخ سکھ جی نے جو حکیم عثمان بوبکانی کے شاگرد

---

صفحہ ۴۲۸ کا بقیہ حاشیہ

(۱) حاشیہ فوائد ضیائیہ (۲) شرح ارشاد قاضی (۳) شرح ابیات منہل دمامینی ۔ علم نحو میں (۴) حاشیہ مطول و مختصر تلخیص ۔ علم معانی میں (۵) حاشیہ عضدی و تلویح و بزودی ۔ اصول فقہ میں ۔ (۶) حاشیہ شرح تجرید اصفہانی ، محقق دوانی کے قدیم حاشیہ پر حاشیہ ۔ علم کلام میں (۷) حاشیہ بیضاوی ۔ علم تفسیر میں (۸) حاشیہ شرح وقایہ و ہدایہ ۔ فروع فقہ میں (۹) حاشیہ قطبی شرح شمسیہ ۔ فن منطق میں (۱۰) شرح نخبۃ الفکر ۔ اصول حدیث میں (۱۱) شرح جام جہاں نما (۱۲) کلید مخازن (۱۳) غوث الاولیا (۱۴) رسالہ حقیقت محمدیہ — بیان تصوف میں ۔

مولانا شیخ وجیہ الدین نے ۹۹۷ھ میں وفات پائی ، اور اپنے مدرسے کے وسط میں مدفون ہوئے ۔ ان کے مزار کا چھپر کھٹ نواب مرتضیٰ خاں نے بنوایا ۔ (ماخوذ از آردو ترجمہ گلزار ابرار ۔ ص ۴۰۵ تا ۴۰۹ و نزہۃ الخواطر ۔ جلد ۴ ۔ ص ۳۳۸ تا ۳۳۹) ۔

ھیں مسیح القلوب کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے خسر نے وفات کے وقت وصیت کی تھی کہ میرے فرزندوں کو حقائق نثار ، حقیقت آگاہ شیخ طاہر ابن یوسف میں تبرکا جا کر دو تین حرف پڑھ لینا چاھئے ، اس پڑھنے کی برکت کا اثر اخیر میں ظاہر ھو گا ، چنانچہ آپ کے دونوں صاحبزادوں نے اپنے والد محترم کی وصیت پر عمل کیا۔

**وفات :** شیخ یوسف بنگالی نے برھان پور میں وفات پائی ، اور وھیں آپ کا مزار پر انوار زیارت گاہ خاص و عام ھے۔

**اولاد :** شیخ یوسف بنگالی کے دو صاحبزادے تھے ، ایک کا نام عبداللہ اور دوسرے کا نام عبدالرحمٰن تھا ، دونوں نے اپنے والد کی وصیت کے مطابق شیخ طاھر بن یوسف سے شرف۔ تلمذ حاصل کرکے علم و فضل حق شناسی اور خدا پرستی کی نعمتوں سے مالا مال ھوئے۔

# FOREWORD

I am glad to have the opportunity of introducing this new book of Maulana I'jaz-ul-Haq Quddusi to the Urdu-reading public.

During the last years we had the privilege of reading a large number of books which the learned author has composed about the History of Tasawwuf in the present area of Pakistan : the Saints of Sind and those of the Punjab were introduced to us, and Maulana Quddusi's book on his venerable ancestor, the great Abdul Quddus Gangohi—quoted even by Allama Iqbal in his Lectures—belongs without doubt to the best studies into the life of a single saint. Today the infatigable author has finished his new study of the Saints of Bengal, a subject which is, no doubt, more difficult to handle than that of his previous books. When I was in East Pakistan this spring, I visited as many shrines as possible and tried to gather some information about the saints which are buried there. But it was scarcely possible to trace their lives, and even as to their period people did not always agree. Compared to the Western part of the country the number of famous saints in East Pakistan is smaller, and the sacred places are by far not as splendid as they are e.g. in the Punjab or in Sind.

We visited several holy places in Dacca and the famous little dargah in Mirpur, north Dacca, which is said to have been built already in the 5th century Hijri ; we went up to Sylhet for paying our respects to Shah Jalal and seeing the fishes in the holy tank, a large crowd had gathered here, but the particulars that were given to us about the pedigree and the life of the Saint were widely different from each other. We also did not fail to visit the sanctuary of Bayezid Bistami at Chittagong, one of the strangest

places I have ever seen, with the enormous number of big turtles. It bears some resemblance to Mangho Pir and its famous crocodiles, and I wonder what Bayezid Bistami would say if he could see this amount of strange animals in the tank in front of the sanctuary !

We listened to the folk-songs, to the bawls and the marafatis which are still living in the people, a people which can express all his feelings in sweet and touching songs, and which has expressed the longing of the soul for the Heavenly Bliss in terms of a sea-faring nation : the soul is lost in the broken boat, the world is the shoreless ocean, storm and the little water-hyacinths surround the tiny boat, thunderstorm rents the sails of the sailing boat, and only Muhammad, the great boatsman, may be able to lead the poor soul towards the shore of the Shoreless God.

Into this world of piety are we introduced by Maulana Quddusi, and I express my sincere wish that his book, just as the former volumes, will be nseful for all who are interested in the spiritual history of the country of Pakistan.

Professor
Dr. ANNEMARIE SCHIMMEL

Bonn.
6 October 1962.

# اسمائے رجال

## الف

## اسمائے رجال

## خ

## ش

## اسمائے رجال

## ص



## ض



## ط



## ظ

ع

# اسمائے رجال

## گ



## ل



## م

## و



## ھ

# اسمائے اماکن و بلاد

## الف



## ب

## د



## ڈ



## ر



## س

## ش



## ط



## ظ



## ع

## ن



## و



## ہ

## اسمائے اماکن و بلاد



### ی

# نامہائے کتب

## الف

## ج

## ل



## م

# فہرست مآخذ


| نمبر شمار | نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|---|
| ۱ | آب کوثر | شیخ محمد اکرام |
| ۲ | تاریخ مگدھ | مولوی فصیح الدین بلخی |
| ۳ | تاریخ مشائخ چشت | خلیق احمد نظامی |
| ۴ | مقالات الشعراء | میر علی شیر قانع ٹھٹوی |
| ۵ | اخبار الاخیار | شیخ عبدالحق محدث دہلوی |
| ۶ | قلائد الجواہر | |
| ۷ | بہجۃ الاسرار | |
| ۸ | مسلم بنگالی ادب | ڈاکٹر انعام الحق پروفیسر راج شاہی یونی ورسٹی |
| ۹ | ترجمہ تذکرۂ علمائے ہند | رحمان علی |
| ۱۰ | تواریخ ڈھاکہ | |
| ۱۱ | انسکرپشن آف بنگال | شمس الدین احمد |
| ۱۲ | سوشل اینڈ کلچرل ہسٹری آف بنگال | ڈاکٹر محمد عبدالرحیم |
| ۱۳ | بنگال ڈسٹرکٹ گزیٹرس | |
| ۱۴ | جنرل آف دی ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (۱۸۷۰ء) | |
| ۱۵ | تذکرہ اولیائے بنگالہ حصہ اول | مولانا عبیدالحق پرنسپل مدرسہ عالیہ فینی |
| ۱۶ | تاریخ فرشتہ جلد اول و دوم | محمد قاسم |
| ۱۷ | رود کوثر | شیخ محمد اکرام |

## فہرست مآخذ

| نمبر شمار | نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|---|
| ۱۸ | نزہۃالخواطر ۔ جلد ۴ | مولانا عبدالحی |
| ۱۹ | مشرق بنگال میں اردو | سید اقبال عظیم |
| ۲۰ | نزہۃالخواطر جلد ۷ | مولانا عبدالحی |
| ۲۱ | تاریخ فیروز شاہی | شمس سراج عفیف |
| ۲۲ | ہسٹری آف صوفی ازم ان بنگال ۔ | ( غیر مطبوعہ ) ڈاکٹر انعام الحق |
| ۲۳ | نفحات الانس | مولانا عبدالرحمن جامی |
| ۲۴ | سفینۃالاولیاء | داراشکوہ |
| ۲۵ | خزینۃالاصفیاء جلد اول و دوم | مفتی غلام سرور لاہور |
| ۲۶ | نزہۃالخواطر جلد ۵ | مولانا عبدالحی |
| ۲۷ | نزہۃالخواطر جلد ۷ | ،، |
| ۲۸ | تذکرۃ الواصلین | خان بہادر رضی الدین فرشوری |
| ۲۹ | تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ۔ | جلد اول و دوم ۔ سید ہاشمی فرید آبادی |
| ۳۰ | رسالہ نقوش ( لاہور نمبر ) | |
| ۳۱ | ریاض السلاطین | |
| ۳۲ | تذکرہ صوفیائے پنجاب | اعجاز الحق قدوسی |
| ۳۳ | سلاطین دھلی کے مذہبی رجحانات | |
| ۳۴ | سیر العارفین | شیخ جمالی |
| ۳۵ | فوائدالفواد | خواجہ حسن سنجری |
| ۳۶ | سوشل ہسٹری آف بنگال | عبدالکریم صاحب لیکچرار ڈھاکہ یونیورسٹی |
| ۳۷ | رسالہ احوال گوڑھ و پنڈوہ | منشی شیام پرشاد |
| ۳۸ | مسلم آرکیٹکٹ ان بنگال | پروفیسر احمد حسن دانی |

# فہرست مآخذ


| نمبر شمار | نام کتاب | نام مصنف |
| --- | --- | --- |
| ۳۹ | اذکار ابرار (ترجمہ گلزارابرار) | فضل احمد |
| ۴۰ | سیرت سید احمد شہید | مولانا ابوالحسن ندوی |
| ۴۱ | سہیل یمن ( قلمی ) | ،، |
| ۴۲ | تاریخ جلالی ( قلمی ) | ،، |
| ۴۳ | سوانح عمری حضرت شاہ جلال | (عبدالمالک چودھری ). |
| ۴۴ | تذکرہ صوفیائے سندھ | اعجازالحق قدوسی |
| ۴۵ | نزھۃالخواطر جلد ۵ | مولانا عبدالحی |
| ۴۶ | حضرات القدس | |
| ۴۷ | تاریخ جلال | منصور علی |
| ۴۸ | رسالہ اردو ، اکتوبر ۱۹۵۲ | انجمن ترقی اردو پاکستان |
| ۴۹ | جنرل آف پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، جلد اول | |
| ۵۰ | بزم صوفیہ | |
| ۵۱ | سیرالاولیاء | میر خورد |
| ۵۲ | روضۃالاقطاب | |
| ۵۳ | خیرالمجاس | حمید شاعر قلندر |
| ۵۴ | تکملا خیرالمجاس | ،، |
| ۵۵ | تاریخ معصومی | میر معصوم بکھری |
| ۵۶ | ذخیرۃالخوانین جلد اول | ( مطبوعہ ) شیخ فرید بکھوی |
| ۵۷ | نزھۃالخواطر جلد ۱ | مولانا عبدالحی |
| ۵۸ | بنگے صوفی پربھاوا (بنگالی) | ڈاکٹر انعام الحق |
| ۵۹ | شیخ عبد القدوس گنگوھی اور آن کی تعلیمات | اعجازالحق قدوسی |
| ۶۰ | لطائف اشرفی | |
| ۶۱ | مراۃالاسرار ( قلمی ) | |
| ۶۲ | نزھۃالخواطر جلد ۳ | مولانا عبدالحی |

## فہرست مآخذ

| نمبر شمار | نام کتاب | نام مصنف |
|---|---|---|
| ٦٣ | بنگال میں اردو | وفا راشدی |
| ٦٤ | اردو ترجمہ منتخب التواریخ | مترجمہ مولانا احتشام الدین |
| ٦٥ | آسودگان ڈھاکہ | حکیم حبیب الرحمن اخونزادہ |
| ٦٦ | نزھۃالخواطر جلد ۷ | مولانا عبدالحی |
| ٦٧ | سیرت مولانا کرامت علی | مولانا عبدالباطن جون پوری |
| ٦٨ | انتخاب کلام | |
| | مسلم شعرائے بنگال | ڈاکٹر انعام الحق |
| ٦٩ | حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی | خلیق احمد نظامی |
| ٧٠ | مجمع الاسرار (قلمی) | |
| ٧١ | آئینۂ اودھ | سید شاہ ابوالحسن |
| ٧٢ | نزھۃالخواطر - ج ۴ | مولانا عبدالحی |
| ٧٣ | ،، جلد ۳ | ،، |

# صحت نامہ

| غلط | صحیح | صفحہ | سطر |
|---|---|---|---|
| نزھۃالخوطہ | نزھۃالخواطر | ۳۲ | ۱۴ |
| شیخ عبدالحق | شیخ علاءالحق | ۳۹ | ۴ |
| شیخ حسین ڈھکر پوش | شیخ حسین ڈھاکر پوش | " | ۶ |
| کو ھم | ھم کو | ۴۱ | ۱۳ |
| نزھۃالخواطہ | نزھۃالخواطر | ۴۸ | ۲۲ |
| بربک شاہ | باربک شاہ | ۵۳ | ۱۲ |
| شاہ انور قلی جلی | شاہ انور قلی حلبی | ۵۵ | ۱ |
| ماھرین کا خیال ھے | ماھرین آثار قدیمہ کا خیال ھے | ۵۵ | ۱۶ |
| ڈسٹیک | دسٹرکٹ | ۵۵ | ۱۸ |
| نزھۃالخواطہ | نزھۃالخواطر | ۶۶ | ۲۵ |
| سید شاہالحسن | سید شاہ ابوالحسن | ۷۱ | ۷ |
| احمد شہید | سید احمد شہید | ۷۸ | ۲ |
| ترجمہ علمائے ہند | ترجمہ تذکرہ علمائے ہند | ۸۰ | ۱۹ |
| ہسٹری آف صوفی ازم بنگال | ہسٹری آف صوفی ازم ان بنگال | ۹۱ | ۱۸ |
| یحیٰی معاذ | یحیٰی بن معاذ | ۹۲ | ۶ |
| نشاپور | نیشاپور | ۹۲ | ۱۰ |
| اشعۃاللمعات | اشعت اللمعات | ۹۶ | ۲۱ |
| قدرچی | قورچی | ۹۹ | ۲۳ |
| حس | حسن | ۱۱۷ | ۲۰ |
| احمد یارگار | احمد یادگار | ۱۲۶ | ۶ |
| شوسل ہسٹری آف دی ان بنگال | سوشل ہسٹری آف مسلم ان بنگال | ۱۳۳ | ۱۱ |

## صحت نامہ

| غلط | صحیح | صفحہ | سطر |
|---|---|---|---|
| خزینۃالاصفیاء | خزینۃالاصفیا | ۱۳۳ | ۲۵ |
| مسلم آرکیٹک | مسلم آرکیٹکٹ | ۱۳۷ | ۱۱ |
| تاریخ اولیائے بنگالہ | تذکرہ اولیائے بنگالہ | ۵۲ | ۲۴ |
| اکناکہ | اکنالہ | ۲۱۷ | ۱۹ |
| مسلم آرٹیکچر | مسلم آرکیٹکٹ | ۲۱۸ | ۲۱ |
| سلطان قطب ایبک | سلطان قطب‌الدین ایبک | ۲۴۱ | ۱۱ |
| سید صفی‌الدین گازونی | سید صفی‌الدین گازرونی | ۲۷۸ | ۱۶ |
| امام شافی | امام شافعی | ۳۰۵ | ۲۵ |
| خصوص الحکم | فصوص‌الحکم | ۳۱۳ | ۲۴ |
| سلطان ابراہیم مشرق | سلطان ابراہیم شرقی | ۳۳۱ | ۱۳ |
| مشرق پاکستان کی | مشرقی پاکستان کے | ۳۳۵ | ۲۵ |
| عبدالدول | عبدالاول | ۳۳۶ | ۲۲ |
| بسطاطیہ | بسطامیہ | ۳۴۹ | ۱۷ |
| رام بولیا | رام پور بولیا | ۳۶۱ | ۱ |
| سلطان ابراہیم مشرق | سلطان ابراہیم شرقی | ۳۹۴ | ۲۱ |
| مسلم ارٹی‌ٹیکچر | مسلم آرکیٹکٹ | ۴۰۹ | ۹ |
| سلطان شاہ | سلطان حسین شاہ | ۴۱۰ | ۲۶ |
| مضامیر | مزامیر | ۴۲۰ | ۱۸ |
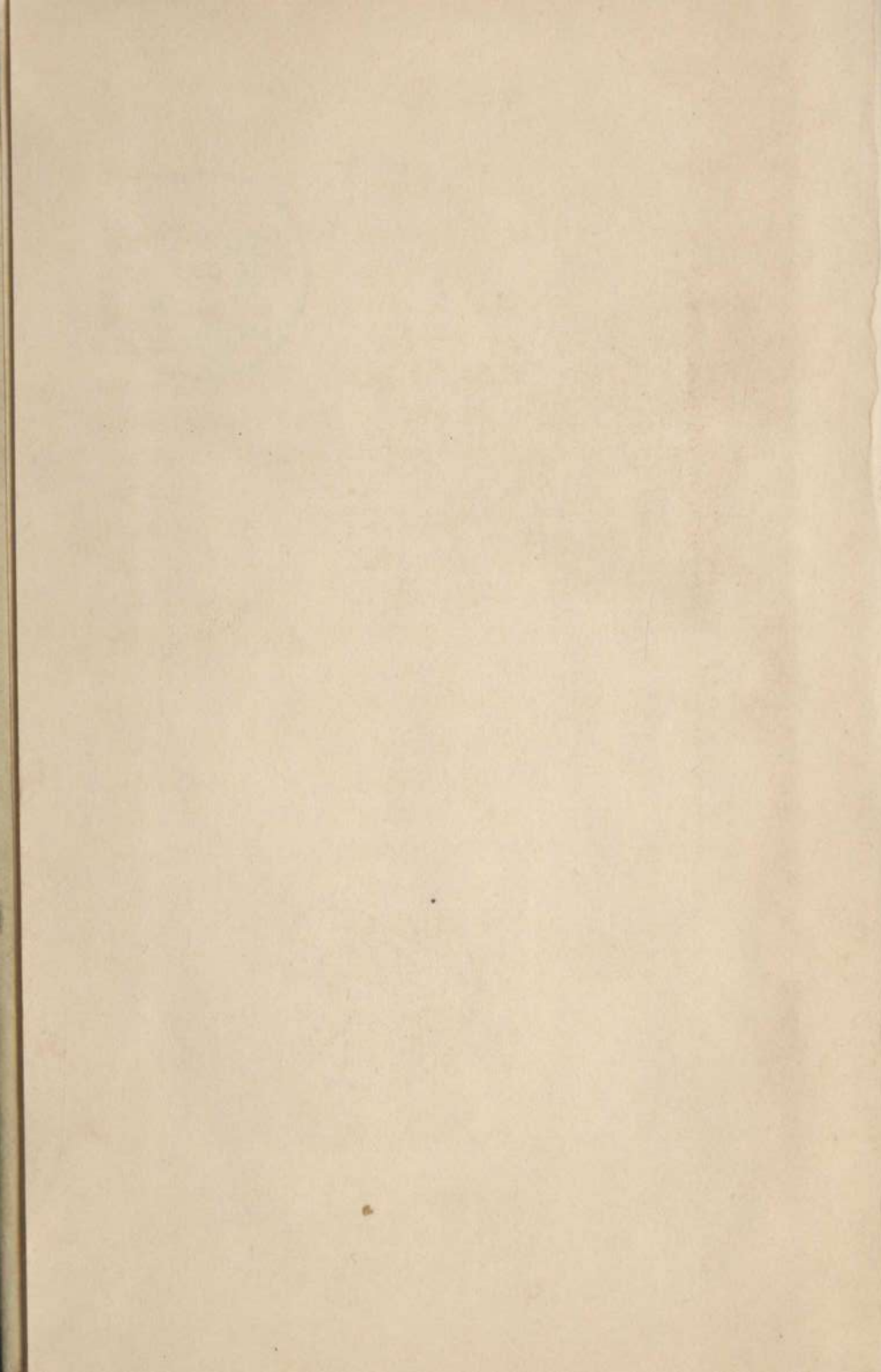
مرکزی اُردُو بورڈ

کی

ایک حسین پیشکش

# سفر

جلال و جمال کا یہ مرقّع جناب جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمٰن کے رشحاتِ قلم کا مجموعہ ہے ۔ موصوف نے اپنی طویل نظم ''سَفر'' میں برّصغیر کی تاریخ کی اس خُوبی اور صنّاعی سے اجمالی عکاسی کی ہے اور تحریکِ پاکستان کا پس منظر اس عمدگی سے پیش کیا ہے کہ عہدِ عتیق سے قیامِ پاکستان تک کے تمام ادوار اپنی تمام تر جزئیات جلو میں لیے قاری کے ذہن کے پردہ پر متحرک نظر آتے ہیں ۔ جہاں تک اسلُوب نگارش اور طرزِ بیان کا تعلق ہے ''سفر'' منظر نگاری کی ایک مکّمل، جامع اور حسین تصویر ہے ۔

''سفر'' میں شامل چند نادر تصاویر پاکستان کے مایۂ ناز فرزند مصّور مشرق عبدالرحمان چغتائی کے مُو قلم کا نتیجہ ہیں ۔ اس کتاب کی تزئین و آرائش بھی مصّورِ مشرق کی مرھُونِ منّت ہے ۔